"مطالعۂ مکتوبات را لازم گیرند کہ سود منداست"
(دفتر اول مکتوب ۲۳۷)

# مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ

شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی

کے

## دفتر دوم

کا

## اردو ترجمہ

مترجمہ

### حضرت مولانا سیّد زوّار حسین شاہ صاحبؒ

ناشر

ادارۂ مجددیہ : ۵/۲، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی

۷۸۶

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

مطالعۂ مکتوبات را لازم گیرند کہ سود مند است (مکتوب ۲۳۷ ج ۱)

# مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ

امامِ ربانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ

کے

## دفتر دوم

مسمّٰی بہ "نور الخلائق" ۱۰۲۸ھ کا

## اردو ترجمہ

مترجمہ

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

ناشر

ادارۂ مجددیہ، ناظم آباد ۳، کراچی ۱۸

۶۰/-

ناشر ادارۂ مجددیہ۔ ناظم آباد ۳ کراچی

مطبوعہ احمد برادرس پرنٹرس۔ ناظم آباد ۲

تعداد ایک ہزار

قیمت

ملنے کا پتہ

ادارہ مجددیہ: ۲/۵۔ ایچ۔ ناظم آباد ۳ کراچی

سنہ ۱۹۹۱ء

# فہرست مضامین

# پیش لفظ

از دست و زبان کہ برآید — کز عہدۂ شکرش بدر آید

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ الہ الطیبین الطاہرین اجمعین ؛ اما بعد یہ عاجز ضعیف و نحیف، بے علم و عمل کس زبان سے حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے صرف اپنے فضل و کرم اور عنایت و توفیق سے مکتوبات جیسے اہم کام کی ترتیب و تصحیح اور اشاعت کی توفیق رفیق بخشی، ورنہ "کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گُل"۔

یہ عاجز قبل ازیں مکتوباتِ شریفہ حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی کے دفترِ اول کو دو حصوں میں کرکے اس کا اردو ترجمہ شائع کر چکا ہے جس سے قارئینِ کرام کو اس کے حُسن و قبح اور افادیت کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ اب حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل و کرم سے دفترِ دوم کو بھی اسی انداز پر مع حواشی اور اشاریہ وغیرہ کے شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے ـــــ پیشِ نظر دفتر کو شیخ عبدالحی بن خواجہ چاکر حصاری شادمانی خلیفہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے حکم پر جمع کیا اور اس کا تاریخی نام "نورالخلائق" (۱۰۲۸) رکھا۔

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کا حُسنِ ذوق قابلِ رشک ہے کہ آپ نے ہر دفتر کے مکتوبات کی تعداد عمدہ سے عمدہ عدد پر رکھی، چنانچہ پیشِ نظر دفترِ دوم کے مکتوبات کی تعداد حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے "اسماءِ حُسنیٰ" کے مطابق ننانوے ۹۹ ہے، جن میں دو ۲ مکتوب ۵۱، ۶۶ عربی زبان میں ہیں اور پانچ مکتوبات میں عربی اور فارسی دونوں زبانیں ملی جُلی ہیں اور باقی مکتوبات فارسی زبان میں اعلیٰ شاہکار ہیں۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے مکتوباتِ شریفہ، شریعت و طریقت کا خلاصہ اور حقیقت و معرفت کا خزانہ ہیں، اور اس کا ہر جملہ نہایت معنی خیز اور انقلاب انگیز ہے۔ شاید اسی وجہ سے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے دفتر اول مکتوب ۲۳۷ میں مکتوباتِ شریفہ کے متعلق تحریر فرمایا ہے:

"مطالعۂ مکتوبات را لازم گیرند کہ سود منداست"

(مکتوبات کا مطالعہ اپنے اوپر لازم جانیں کیونکہ فائدہ مند ہے)

چنانچہ مکتوباتِ شریفہ کی مقبولیت اس امر کی شاہدِ عدل ہے اور عاجز نے بھی اس جملہ کی اہمیت کے پیشِ نظر دفترِ ہذا کے سرورق کی پیشانی پر اس کو مزین کیا۔

دفترِ دوم کی تیاری کے دوران قدرتی طور پر ہر سہ دفاتر کے مضامین پر مشتمل ایک جامع اشاریہ کی ضرورت کا احساس ہوا، چنانچہ اسی وقت سے اس پر کام شروع کر دیا گیا، امید ہے کہ اس اشاریہ سے قارئین کو ہر مضمون کی فہرست یکجا مل جائے گی جس کی موجودہ دور میں بہت اہمیت ہے۔ باقی سب کچھ حق تعالیٰ کی توفیق پر موقوف ہے۔

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے حضور میں عاجزانہ دعا ہے کہ ترجمۂ ہذا کو مقبول فرما کر اس کو خواص و عوام کے لئے نفع بخش فرمائے اور اس عاجز کو حسنِ خاتمہ سے نوازے۔ آمین

می توانی کہ دہی اشک مرا حسنِ قبول اے کہ دُر ساختۂ قطرہ بارانی را

خاکسار عاجز محمد اعلیٰ غفرلہ

۱۵ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ مُبَارَکًا عَلَیْہِ وَکَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ الْاَتَمَّانِ الْاَکْمَلَانِ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَکُمَّلِ وَرَثَتِہٖ وَ سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ کَمَا یَلِیْقُ لِعُلُوِّ شَانِھِمْ وَیَحْرٰی (اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کے لئے ایسی عمدہ حمد ہے جو طیب اور برکت والی ہو، جیسی کہ ہمارے رب کو محبوب اور پسند ہو۔ اور اتم و اکمل سلام ہو اُس کے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل و اصحاب اور اہل بیت اور آپ کے کامل وارثوں اور تمام ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر اور تمام انبیا ء والمرسلین اور ملائکۃ المقربین پر جیسا کہ ان کی بلند شان اور مرتبہ کے لائق ہے) **امّا بعد**

یہ وہ مکتوبات ہیں جو علوم غریبہ، معارفِ عجیبہ، اسرار لطیفہ اور دقائق شریفہ پر مشتمل ہیں، جن کو عارفوں میں سے کسی عارف ــــ نے بیان نہیں کیا، اور نہ ہی اولیاء میں سے کسی ولی نے ان کی طرف اشارہ کیا۔ یہ علوم و معارف انوارِ نبوت کے مشکوٰۃ سے اقتباس کئے ہوئے ہیں، اور یہ بلند ہمت والے امام، علماءِ راسخین کے پیشوا، رسولوں کی بزرگیوں سے مشرف، ولایتِ اصلیہ کے حامل، اسرارِ الٰہی کے مخزن، متشابہاتِ قرآنیہ کے دقائق کے واقف، حق تعالیٰ کی آیات (نشانیوں) میں سے ایک عجیب و غریب نشانی مجدّد الفِ ثانی، ہمارے شیخ و امام شیخ **احمد** فاروقی سلمہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ علیٰ رؤس العالمین (اللہ تعالیٰ سبحانہٗ جہان والوں کے سروں پر آپ کو سلامت رکھے)۔

جب مکتوباتِ شریفہ کی جلد اول تین سو تیرہ ۳۱۳ مکتوبات پر پہنچی تو حضرت ایشاں (مجدد صاحب) سلمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اس دفتر کو اسی عدد پر ختم کر دیں کیونکہ یہ (عدد) پیغمبرانِ مرسل صلوات اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا و علیہم کے عدد کے موافق ہے اور نیز اہلِ بدر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عدد کے بھی موافق ہے"۔ لہٰذا دفتر اول کو تبرکاً اور تیمناً (برکت) کے طور پر اسی عدد پر ختم کر دیا گیا ــــــــ بعد ازاں دوسرے مکتوبات قدسی آیات جو صادر ہوئے، معارف آگاہ، حقائق دستگاہ، مظہر فیضِ الٰہی، مُظہر اسرارِ

نامتناہی، جامع علوم ظاہری و باطنی، مخدوم زادہ شیخ مجدالدین خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ واوصلہ الیٰ غایۃ ما یتمناہ (اللہ تعالیٰ ان کو سلامت اور باقی رکھے اور انؐ ان کی تمناؤں کی نہایت تک پہنچائے) اس بات کے باعث ہوئے کہ (بعد میں صادر ہونے والے) یہ مکتوبات بھی جمع ہوں۔ چنانچہ آپ کے اشارۂ شریفہ کے مطابق اس درگاہ کے خاکروبوں میں سے کمترین اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے عاجز بندہ عبدالحی[۱] بن خواجہ چاکر حصاری (اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی مغفرت فرمائے اور اس کے عیبوں پر پردہ ڈالے اور اس کا حُسنِ خاتمہ کرے) ان مکتوبات کے جمع کرنے میں مشغول ہوا۔ وَھُوَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ (اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے اور اسی پر بھروسہ ہے)۔

## مکتوب ۱ اول

شیخ عبدالعزیز جونپوری[۲] کی طرف صادر فرمایا ــــــ مسئلہ وحدت الوجود سے متعلق شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ کے مذہب کے بیان میں، اور حضرت ایشاں (حضرت مجدد صاحب) سلمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک مختار کے بیان میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے امکان کو وجوب کا آئینہ اور عدم کو وجود کا مظہر بنایا۔ وجوب اور وجود دونوں اگرچہ حق سبحانہٗ کی صفتِ کمال میں سے ہیں لیکن حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان سے وراء (بلند) ہے، بلکہ وہ اسماء و صفات سے بھی وراء، شیون و اعتبارات سے بھی وراء، ظہور و بطون سے بھی وراء، بروز و کمون سے بھی وراء، تمام تجلیات و ظہورات سے بھی وراء، تمام موصول و مفصول سے بھی وراء، تمام مشاہدات و مکاشفات سے بھی وراء، تمام محسوسات و معقولات سے بھی وراء اور تمام موہومات و متخیلات سے بھی وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے ؎

چہ گویم باتو از مرغے نشانہ کہ باعنقا بود ہم آشیانہ

(حاشیہ: حق تعالیٰ سبحانہٗ کی صفات)

---

[۱] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۷۷ پر ملاحظہ ہو۔

[۲] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ شیخ عبدالعزیز بن فخرالدین جونپور میں پیدا ہوئے وہیں تربیت پائی اور اپنے والد سے درسی کتابیں پڑھیں اور سلوک کی تکمیل کی اور ان ہی کی مسندِ ارشاد پر بیٹھے، سیرت الاولیا لکھی جس میں اپنے مشائخ کا تذکرہ ہے۔ صاحبِ سلسلہ ہوئے (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۲۸)

زعنقا ہست نامے پیش مردم ز مرغِ من بود آں نام ہم گم

(ترجمہ) بتا میں کیا بتاؤں وہ کہاں ہے مگر وہ مثلِ عنقا بے نشاں ہے
اگر ہے نام عنقا سب کو معلوم مگر ہے نام بھی اس کا تو معدوم

کسی حمد کرنے والے کی حمد اس کی ذات کی جنابِ قدس تک نہیں پہنچ سکتی بلکہ تمام تعریفوں کی نہایت اس کی عزت کے پردوں سے نیچے ہی رہ جاتی ہے۔ اس ذات پاک (حق سبحانہٗ) نے اپنی تعریف آپ ہی کی ہے اور اپنی حمد کو آپ ہی بیان کیا ہے، پس وہ ذات تعالیٰ آپ ہی حامد اور آپ ہی محمود ہے اُس کے علاوہ (تمام کائنات) اس کی حمدِ مقصود کے ادا کرنے سے عاجز ہے، اور عاجز کیوں نہ ہو جبکہ اس سبحانہٗ وتعالیٰ کی حمد سے وہ بزرگ ہستی (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) بھی عاجز ہے جو کہ قیامت کے دن لوَاءِ الحمد[له] (حمد کا جھنڈا) اُٹھائے ہوئے ہوگی جس کے نیچے حضرت آدم اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں گے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ظہور میں تمام مخلوقات سے افضل واکمل، مرتبے میں سب سے زیادہ قریب، کمال میں سب سے زیادہ جامع، جمال میں سب سے زیادہ کامل، حسن وجمال کا چاند ہوتے ہیں سب سے زیادہ اکمل، قدر میں سب سے زیادہ بلند، بزرگی وشان میں سب سے زیادہ عظیم، دین میں سب سے زیادہ مضبوط، ملت میں سب سے زیادہ عادل، حسب میں سب سے زیادہ کریم وبزرگ، نسب میں سب سے زیادہ شریف اور خاندان میں سب سے زیادہ معزز ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ان کو پیدا نہ کرتا تو مخلوق کو بھی پیدا نہ کرتا اور نہ ہی اپنی ربوبیت ظاہر فرماتا۔ آپؐ اس وقت بھی نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے (یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے پُتلے کے لئے ابھی گُندھی ہوئی مٹی تیار ہوئی تھی)۔ اور قیامت کے دن آپؐ تمام نبیوں کے امام اور خطیب، اور صاحب شفاعت ہوں گے ——— اور آپؐ نے اپنے حق میں یہ فرمایا ہے کہ (ظہور کے اعتبار سے ہم (دنیا میں) سب سے آخر میں ہیں اور قیامت کے دن ہم سب سے سابق (اول) ہوں گے، اور میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا۔ اور میں اللہ تعالیٰ کا حبیب اور خاتم النبیین ہوں، اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ——— اور جب (قیامت کے دن) لوگ قبروں سے اُٹھیں گے تو سب سے اول میں ہی اٹھوں گا۔ اور جب لوگ (بارگاہِ خداوندی میں) گروہ در گروہ حاضر ہوں گے تو میں ہی ان کا قائد ہوں گا اور جب وہ خاموش کئے جائیں گے تو ان کی طرف سے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل

[له] ان تمام احادیث کی تخریج دفتر اول مکتوب ۴۴ میں آچکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

میں ہی خطیب اور کلام کرنے والا ہوں گا، اور جب وہ روک لئے جائیں گے تو میں ہی ان کی شفاعت کروں گا، اور جب لوگ رحمت و کرامت سے مایوس ہو جائیں گے تو میں ہی ان کو خوشخبری دوں گا، اس روز تمام کرامت اور بزرگی کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی ۔

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم ایں بسکہ رسد ز دور بانگ جرسم

(ترجمہ) قافلے تک کہاں پہنچ ہوگی ہے غنیمت سنوں جرس کی صدا

اللہ سبحانہ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام اور تحائف و برکتیں آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور آپ کے تمام بھائیوں، انبیاء والمرسلین، ملائکۃ المقربین اور تمام اہلِ طاعت پر نازل ہوتے رہیں جو آپ کی شان کے لائق ہیں اور جن کے وہ اہل ہیں، جب تک آپ کا ذکر کرنے والے ذکر میں مشغول رہیں اور جبتک غفلت والے آپ کے ذکر سے غافل رہیں۔

حمد و صلوٰۃ، تبلیغ دعوات اور ارسالِ تحیات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب گرامی جو اس فقیر کے نام تحریر کیا تھا میرے عزیز بھائی شیخ محمد طاہر نے پہنچایا اس کی وجہ سے خوشی حاصل ہوئی (گرامی نامہ) چونکہ اربابِ کشف و شہود کے حقائق و معارف پر مشتمل تھا اس لئے فرحت پر فرحت حاصل ہوئی، اللہ سبحانہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ فقیر بھی آپ کے صحیفہ کی موافقت میں اس بزرگ جماعت (صوفیائے کرام) کے ذوق و مذاق کی چند باتیں تحریر کر کے آپ کو تکلیف دیتا ہے۔

میرے مخدوم! یہ بات آپ کے علم شریف میں ہے کہ وجود ہر خیر و کمال کا مبدا ہے اور عدم ہر نقص و شرارت اور زوال کا منشا، لہٰذا وجود واجب جل سلطانہ کے لئے ثابت ہے اور عدم ممکن کے نصیب ہے تاکہ تمام خیر و کمال حق تعالیٰ کی طرف عائد ہو اور تمام شر و نقص ممکن کی طرف راجع ہو، ممکن کے لئے وجود ثابت کرنا اور خیر و کمال کو اس کی طرف منسوب کرنا درحقیقت حق جل سلطانہ کے ملک و مُلک میں اس کو شریک بنانا ہے اور اسی طرح ممکن کو واجب تعالیٰ شانہ کا عین کہنا اور ممکن کے صفات و افعال کو حق تعالیٰ کے صفات و افعال کا عین قرار دینا بڑی بے ادبی اور حق تعالیٰ کے اسماء و صفات میں الحاد (شرک) ہے۔ بیچارہ کمینہ خاکروب جو ذاتی نقص و خبائث سے داغدار ہے کیا مجال کہ اپنے آپ کو اس سلطان عظیم الشان کا عین تصور کرے جو تمام خوبیوں اور کمالات کا منبع و منشا ہے اور اپنی بری صفات و افعال کو اس (ذاتِ عالی) کی صفات و افعالِ جمیلہ کے عین ہونے کا وہم کرے ـــــــ علمائے ظواہر نے ممکن کے لئے وجود ثابت

وجود ہر خیر و کمال کا مبدا ہے

کیا ہے اور واجب تعالیٰ کے وجود اور ممکن کے وجود کو وجود کے افرادِ مطلق سے سمجھا ہے ——————
خلاصۂ کلام یہ کہ اس بحث کی وجہ سے واجب تعالیٰ کے وجود کو قضیۂ تشکیک (ایک منطقی صطلاح) کے قاعدہ کے مطابق (علمائے ظاہر نے) اولیٰ و اقدم کہا ہے، حالانکہ یہ معنیٰ ممکن کو واجب تعالیٰ کے ساتھ ان کمالات و فضائل میں جو اس وجود سے پیدا ہوئے ہیں شریک کرنے کا باعث ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند و برتر ہے) ——— اور حدیثِ قدسی میں وارد ہے :-
اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ إِزَارِيْ (کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار ہے) ——— اگر علمائے ظواہر اس نکتہ سے آگاہ ہوتے تو ہرگز ممکن کے لئے وجود ثابت نہ کرتے اور جو خیر و کمال حضرت جل وعلا کے ساتھ مخصوص ہے وجود کی خصوصیت کے اعتبار سے ممکن کے لئے ثابت نہ کرتے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا (بقرہ آیت ۲۸۶) (اے رب ہمارے تو ہماری بھول چوک اور خطا پر مواخذہ نہ کیجیو) ———، اور اکثر صوفیہ بالخصوص ان کے متاخرین نے ممکن کو عین واجب تعالیٰ سمجھا ہے اور ان کے صفات و افعال کو حق تعالیٰ کے صفات و افعال کا عین سمجھ لیا ہے اور کہتے ہیں ؎

ہمسایہ و ہمنشین و ہم رہ ہمہ اوست — در دلقِ گدا و اطلسِ شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہان خانۂ جمع — باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

(ترجمہ) ہم سایہ بھی ہم رہی، ہمہ اوست — گدڑی ہو کہ اطلسِ شہی ہمہ اوست
فرق اور جمع کے مقامات ہیں وہ — بیشک ہمہ اوست قطعی ہمہ اوست

اگرچہ یہ بزرگوار وجود کے شریک کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور دوئی سے گریز کرتے ہیں لیکن غیر وجود کو وجود مانتے ہیں اور نقائص کو کمالات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی چیز کی ذات میں شرارت اور نقص نہیں ہے اگر ہے تو صرف نسبی اور اضافی ہے۔ مثلاً زہرِ قاتل انسان کی نسبت سے شرارت رکھتا ہے کہ اس کی زندگی کو ختم کر دیتا ہے اور اس حیوان کی نسبت آبِ حیات ہے جس میں یہ زہر پیدا ہوتا ہے اور اس کے لئے تریاق نافع ہے ——— اس معاملہ میں ان کا مقتدا اور رہنما اُن کا اپنا کشف و شہود ہے جو کچھ ان پر ظاہر ہوا ہے انھوں نے اس کو ظاہر کر دیا ——— اَللّٰهُمَّ أَرِنَا حَقَائِقَ الْأَشْيَاءِ كَمَا هِيَ (اے اللہ! ہم کو اشیاء کی حقیقتیں جیسی کہ وہ ہیں دکھا دے)۔

اس باب میں فقیر پر جو کچھ ظاہر ہوا ہے اس کو تفصیل سے بیان کرتا ہے۔

شیخ ابن عربی اور ان کے متبعین کا مذہب

سب سے پہلے شیخ محی الدین ابن العربیؒ جو صوفیائے متاخرین کے امام و مقتدا ہیں اس مسئلہ میں ان کا مذہب بیان کیا جاتا ہے اس کے بعد جو کچھ اس فقیر پر مکشوف ہوا ہے تحریر کیا جائے گا تا کہ دونوں مذہبوں کے درمیان پورے طور پر فرق ظاہر ہو جائے اور باریک دقائق کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہ ہوں ——— شیخ محی الدینؒ اور ان کے متبعین فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل وعلا کے اسماء و صفات، ذات واجب تعالیٰ و تقدس کا بھی عین ہیں اور اسی طرح ایک دوسرے کا بھی عین ہیں۔ مثلاً علم و قدرت جس طرح حق تعالیٰ کی عین ذات ہیں اسی طرح ایک دوسرے کے بھی عین ہیں، لہٰذا اس مقام میں کسی اسم اور رسم (نشان) کی کوئی تعداد اور کثرت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی تمائز و تبائن (تمیز و فرق) ہے ———

حاصل کلام یہ ہے کہ ان اسماء، وصفات اور شیون واعتبارات نے حضرتِ علم میں اجمالی اور تفصیلی طور پر تمائز و تبائن پیدا کیا ہے۔ اگر اجمالی تمیز ہے تو وہ تعین اول سے تعبیر کی جاتی ہے اور اگر وہ تفصیلی تمیز ہے تو وہ تعینِ ثانی سے موسوم ہے۔ تعینِ اول کو وحدت کہتے ہیں اور اسی کو حقیقتِ محمدی سمجھتے ہیں، اور تعینِ ثانی کو واحدیت کہتے ہیں اور تمام ممکنات کے حقائق گمان کرتے ہیں اور ان حقائقِ ممکنات کو اعیانِ ثابتہ جانتے ہیں، اور یہ دو علمی تعین جو کہ وحدت اور واحدیت ہیں ان کو مرتبۂ وجوب میں ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان اعیانِ ثابتہ نے وجودِ خارجی کی بُو تک نہیں پائی اور خارج میں احدیتِ مجردہ کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہے، اور یہ کثرت جو خارج میں ظاہر ہوتی ہے ان اعیانِ ثابتہ کا عکس ہے جو ظاہر وجود کے آئینے میں منعکس ہوا ہے جس کا کوئی جز بھی خارج میں موجود نہیں ہے، اور خیالی وجود پیدا کر لیا ہے جس طرح ایک شخص کی صورت آئینے میں منعکس ہو کر وجودِ تخیلی پیدا کر لے، اس عکس کا وجود صرف تخیل میں ثابت ہے اور آئینے میں کسی شے نے حلول نہیں کیا ہے اور نہ ہی آئینے کی سطح پر کوئی چیز منقش ہوتی ہے بلکہ اگر کچھ منقش ہے تو صرف خیال میں ہے جو آئینے کی سطح پر متوہم ہو گیا ہے۔ اور یہ خیالی اور وہمی شے خداوند جل سلطانہ کی ایک صنعت ہے جو بڑا استحکام اور اثبات کی حامل ہے اور وہم و تخیل کے زوال کی وجہ سے زائل نہیں ہوتی اور (آخرت کا) دائمی ثواب و عذاب اسی پر مرتب ہوتا ہے۔

یہ کثرت جو خارج میں ظاہر ہوتی ہے تین قسموں میں منقسم ہے (قسمِ اول تعینِ روحی ہے اور قسمِ دوم تعینِ مثالی اور قسمِ سوم تعینِ جسدی کہ جس کا تعلق عالمِ شہادت سے ہے۔ ان تینوں تعینات کو

تعیناتِ خارجیہ کہتے ہیں اور امکان کے مرتبہ میں ثابت کرتے ہیں۔ تنزلاتِ خمسہ سے مراد یہی تعیناتِ پنجگانہ ہیں، اور ان تنزلاتِ خمسہ کو حضراتِ خمس بھی کہتے ہیں، اور چونکہ علم اور خارج میں سوائے ذات واجب تعالیٰ اور اسماء وصفاتِ واجبی جل سلطانہ کے جو عین ذات تعالیٰ وتقدس ہیں ان کے نزدیک ثابت نہیں، اور انھوں نے صورتِ علمیہ کو ذی صورت کا عین گمان کیا ہے نہ کہ شبح (جسم) اور مثال۔ اور اسی طرح اعیانِ ثابتہ کی صورتِ منعکسہ کو جو ظاہری وجود کے آئینے میں پیدا ہوئی ہے (انھوں نے) ان اعیان کا عین تصور کرلیا ہے نہ کہ ان کی شبہ، اس لئے انھوں نے اتحاد کا حکم لگا دیا ہے اور ہمہ اوست کہا ہے۔

یہ ہے مسئلہ وحدت الوجود میں شیخ محی الدین ابن العربیؒ کے مذہب کا اجمالی بیان، اور یہی وہ علوم ہیں جن کو شیخ نے "خاتم الولایت" کے ساتھ مخصوص جانا ہے اور کہا ہے کہ "خاتم النبوت ایں علوم را از خاتم الولایت اخذ می نماید" (خاتم النبوت نے ان علوم کو خاتم الولایت سے اخذ کیا ہے) اور فصوص[2] کے شارحین اس قول کی وضاحت میں بڑے تکلفات کا اظہار کرتے ہیں ـــــــــــــ

مختصر یہ کہ شیخ سے پہلے اس گروہ (صوفیہ) میں سے کسی نے ان علوم واسرار میں زبان نہیں کھولی اور اس بات کو کسی نے بھی اس انداز میں بیان نہیں کیا، اگرچہ توحید واتحاد کی باتیں غلبہ سکر کی وجہ سے ان سے بھی ظاہر ہوئی ہیں اور اَنَا الْحَق وسُبْحَانِی جیسے الفاظ کہے ہیں، لیکن (یہ حضرات) اتحاد کی وجہ اور منشاء توحید معلوم نہیں کرسکے۔ لہٰذا شیخ ہی اس گروہ کے متقدمین کی برہان اور گروہِ متاخرین کے لئے حجت اور دلیل ہیں۔ لیکن ابھی اس مسئلہ کے بہت سے دقیق نکات پوشیدہ رہ گئے ہیں اور اس باب میں بہت سے پوشیدہ اسرار منصۂ شہود پر نہیں آئے ہیں کہ فقیر کو ان کے اظہار کی توفیق اور ان کے قیدِ تحریر میں آنے کی بشارت ملی ہے وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ (اللہ تعالیٰ ہی حق کو حق ثابت کرتا ہے اور وہی ہدایت کی راہ دکھاتا ہے)

صفاتِ ثمانیہ خارج میں موجود ہیں اور ایک دوسرے سے متمیز ہیں

میرے مخدوم! واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی صفاتِ ثمانیہ[1] (آٹھ صفات) جو اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے نزدیک خارج میں موجود ہیں۔ لازمی طور پر ذاتِ تعالیٰ وتقدس سے خارج میں متمیز ہیں اور تمیز بھی (ذات وصفات کی طرح) بے چونی وبے چگونی کی قسم سے متمیز ہے۔ اور اسی طرح یہ صفات بھی بے چونی کے ساتھ ایک دوسرے سے متمیز ہیں بلکہ بے چونی کی تمیز حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے مرتبہ میں بھی ثابت ہے لِاَنَّهُ الْوَاسِعُ بِالْوُسْعِ الْمَجْهُوْلِ الْكَيْفِيَّةِ (کیونکہ (واجب تعالیٰ) مجہول الکیفیت

---

[1] یعنی حیات، قدرت، علم، ارادہ، سمع، بصر، تکوین اور کلام۔ [2] فصوص الحکم حضرت شیخ کی مشہور تصنیف ہے

وسعت کے ساتھ واسع ہے (یعنی وہ ہر شئے کا احاطہ[1] کئے ہوئے ہے جس کی کیفیت معلوم نہیں)۔ اور وہ تمیز جو ہماری فہم وادراک میں آسکے اس جنابِ قدس سے مسلوب ہے کیونکہ وہاں تبعّض وتجزّی (بعض ہونا اور جزجز ہونا) متصور نہیں، اور تحلیل وترکیب کو حضرت جل سلطانہٗ کی بارگاہ میں کچھ دخل نہیں، اور حالیت (اس کا کسی میں سرایت کرنا) اور محلولیت (اس میں کسی کا سرایت کرنا) کی بھی وہاں گنجائش نہیں ———

مختصر یہ کہ جو کچھ ممکن کے صفات واعراض ہیں وہ سب اس جنابِ قدس سے مسلوب ہیں لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ فِی الذَّاتِ وَلَا فِی الصِّفَاتِ وَلَا فِی الْاَفْعَالِ (کوئی اس کے مثل یا مانند نہیں ہے نہ ذات میں نہ صفات میں اور نہ افعال میں)۔ اس بے چونی تمیز اور بے کیفی وسعت کے باوجود واجب جل سلطانہٗ کے اسماء وصفات خانۂ علم میں بھی تفصیل اور تمیز رکھتے ہیں اور منعکس ہو گئے ہیں ——— اور ہر اسم وصفت کی تمیز کے لئے مرتبۂ عدم میں ایک مقابل اور ایک نقیض ہے، مثلاً مرتبۂ عدم میں صفتِ علم کا مقابل اور نقیض عدم علم ہے جس کو جہل سے تعبیر کرتے ہیں اور صفتِ قدرت کے مقابل عجز ہے جس کو عدم قدرت کہتے ہیں ——— علیٰ ہذا القیاس اور ان عدماتِ متقابلہ نے بھی علمِ واجبی جل شانہٗ میں تفصیل وتمیز پیدا کی ہوئی ہے اور اپنے متقابلہ اسماء وصفات کے آئینے اور ان کے عکسوں کے ظہور کے جلوہ گاہ بن گئے ہیں۔ فقیر کے نزدیک وہ عدمات ان اسماء وصفات کے عکوس کے ساتھ ممکنات کے حقائق ہیں ——— خلاصۂ کلام یہ کہ وہ عدمات ان ماہیتوں کے لئے اصول اور مواد کے رنگ میں ہیں اور وہ عکوس ان مواد میں حلول کرنے والی صورتوں کی مانند ہیں ——— شیخ محی الدین کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ تمام اسماء وصفات ہیں جو مرتبۂ علم میں امتیازی کیفیت رکھتے ہیں، اور فقیر کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ عدمات ہیں جو اسماء وصفات کے نقائض (ضد، برعکس) ہیں، اسماء وصفات کے ان عکوس کے ساتھ جو ان عدمات کے آئینوں میں خانۂ علم میں ظاہر ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ ممتزج (باہم مل گئے) ہیں۔ اور قادر مختار جل سلطانہٗ نے جب چاہا کہ ان ملی جلی ماہیتوں میں سے کسی ایک ماہیت (حقیقت) کو وجود ظلی کے ساتھ جو کہ حضرتِ وجود کا پرتو ہے منصف کر کے موجود خارجی بنا دیا ——— مختصر یہ کہ حضرتِ وجود نے اس ماہیتِ ممتزجہ پر پرتو ڈال کر خارجی آثار کا مبدأ بنا دیا۔ لہٰذا ممکن کا وجود علم میں اور خارج میں اس کی تمام صفات کے رنگ میں حضرتِ وجود کا ایک پرتو ہے اور اس کے کمالات کا تابع ہے۔ مثلاً

[1] جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَا اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ (حم سجدہ آیت ۵۴) (آگاہ رہو! بلاشبہ وہ (حق تعالیٰ) ہر شئے کا احاطہ کئے ہوئے ہے)۔

حقائقِ ممکنات کا بیان

ممکن کا علم واجب تعالیٰ و تقدس کے علم کا پرتو اور ایک ظل ہے جو اپنے مقابل میں منعکس ہوا ہے اور ممکن کی قدرت بھی ایک ظل ہے جو عجز میں اس کے مقابل ہو کر منعکس ہو گئی ہے اور اسی طرح ممکن کا وجود حضرتِ وجود کا ایک ظل ہے جو عدم کے آئینے میں اس کے مقابل ہو کر منعکس ہو گیا ہے ؎

نیاوردم از خانہ چیزے نخست   تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

(اپنے گھر سے کچھ نہیں میں نے لیا   میں ہوں تیرا تو نے ہی سب کچھ دیا)

لیکن فقیر کے نزدیک شئے کا ظل اس شئے کا عین نہیں بلکہ اس کا شبح و مثال ہے اور ایک کا دوسرے کے ثبوت میں پیش کرنا ممتنع اور محال ہے۔ لہذا فقیر کے نزدیک ممکن واجب کا عین نہیں ہے اور ممکن اور واجب کے درمیان حمل کرنا ثابت نہیں ہے، کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے اور اسماء و صفات کا وہ عکس ہے جو اس عدم میں منعکس ہو گیا ہے، اور ان اسماء و صفات کی شبح و مثال ہے نہ کہ ان صفات کا عین۔ لہذا "ہمہ اوست" کہنا درست نہیں ہوگا بلکہ "ہمہ از اوست" کہنا درست ہے۔ کیونکہ جو کچھ ممکن کی ذات میں ہے وہ عدم ہے جو شرارت، نقص اور خبث کا منشا ہے، اور جو کچھ ممکن میں کمالات کی قسم سے پیدا ہوا ہے وہ سب حضرت جل سلطانہٗ کے وجود اور اس کے توابع سے مستفاد ہے اور اس پاک ذات سبحانہٗ کے کمالاتِ ذاتیہ کا پرتو ہے۔ پس لازمی طور پر "وہ سبحانہٗ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے[1]" اور اس کے سوا سب ظلمت ہی ظلمت ہے، اور کیوں کر ظلمت نہ ہو جبکہ عدم تمام ظلمتوں سے بڑھ کر ظلمت ہے ——— اس بحث کی کماحقہ تحقیق اس مکتوب (نمبر ۲۳۴ دفتر اول) میں تحریر کی گئی ہے جو فرزندی اعظمی مرحومی (خواجہ محمد صادق) کے نام حقیقتِ وجود کے بیان میں اور ماہیاتِ ممکنات کی تحقیق میں لکھا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

پس شیخ محی الدینؒ کے نزدیک عالَم تمام کا تمام ان اسماء و صفات سے مراد ہے جنھوں نے خانۂ علم میں تمیز پیدا کر کے خارج میں ظہور کے آئینے میں نمود و نمائش حاصل کر لی ہے ———

اور فقیر کے نزدیک عالَم سے مراد عدمات ہیں جو کہ حضرت واجب جل سلطانہٗ کے اسماء و صفات خانۂ علم میں منعکس ہو گئے ہیں اور خارج میں حق سبحانہٗ کی ایجاد سے وہ عدمات مع ان عکوس کے وجود ظلی کے ساتھ موجود ہو گئے ہیں لہذا عالم میں ذاتی خبث پیدا ہو گیا اور جبلی شرارت ظاہر ہو گئی، اور تمام خیر و کمال جناب قدس جل و علا کی بارگاہ کی طرف راجع ہو گیا۔ آیۂ کریمہ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ

عالَم سے مراد عدمات ہیں

[1] جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (نور ۲۴ آیت ۳۵)

سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (نساء آیت ۷۹) (اے انسان! جو کچھ بھلائی تجھے پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو بُرائی تجھ کو پہنچے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے) اس معرفت کی تائید میں ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ ہی صحیح الہام کرنے والا ہے ———— لہٰذا اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ عالم خارج میں وجودِ ظلی کے ساتھ موجود ہے، جس طرح حضرت حق سبحانہٗ وجودِ اصلی کے ساتھ بلکہ اپنی ذات کے ساتھ خارج میں موجود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ خارج بھی وجود و صفات کے رنگ میں اس خارج کا ظل ہے لہٰذا عالم کو حق جل و علا سلطانہٗ کا عین نہیں کہہ سکتے اور ایک کو دوسرے پر حمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ کسی شخص کے ظل کو اس کا عین نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ خارج میں دونوں متغائر ہیں اس لئے کہ دو چیزیں ایک دوسرے کی متغائر ہوتی ہیں۔ اور اگر کوئی شخص کسی کے سایے کو اس کا عین کہے تو وہ تسامح اور تجوز (چشم پوشی اور مجاز) کے طور پر ہوگا جو اس بحث سے خارج ہے ———— اگر کہا جائے کہ شیخ محی الدین اور ان کے تبعین بھی عالم کو حق تعالیٰ کا ظل جانتے ہیں تو پھر فرق کیا ہوا؟۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ لوگ اس ظل کے وجود کو صرف وہم کے درجہ میں نہیں سمجھتے اور وجودِ خارجی کی بو بھی اس ظل کے حق میں تجویز نہیں کرتے۔ مختصر یہ کہ کثرتِ موہومہ کو وہ وحدتِ موجودہ کے ظل سے تعبیر کرتے ہیں اور خارج میں واحد تعالیٰ ہی کو موجود جانتے ہیں۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا (ان دونوں میں بڑا فرق ہے) ———— لہٰذا اصل پر ظل کے حمل کا منشا اور اس حمل کا عدم ظل کے لئے وجودِ خارجی کا ثابت کرنا ہے۔ یہ لوگ چونکہ ظل کے لئے وجودِ خارجی ثابت نہیں کرتے اس لئے اصل پر محمول کرتے ہیں، اور یہ فقیر چونکہ ظل کو خارج میں موجود جانتا ہے اس لئے اس پر حمل کرنے کی جسارت نہیں کرتا۔ ظل سے اصلی وجود کی نفی میں یہ فقیر اور وہ سب شریک ہیں اور وجودِ ظلی کے اثبات میں بھی متفق ہیں۔ لیکن یہ فقیر وجودِ ظلی کو خارج میں ثابت کرتا ہے اور وہ وجودِ ظلی کو وہم اور تخیل میں گمان کرتے ہیں اور خارج میں احدیتِ مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں جانتے، اور صفاتِ ثمانیہ کو بھی جن کا وجود اہلِ سنت وجماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آراء کے موافق خارج میں ثابت ہو چکا ہے ان کو بھی علم کے سوا ثابت نہیں کرتے۔ علمائے ظواہر اور ان رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اعتدال اور میانہ روی کی دونوں طرفوں (یعنی افراط و تفریط) کو اختیار فرمایا ہے اور حق کا درمیانی درجہ اس فقیر کو نصیب ہوا ہے جس کی توفیق اس فقیر کو دی گئی ہے، اگر یہ لوگ بھی اس خارج کو اس خارج کا ظل مان لیتے تو عالم کے وجودِ خارجی کا انکار نہ کرتے اور وہم و تخیل پر کفایت نہ فرماتے

اور واجب الوجود کی صفات کے وجودِ خارجی کا بھی انکار نہ کرتے۔ اگر ظاہری علما بھی اس راز سے واقف ہو جاتے تو ہرگز ممکن کے لئے وجودِ اصلی کا اثبات نہ کرتے بلکہ وجودِ ظلی پر اکتفا کرتے۔

اور جو کچھ کہ فقیر نے بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ ممکن پر وجود کا اطلاق بطریقِ حقیقت ہے نہ کہ بطریقِ مجاز۔ وہ بھی اس تحقیق کے منافی نہیں ہے کیونکہ ممکن خارج میں ظلی وجود کے ساتھ بطریقِ حقیقت موجود ہے نہ کہ توہم اور تخیل کے طور پر، جیسا کہ یہ گمان کرتے ہیں۔



سوال: صاحبِ فتوحاتِ مکیہ (شیخ محی الدینؒ) نے اعیانِ ثابتہ (صورِ علمیہ) کو وجود و عدم کے درمیان برزخ کہا ہے لہٰذا عدم ان کے طریقے کے مطابق ممکنات کے حقائق میں داخل ہو گیا۔ پس اس تحقیق اور اس قول کے درمیان کیا فرق ہوگا؟

جواب: برزخ اس اعتبار سے کہا ہے کہ صورِ علمیہ کی دو جہتیں ہیں ایک جہت یہ ہے جو ثبوتِ علمی کے واسطے سے وجود کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور دوسری جہت وہ ہے جو عدمِ خارجی کے واسطے سے عدم کے ساتھ تعلق رکھتی ہے کیونکہ اُن کے نزدیک اعیانِ ثابتہ کو وجودِ خارجی کی بُو تک نہیں پہنچی۔ اور وہ عدم جو اس تحقیق میں درج کیا گیا ہے وہ دوسری حقیقت رکھتا ہے۔ اور اسی طرح جو کچھ بعض عزیزوں کی عبارتوں میں عدم کا اطلاق ممکن پر ہوا ہے اس سے ان کی مراد معدومِ خارجی ہے نہ کہ وہ عدم جس کی تحقیق مندرجہ بالا عبارت میں ہو چکی ہے۔ اور وہ بلند و برتر ذات ان اسماء و صفات سے جنھوں نے تفصیل و تمیز حاصل کر لی ہے اور عدمات کے آئینوں میں منعکس ہو کر ممکنات کے حقائق ہو گئے ہیں، وہ ذات ان سب سے وراء الوراء ہے ———— پس عالم کے ساتھ اُس سبحانہٗ و تعالیٰ کو (خالق اور مخلوق ہونے کے علاوہ) کسی قسم کی بھی مناسبت نہیں: اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (عنکبوت آیت ۶)[29] (بیشک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے)۔ حق تعالیٰ کو عالم کا عین کہنا اور اس کے ساتھ متحد جاننا بلکہ ایسی کوئی بھی نسبت دینا اس فقیر پر بہت گراں ہے۔ ع

آں ایشانند و من چنینم یا رب (وہ وہی ہیں، میں ہوں ایسا اے خدا)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَدَيْكُمْ (تمہارا رب ان اوصاف سے جو یہ بیان کر رہے ہیں پاک و منزہ ہے اور سلام ہو مرسلین پر، اور اللہ رب العالمین کا بیحد شکر و احسان ہے۔ آپ پر اور آپ کے سب ساتھیوں پر سلام ہو)۔

## مکتوب ۲ دویم

میر شمس الدین علی خلخالی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ اس تعالیٰ کی ذات کا مرتبہ اور اس سبحانہٗ کی صفات کا مرتبہ وجود و وجوب کے اعتبار سے بالاتر ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ آپ نے جو گرامی نامہ محبت و اخلاص سے تحریر فرمایا تھا موصول ہو کر فرحت و خوشی کا باعث ہوا۔ دینی بھائیوں کی کثرت آخرت میں بہت سی امیدوں کا ذریعہ ہے؛ اَللّٰھُمَّ کَثِّرْ اِخْوَانَنَا فِی الدِّیْنِ وَثَبِّتْنَا وَ اِیَّاھُمْ عَلٰی مُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا (اے اللہ تو ہمارے دینی بھائیوں میں اضافہ فرما اور ہم کو اور ان کو حضرت سید المرسلینؐ کی متابعت پر ثابت قدم رکھ) ع

از ہر چہ می رود سخنِ دوست خوشتر است (جس طرح ہو ذکر اس کا خوب ہے)

اے محبت کے نشان والے! واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی سات یا آٹھ صفات مختلف آراء کے مطابق صفاتِ حقیقیہ ہیں جو خارج میں موجود ہیں اور اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے علاوہ مخالف فرقوں میں سے کوئی ایک بھی واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ کی صفات کے وجود کا قائل نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اُن (اہلِ حق میں سے) بھی صوفیائے متاخرین نے ان صفات کے وجود کا انکار کیا ہے اور صفات کی زیادتی کو علم کی طرف راجع کر کے کہتے ہیں ؎

از روئے تعقل ہمہ غیر اند صفات ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ بازاتِ تو از روئے تحقق ہمہ عین

(عقل کہتی ہے غیر سے ہیں صفات ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ حق یہ ہے ساتھ ذات کے ہیں صفات)

اور حق یہ ہے کہ اہلِ حق کی بات ہی برحق ہے اور وہ مشکوٰۃِ نبوت سے مقتبس (حاصل کی ہوئی) ہے اور کشف و فراست کے نور سے اس کی تائید ہوتی ہے ـــــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وہ اشکال جو مخالفین صفات کے وجود میں رکھتے ہیں بڑا قوی ہے، کیونکہ صفات اگر موجود ہیں تو (دو امر سے) خالی نہیں

---

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں: دفتر دوم مکتوب ۲-۵ دفتر سوم مکتوب ۱۱-۱۲۷۔ صرف مکتوب ۱۱ میں "سیادت پناہ" درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سادات میں سے ہیں اور یہ کہ میر سید محب اللہ مانکپوری کے ہم وطن تھے۔

ممکن ہیں یا واجب لذاتہ (اس کی ذات کے لئے واجب) اور ان کے حادث ہونے کا امکان لازم آتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہر ممکن حادث ہے اور واجب لذاتہ کے متعدد ہونے کا قائل ہونا توحید کے منافی ہے۔ اور نیز امکان کی صورت میں صفات کا ذات تعالیٰ و تقدس سے جوازِ انفکاک (علیحدہ ہونے کا جواز) لازم ہے۔ اور یہ معنی واجب تعالیٰ و تقدس کے لئے جہل اور عجز کے جواز کا موجب ہے ——— اس اشکال کا حل جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ بذاتِ خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ خواہ وہ وجود عین (ذات) ہو یا زائد (از ذات)۔ اور واجب تعالیٰ کی صفات اس کی ذات تعالیٰ کے ساتھ موجود ہیں نہ کہ وجود کے ساتھ، کیونکہ وجود کی اس مقام میں گنجائش نہیں ہے۔ ——— شیخ علاؤ الدولہؒ اسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فَوْقَ عَالَمِ الْوُجُوْدِ عَالَمُ الْمَلِكِ الْوَدُوْدِ (عالم وجود کے اوپر مالکِ ودود (حق تعالیٰ) کا عالم ہے)۔ لہٰذا امکان و وجوب کی نسبت بھی اس مقام میں متصور نہیں کیونکہ امکان و وجوب، ماہیت و وجود کے درمیان نسبت کا نام ہے۔ پس جبکہ وجود ہی نہیں ہے تو امکان اور وجوب بھی نہیں ——— یہ معرفت نظر و فکر کے طور سے ماوراء ہے، دائرہ عقل کی قید میں پھنسے ہوئے حضرات اس معرفت کی رسائی کیا پا سکتے ہیں انکار کے سوا ان کے نصیب میں کیا آسکتا ہے۔ مگر جس کو اللہ سبحانہٗ محفوظ رکھے ——— دوسرے یہ کہ سیادت پناہ میر محب اللہ کچھ عرصے سے یہاں تھے اب ان حدود کی طرف چلے گئے ہیں لہٰذا ان کی صحبت و خدمت کو غنیمت جانیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَدَيْكُمْ (آپ پر اور آپ کے سب ساتھیوں پر سلام ہو)۔

## (فارسی و عربی)
# مکتوب ۳ سیوم

حقائق و معارف آگاہی مظہر فیض الٰہی مخدوم زادہ خواجہ محمد سعیدؒ سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ آفاق و انفس کا معاملہ ظلال میں داخل ہے، اور اس بیان میں کہ ولایتِ صغریٰ، ولایتِ کبریٰ اور کمالاتِ نبوت اور تجلّیٔ افعال کی حقیقت کی تحقیق میں جو بعض صوفیہ نے ظاہر ذہانی ہے کہ وہ ظل (تجلی) حق تعالیٰ کے فعل کا ظل ہے نہ کہ عین فعل، تو پھر صفات و ذات تعالیٰ تک اس کی رسائی کہاں ہو سکتی ہے۔

---

سے ۲ آپ کے نام ۲۴ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۵۹ پر گذر چکا ہے۔

حق تعالیٰ بذاتِ خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى ــــــ

جو کچھ آفاق و انفس کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے وہ ظلیت کے داغ سے داغدار ہے اس لئے وہ نفی کے لائق ہے تاکہ اصل ثابت ہو جائے، اور جب معاملہ آفاق و انفس سے گذر جائے تو ظلیت کی کی قید سے رہائی ہو گئی اور فعل و صفت کی تجلی میں آغاز میسر ہو گیا تو معلوم ہو گیا کہ اس سے قبل جو بھی تجلی ظاہر ہوئی تھی وہ میرِ آفاقی و انفسی میں تھی، اگرچہ اس کو تجلّیٔ ذات ہی خیال کریں لیکن اس کا تعلق فعل و صفت کے ظلال سے تھا نہ کہ نفسِ فعل و صفت سے، تو پھر ذات تعالیٰ و تقدس تک کس طرح رسائی ممکن ہے، کیونکہ ظلیت کا دائرہ انفس کی نہایت تک منتہی ہو جاتا ہے، لہٰذا جو کچھ آفاق و انفس میں ظاہر ہوتا ہے وہ اس دائرے میں داخل ہے ــــــ فعل و صفت بھی اگرچہ حقیقت میں حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے ظلال میں لیکن اصل کے دائرے میں داخل ہیں اور اس مرتبہ کی ولایت اصلی ولایت ہے بخلاف پہلے مرتبہ کی ولایت کے کہ جس کا تعلق آفاق و انفس سے ہے کہ وہ ولایتِ ظلی ہے۔ دائرۂ ظل کے منتہی حضرات کو تجلیٔ برقی جو مرتبۂ اصل سے پیدا ہوتی ہے حاصل ہے جو ایک ساعت کے لئے آفاق و انفس کی قید سے آزاد کر دیتی ہے ــــــ

اور وہ جماعت جو آفاق و انفس کے دائرے سے گذر چکی اور ظل سے اصل کے ساتھ پیوست ہو گئی ہے ان کے حق میں یہ تجلی برقی دائمی ہے کیونکہ ان بزرگوں کا مسکن و ماویٰ دائرۂ اصل ہے کہ جہاں سے تجلی برقی پیدا ہوتی ہے بلکہ ان بزرگوں کا معاملہ تو تجلیات و ظہورات سے بھی بالاتر ہے، کیونکہ ہر تجلی اور ظہور خواہ وہ کسی مرتبہ سے متعلق ہو ظلیت کے شائبہ سے باہر نہیں ہے اور اصل الاصل کی گرفتاری کی وجہ سے (یہ حضرات) ظل سے فارغ اور کج نظری سے آزاد ہو چکے ہیں ــــــ

ولایتِ ظلی میں جو ولایتِ صغریٰ ہے اس کا نہایتِ کمال تجلیٔ برقی کے حصول سے پیوست ہوتا ہے، اور یہ تجلیٔ برقی ولایتِ کبریٰ میں پہلا قدم ہے جو ولایتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہے۔ اور ولایتِ صغریٰ ولایتِ اولیا قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہے۔ اس مقام پر ولایتِ اولیاء اور ولایتِ انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ سبحانہ علیہم کے درمیان فرق معلوم کرنا چاہئے کہ اس ولایتِ (اولیاء) کی انتہا اس ولایتِ (انبیا) کی ابتدا ہے۔

ولایتِ اولیاء کی انتہا ولایتِ انبیاء کی ابتدا ہے

انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی نبوت کے کمالات کے بارے میں کیا کہا جائے جب کہ

نبوت کی ابتدا ولایت کی انتہا ہے۔ ——— مگر حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ انبیاء علیہم الصلوٰت والتحیات کی ولایت سے تبعیت اور وراثت کے طور پر بہرہ ور تھے (شاید اسی وجہ سے) آپ نے فرمایا کہ "ما نہایت را در بدایت درج می کنیم" (ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں) ——— یہ فقیر اسقدر جانتا ہے کہ "نقشبندیہ نسبت وحضور" جب کمالات تک پہنچ جاتے ہیں تو ولایتِ کبریٰ سے پیوست ہو جاتے ہیں اور اس ولایت کے کمالات سے حظِ وافر حاصل کر لیتے ہیں۔ بخلاف دوسرے طریقوں کے کہ ان کے کمالِ شان کی نہایت تجلیٔ برقی تک ہے۔

جاننا چاہیئے کہ وہ سیر جو آفاق وانفس کی سیر کے بعد میسر ہوتی ہے وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی اقربیت میں ہوتی ہے کیونکہ اس تعالیٰ کا فعل بھی ہم سے ہماری نسبت زیادہ نزدیک ہے اور اسی طرح اس تعالیٰ کی صفت بھی اس کے فعل کی طرح ہماری نسبت ہم سے زیادہ نزدیک ہے، اور اس تعالیٰ کی ذات بھی ہم سے اور اس سبحانہٗ کے فعل وصفت سے ہماری نسبت ہم سے زیادہ نزدیک ہے۔ ان مرتبوں کی سیر (حق تعالیٰ کی) اقربیت[۵۰] کی سیر ہے۔ اس مقام میں تجلیٔ فعل، تجلیٔ صفت اور تجلیٔ ذات متحقق اور ثابت ہو جاتی ہے۔ اور وہم کے غلبہ اور دائرہ خیال سے اس جگہ نجات حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ وہم وخیال کا غلبہ آفاق وانفس کے دائرہ سے باہر حکومت وتصرف نہیں ہے۔ کیونکہ وہم کی حد ظل کی انتہا تک ہے، جس مقام پر ظل کا وجود نہ ہو وہاں وہم بھی نہیں ہوتا ——— لہٰذا لازمی طور پر ولایتِ ظلی میں وہم کی قید سے خلاصی موت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ وہم عدم کی طرف رُخ کر لیتا ہے، اور ولایتِ اصلی میں جو ولایتِ کبریٰ ہے وہم اور خیال کی قید سے خلاصی یہیں (اسی دنیا میں) پیدا ہو جاتی ہے اور وہم کے باوجود (سالک) وہم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ جو کچھ کہ پہلی جماعت کو آخرت میں حاصل ہوگا اس دوسری جماعت کو یہاں (دنیا) میں میسر ہو جاتا ہے۔ ولایتِ ظلی میں مطلوب کا حصول اس دنیا کے اندر اپنے وہم وخیال سے تراشیدہ باتوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور ولایتِ اصلی میں مطلوب، وہم کی تراش وخراش کی علت سے منزہ ومبرا ہے ———

شاید کہ حضرت مولانا رومؒ وہم کے احاطہ وخیال کی قید سے تنگ آ کر موت کی آرزو کرتے ہیں تاکہ مطلوب کو وہم وخیال کے لباس سے خالی کر کے آغوش میں لے لیں۔ اور ہر شخص کو اپنے متعلق موت سے عافیت کی دعا منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

---

[۵۰] یہ مضمون آیتِ مقدسہ نحنُ اقربُ الیہ من حبلِ الورید (ق آیۃ ۱۶) سے مستفاد ہے۔

بیت من نشوم عریاں زتن او از خیال تا خرامم در نہایات الوصال
(تن میں چھوڑوں خیال وہ چھوڑے پھر میں پاؤں گا منتہائے وصال)

غور سے سنو! جو کچھ ہم نے کہا ہے کہ آفاق وانفس میں افعال وصفات کے ظلال کی تجلیات ہیں نہ کہ نفسِ افعال وصفات کی تجلیات۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ تکوین صفاتِ حقیقیہ میں سے ہے جیسا کہ علماء ماتریدیہ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کا مذہب ہے نہ کہ صفاتِ اضافیہ میں سے جیسا کہ اشعریہ کا گمان ہے۔ چونکہ اس صفت میں اضافت کا رنگ غالب ہے اس لئے (اشعریہ نے دوسری صفات کی طرح) اس کو بھی صفاتِ اضافیہ سے گمان کر لیا ہے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ وہ "صفاتِ حقیقیہ" میں سے ہے کہ جس کے ساتھ اضافت کا رنگ مل گیا ہے ——— اور یہ "صفتِ تکوین" جو تمام صفات کے آخر میں ہے اور صفاتِ عالیہ کا رنگ رکھتی ہے، مثلاً علم اور حیات کا کچھ حصہ رکھتی ہے اور کچھ حصہ ارادہ اور قدرت کا بھی رکھتی ہے اور اس صفتِ تکوین کی جزئیات ہیں جو حقیقت میں اس کے ظلال ہیں جیسے تخلیق (پیدا کرنا) ترزیق (رزق دینا) احیاء و اماتت (زندہ کرنا اور مارنا) انعام و ایلام (انعام دینا اور تکلیف دینا) (وغیرہ)۔ اور یہ جزئیات افعال میں داخل ہیں جو حقیقت میں اس صفت کے ظلال ہیں اور صفاتِ حقیقیہ کے دائرہ سے خارج ہیں ——— اور اس فعل کی دو جہتیں ہیں ایک جہت فاعل سے متعلق ہے اور دوسری مفعول سے۔ اور یہ دونوں جہتیں نظرِ کشفی میں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں، پہلی جہت عالی ہے اور دوسری جہت پست۔ اور اسی طرح جہتِ اول اصل کے مانند نظر آتی ہے اور دوسری جہت اس اصل کے ظل کی طرح دکھائی دیتی ہے اور اسی طرح پہلی جہت وجوب کا رنگ رکھتی ہے اور دوسری جہت امکان کے رنگ سے رنگین ہے۔ یہ دوسری جہت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے علاوہ باقی تمام اولیائے کرام اور باقی تمام مخلوقات کے تعینات کی مبادی ہے۔ اور حق جل سلطانہٗ کا یہ فعل چونکہ دونوں جہتوں کے اعتبار سے وجوب کا رنگ بھی رکھتا ہے اور امکان کا رنگ بھی، اس لئے بہر صورت ممکن ہے کیونکہ جو واجب اور ممکن سے مرکب ہے وہ ممکن ہی ہے۔ اور اسی طرح یہ فعل جہتِ فوقانی کے اعتبار سے قدم کی طرف رُخ کئے ہوئے ہے اور جہت تحتانی (پستی) کے اعتبار سے حدوث میں بھی قدم رکھتا ہے تو لازمی طور پر وہ حادث ہوا، کیونکہ قدیم و حادث کا مرکب حادث ہوتا ہے۔

اور وہ جماعت جو حق جل سلطانہ کے فعل کو قدیم کہتی ہے ان کی نظر جہتِ اولیٰ پر ہے اور دوسری جماعت جس نے اس کو حادث جانا ہے ان کی نظر میں جہتِ اخریٰ (دوم) ہے۔ اور طائفہ اولیٰ کی نظر بلند ہے اور جماعتِ ثانی کی نظر پست۔ اگرچہ یہ دونوں فریق حق کے بارے میں (افراط و تفریط والے) دو گروہوں میں منقسم ہو گئے ہیں اور حق متوسط وہی ہے جس کے ساتھ یہ فقیر ممتاز ہوا ہے: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ ۶۲ آیت ۴)
(یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔ "صفاتِ حقیقیہ" کی اس قسم کی تحقیق بعض دوسرے مکتوبات میں بھی بیان ہو چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

جاننا چاہئے کہ فعل کی دوسری جہت سے مراد "خلقِ خاص" ہے کہ جس کا تعلق مثلاً زید سے ہے اور یہ خلقِ زید (زید کی پیدائش) گویا خلقِ مطلق کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے اور خلقِ خاص بھی جو زید سے تعلق رکھتی ہے اس کی بھی بہت سی جزئیات ہیں جیسے زید کی ذات کا خلق، زید کی صفات کا خلق اور زید کے افعال کا خلق، اور خلقِ زید کی یہ جزئیات اس خلقِ زید کے لئے جو کلّی کی طرح ہے ظلال کے مانند ہیں اور زید کے فعل کا خلق بھی ایک ظل ہے اور مظہر۔ اور وہ وہ زید کا کسب ہے جو فعل کے تعلق سے ظاہر ہوا ہے، اس کسب کو زید اپنے باپ کے گھر سے نہیں لایا بلکہ اس کا کسب بھی حق جل و علا کے خلق کا پرتو ہے، لہٰذا ان معارف سے معلوم ہو گیا کہ (حق تعالیٰ کا) فعل تکوین کا ظل ہے اور جہتِ دوم فعل کا ظل ہے جو خاص جہتِ اولیٰ کی طرف سے تحقیق ہوا ہے اور جہتِ دوم کا بھی ایک ظل ہے جو مثلاً خلقِ زید ہے اور خلقِ زید کا بھی ایک ظل ہے جو زید کے فعل کا خلق ہے اور اس ظل کا بھی ایک ظل ہے جو کسبِ زید ہے۔

جب تم نے یہ علوم جان لئے تو جاننا چاہئے کہ سالکوں کی نظر میں سلوک کے دوران مثال کے طور پر جب زید کے کسب کی نسبت زید سے منتفی ہو جاتی ہے اور اس کی اضافت زید سے زائل ہو جاتی ہے تو ناچار اس فعل کا فاعل حق تعالیٰ و تقدس کو جانتے ہیں بلکہ مخلوق کے بیشمار اور مختلف افعال کو ایک ہی فاعل کا فعل جانتے ہیں اور اس معنی کے ظہور کو افعال کی تجلی خیال کرتے ہیں ———
انصاف کرنا چاہئے کہ یہ تجلی تجلیٔ فعلِ حق سبحانہٗ ہے یا اس فعل کے ظلال میں سے کسی ظل کی تجلی ہے جس نے کئی مراتبِ تنزل میں ظاہر ہو کر ظلیت کا نام پالیا ہے۔ تجلی فعلی پر دوسری تجلیات کو

قیاس کرنا چاہیئے کہ وہ ظلال میں سے ایک ظل پر کفایت کرتے ہوئے اصلِ اصل خیال کر لیا ہے اور جوز و مویز (اخروٹ و منقی) پر قانع ہو گئے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ وجوب و وجود چونکہ ایک نسبت و اضافت ہے لہذا (اس کا وجود) لازماً فعل کے مرتبہ میں پایا جاتا ہے اور کیونکہ یہ نسبت عالم کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتی بلکہ صانع عالم تعالیٰ و تقدس کے ساتھ مخصوص ہے، لہذا فعل کی جہتِ اولیٰ کے ساتھ جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے مناسب ہے ـــــــ اور اگر یہ کہیں کہ اس بیان سے یہ لازم آتا ہے کہ ذات و صفات تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ میں وجوب ثابت نہیں ہے اور نہ ہی اس تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کو واجب کہا جاتا ہے لہذا وجوب بھی حضرت ذات اور اس کی صفات سے مسلوب ہو گا جس طرح امکان و امتناع حضرت تعالیٰ سے مسلوب ہے۔ لہذا ایک چوتھی قسم وجوب و امکان اور امتناع کے علاوہ پیدا ہو گئی حالانکہ ان (مذکورہ) تین چیزوں میں انحصارِ عقلی ثابت ہو چکا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ان کا انحصار اس کے وجود کی نسبت خاص طور پر ماہیت کے لئے ہے کیونکہ جہاں ماہیت کو وجود کی طرف کوئی نسبت نہیں وہاں کوئی انحصار نہیں جیسا کہ واجب تعالیٰ کی ذات میں اور اس سبحانہ کی صفات میں ہے، کیونکہ وہ ذات تعالیٰ بذاتِ خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ خواہ وہ وجود عین ہو یا زائد۔ اور اس تعالیٰ کی صفات بھی اس کی ذات کے ساتھ موجود ہیں بغیر اس کے کہ ان میں وجود کا دخل ہو، لہذا اس سبحانہ و تعالیٰ کی ذات و صفات ان تینوں منحصرہ چیزوں سے بلند و بالا ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب وجوہ و اعتبارات کی بنا پر اس ذات تعالیٰ کا تصور کیا جائے اور اس سبحانہ کی صفات کا مختلف وجوہ و اعتبارات سے تعقل کیا جائے کہ اس کی نفس حقیقت کی طرف کوئی راستہ نہیں ملتا تو اس سبحانہ کی ذات کے لئے ظلی تصوری وجود میں وجوب عارض ہوتا ہے جیسا کہ اس کی بے نیاز ذات کے لائق و مناسب ہے۔ اور اس سبحانہ کی صفات کے لئے وجود ذہنی میں امکان عارض ہوتا ہے جو اس سبحانہ کی غنا کے مناسب اور شایاں ہے اس لئے کہ وہ ذات کی طرف محتاج ہیں۔ پس اس بلند ہستی کی ذات اور اس کی صفات اپنی ذات کی حد میں وجوب و امکان کے مرتبہ سے بلکہ مرتبۂ وجود سے بھی بلند و بالا تر ہیں۔ اور وجودِ تصورِ ظلی کے اعتبار سے وجوب اس بلند

ذات کے مناسب ہے۔ اور امکان اس ذات تعالیٰ و تقدس کی صفات کے مناسب ہے، لہٰذا اس کی بلند صفات وجودِ خارجی کے اعتبار سے نہ واجب ہیں نہ ممکن، بلکہ وجوب اور امکان کے مرتبہ سے بلند ہیں البتہ وجودِ ذہنی کے اعتبار سے ممکن ہیں لیکن اس امکان سے صفات کا حدوث لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ امکان تمام ممکنات کے رنگ میں خاص صفات کی ماہیت میں ظاہر نہیں ہوا بلکہ وجوداتِ ظلّیہ کے رنگ میں عارض ہوا ہے ———— اور اس معرفت کے ساتھ مماثل ہے، جو کچھ اربابِ معقول نے کہا ہے کہ کلیت و جزئیت دونوں وجودِ ذہنی کی خصوصیت کے اعتبار سے ماہیت کو عارض ہوتی ہیں لیکن وجودِ خارجی کی حالت میں ان دونوں کے ساتھ ماہیت متصف نہیں ہو سکتی۔ مثلاً زید خارج میں تعقل سے پہلے موجود ہے جزئی نہیں ہے، جس طرح وہ کلی بھی نہیں ہے بلکہ وجودِ ذہنی ظلی کے بعد اس کو جزئیت عارض ہو گئی ہے ———— بلکہ ہم کہتے ہیں کہ تمام نسبتیں، اضافتیں، احکامات اور اعتبارات جو اس ذات تعالیٰ پر محمول کئے جاتے ہیں مثلاً الوہیت، ربوبیت، اولیت اور ازلیت وغیرہ جو کچھ صفاتِ ثمانیہ (آٹھوں صفات) کے علاوہ موجود ہیں وہ اس سبحانہٗ و تعالیٰ پر تصور و تعقل کے درجے میں ہی صادق آتی ہیں۔ ورنہ (حق تعالیٰ کی) ذات من حیث ذات نہ کسی صفت کے ساتھ متصف، نہ کسی اسم سے مسمّی، اور نہ کسی حکم کی محکوم ہے ———— لہٰذا صاحبِ شرع حق تعالیٰ نے اپنی ذات پر جن اسماء و احکام کا اطلاق کیا ہے وہ تناسب اور تشابہ کے اعتبار سے ہے تاکہ مخلوقات کی فہم کے نزدیک ہو جائے اور ان کی عقلوں کے اندازے کے مطابق تکلم ہو۔ جیسا کہ زید کے لئے کہا جائے جو خارج میں موجود ہے اس کے وجودِ ذہنی کے ملاحظہ کے بغیر تشبیہ و تنظیر کے لحاظ سے کہ وہ جزئی ہے اور ان کا زید پر جزئیت کا حکم کرنا زیادہ مناسب اور مشابہ ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ کہیں زید کلّی ہے۔

پس اسی طرح اس مستغنی ذات پر وجوب و وجود کا حکم کرنا انسب اور افضل ہے بہ نسبت امکان و امتناع کے حکم کے، ورنہ اس کی جنابِ قدس تک نہ وجوب پہنچ سکتا ہے نہ وجود، جیسا کہ اس تعالیٰ کے مرتبہ تنزیہ کے لئے امکان و امتناع بھی شایاں نہیں ہے ——— پس اس معرفتِ شریفہ قدسیہ کو غور سے سمجھنا چاہئے کہ یہ دین کی بنیاد ہے اور اس تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کے علم کا خلاصہ ہے۔ بزرگوں میں سے کسی اکابر نے بھی اس معرفت کے بارے میں کلام نہیں کیا البتہ حق تعالیٰ نے اس بندہ کو سرفراز فرمایا ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔
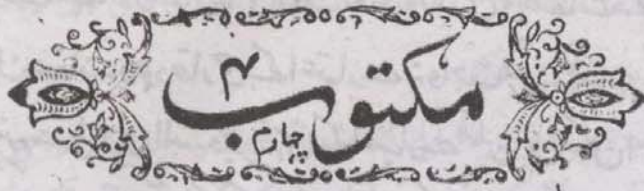
سیادت مآب میر محمد نعمان[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین جس کو بعض صوفیہ نے بیان کیا ہے، درحقیقت علم الیقین کے تین جزو میں سے دو جزو ہیں اور علم الیقین کا ایک جزو ابھی درپیش ہے تو پھر عین الیقین اور حق الیقین تک رسائی کب ہو سکتی ہے اور اس بیان میں کہ ان علوم کا جاننے والا اس ہزار (سال) کا مجدد ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ عرصہ سے آپ نے اپنے حالات اور اپنی خیر و عافیت سے مطلع نہیں کیا۔ اللہ سبحانہٗ سے آپ کی سلامتی اور استقامت مطلوب ہے ـــــ

واضح ہو کہ علم الیقین سے مراد شہودِ آیات (قدرت کی نشانیوں کا مشاہدہ) ہے جس سے یقینِ علمی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ شہود حقیقت میں اثر سے موثر کی طرف ایک استدلال ہے۔ لہذا جو بھی تجلیات و ظہورات، آفاق و انفس کے آئینے میں مشاہدہ کئے جاتے ہیں سب اثر سے موثر کی طرف استدلال کی ایک قسم سے ہیں، اگرچہ ان تجلیات کو تجلیاتِ ذاتیہ کا نام دیدیں اور ان ظہورات کو بے کیف کہیں کیونکہ آئینے میں کسی شئے کا ظہور اس شئے کے آثار میں سے ایک اثر کا ظہور ہے نہ کہ اس شئے کے عین کا حصول۔ ـــــ لہذا سیرِ آفاقی و انفسی بتمامہ دائرۂ علم یقین سے باہر قدم نہیں نکال سکتی، اور اور اثر سے موثر کی طرف استدلال کے سوا اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ (حم سجدہ آیت ۵۳) (عنقریب ہم ان کو اطرافِ عالم اور ان کے اپنے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے) ــــ دوسروں نے سیرِ آفاقی کو علم الیقین سے جانا ہے اور عین الیقین و حق الیقین کو سیرِ انفسی میں ثابت کیا ہے اور انفس سے باہر کسی سیر کا ذکر نہیں کیا۔ ع

آں ایشانند من چنینم یارب (وہ وہی ہیں، میں ہوں ایسا اے خدا)

علم الیقین عین الیقین حق الیقین

آپ جانتے ہیں کہ حضرتِ حق سبحانہٗ بندہ سے بھی زیادہ بندہ کے نزدیک ہے۔ لہذا بندے سے حق جل وعلا تک اقربیت کی جانب میں ایک اور سیر درمیان میں ہے جس کے طے کرنے پر

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر گزر چکا ہے۔

وصول (الی اللہ) منحصر ہے ــــــــــ یہ تیسری سیر بھی فی الحقیقت علم الیقین کے اثبات ہیں ہے
اگرچہ وہ دائرہ ظلیت سے باہر ہے لیکن ظلیت کے شائبہ سے پاک اور مبرا نہیں ہے کیونکہ اسماء و صفات
واجبی جل سلطانہ، حقیقت میں حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے ظلال ہیں اور جس جگہ کہ ظلیت
کی آمیزش ہے وہ آثار و آیات میں داخل ہے پس انھوں نے علم الیقین کی تین سیروں میں سے
ایک سیر کو علم الیقین کے ساتھ مخصوص بنا لیا ہے اور (علم الیقین کی) دوسری سیر کو عین الیقین اور
حق الیقین کا حاصل کرنے والا سمجھ لیا ہے۔ اور تیسری سیر (اقربیت) کے بارے میں لب کشائی نہیں کی
تاکہ علم الیقین کا دائرہ مکمل ہو جاتا اور عین الیقین اور حق الیقین ابھی درپیش ہیں۔ ع

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

(یہ فقیر) عین الیقین اور حق الیقین کے بارے میں کیا کہے اور اگر کہے تو کون سمجھے اور کون
اس کی کنہ کو پا سکے اور کیا حاصل کر سکے۔ یہ معارف ولایت کے دائرہ سے خارج ہیں۔ ارباب ولایت
علمائے ظاہر کے مانند ان کے ادراک سے عاجز اور ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں ــــــــــ یہ علوم
انوار نبوت علیٰ اربابہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی مشکوٰۃ (قندیل) سے مقتبس ہیں جو الف ثانی (دوسرے
ہزار سال) کے آغاز کے بعد تبعیت اور وراثت کے طور پر تازہ ہوئے ہیں اور پوری تازگی کے ساتھ ظہور پذیر
ہوئے ہیں۔ ان علوم و معارف کا جاننے والا اس الف (دوسرے ہزار سال) کا مجدد ہے۔ چنانچہ اس کے
ان علوم و معارف میں جو ذات، صفات، افعال، احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات کے متعلق
ہیں نظر و غور کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ وہ (صاحب نظر حضرات) جانتے ہیں کہ یہ تمام علوم و معارف
علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف سے وراء (بالا) ہیں۔ بلکہ (علماء اور اولیاء کے) یہ علوم ان علوم کے
مقابلے میں (جو حضرت مجدد الف ثانیؒ پر ظاہر ہوئے ہیں) پوست کی طرح ہیں اور یہ (حضرت مجدد الف ثانیؒ کے)
یہ معارف اس پوست کے مغز کی مانند ہیں۔ اور اللہ سبحانہ، ہی ہدایت دینے والا ہے۔

جاننا چاہئے کہ ہر سو سال پر ایک مجدد گزرا ہے لیکن سو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا
مجدد اور۔ جسقدر سَو اور ہزار کے درمیان فرق ہے اسی قدر، بلکہ اس سے بھی زیادہ ان دونوں
مجددوں کے درمیان فرق ہے۔ اور مجدد وہ ہوتا ہے کہ جو فیوض اس مدت میں امتیوں کو پہنچا ہے
اسی کے واسطے سے پہنچتا ہے خواہ اس وقت کے اقطاب و اوتاد ہوں اور خواہ ابدال و نجبا۔ ع

مجدد الف ثانیؒ کی خصوصیات

ع خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را (عام کی ہے مصلحت اک خاص سے)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ الْعُلٰی وَعَلٰی جَمِيْعِ اِخْوَانِهِ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَعِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَجْمَعِيْنَ۔

(سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفٰے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات العلیٰ اور آپ کے تمام بھائیوں انبیاء، والمرسلین اور ملائکہ مقربین اور حق تعالیٰ کے نیک بندوں کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا)۔

میر شمس الدین علی خلخالی کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات کے دو اعتبار ہیں۔ اعتبارِ اول ان کا حصول اپنے نفس میں ہے اور دوسرے اعتبار کا قیام ذات کے ساتھ ہے۔ اور دونوں اعتبارات خارج میں ممتاز ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. میرے مخدوم! واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ کی صفات جو موجود ہیں اور ذات تعالیٰ وتقدس کے ساتھ قائم ہیں وہ ۲ دو اعتبار (جزم) رکھتی ہیں۔ اعتبارِ اول یہ کہ وہ اپنی ذات کی حد تک موجود ہیں اور اعتبارِ دوم یہ کہ واجب تعالیٰ وتقدس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، اعتبارِ اول کے لحاظ سے عالم کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں اور تعینات کے مبادی ہیں، اور اعتبارِ دوم کے لحاظ سے عالم سے مستغنی وبے نیاز ہیں اور عالم اور عالم والوں کے ساتھ ان کو کوئی توجہ نہیں ـــــــ اور اسی طرح نظرِ کشفی میں اعتبارِ اول کے لحاظ سے وہ ذات تعالیٰ وتقدس سے الگ معلوم ہوتی ہیں، اور ذات تعالیٰ تقدس کا اثبات ان سب سے ماوراء دکھائی دیتا ہے اور دوسرے اعتبار کے لحاظ سے ایسا نہیں ہے اور نہ ہی ان کا ذات سے جدا ہونا متصور ہو سکتا ہے ـــــــ اور اسی طرح اعتبارِ اول کے لحاظ سے وہ (صفات) ذات تعالیٰ وتقدس کا حجاب ہیں اور اعتبارِ ثانی کے لحاظ سے حجاب مرفوع ہیں (یعنی حجاب نہیں پائے جاتے) جس طرح سفیدی جو کپڑے کے ساتھ قائم ہے کپڑے کے لئے حجاب نہیں ہے۔ ـــــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کپڑے کی سفیدی حصولِ نفسی اور حصولِ قیامی دونوں اعتبار سے

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر دوم مکتوب ۲ پر گذر چکا ہے۔

کپڑے کی ذات کے لئے حجاب نہیں ہے اگرچہ محسوس وہی سفیدی ہے لیکن حجابیت مرفوع ہے۔ بخلاف واجب تعالیٰ و تقدس کی صفات کے کہ وہ اعتبارِ اول کے لحاظ سے حجاب بنتی ہیں اور اعتبارِ ثانی کے لحاظ سے حجاب نہیں۔ اور ان دونوں اعتبارات کے درمیانی فرق کو معمولی خیال نہ کریں (بلکہ بہت بڑا فرق ہے) ـــــــ اس فقیر نے جذبِ قوی اور مسافت میں سرعتِ سیر کے باوجود ان دونوں اعتبارات کی درمیانی مسافت کو تقریباً پندرہ سال کے عرصے میں طے کیا ہے ـــــــ علمائے متقدمین میں سے کوئی بھی ان دونوں اعتبارات کے درمیانی فرق کو معلوم نہ کر سکا، بلکہ انھوں نے کہا کہ حصولِ عرض فی نفسہٖ وہی ہے جو جوہر کے ساتھ اس کے قیام کا حصول ہے۔

ـــــــ اور علماءِ متاخرین میں سے بعض ان دونوں اعتبارات کے فرق پر مطلع ہوئے ہیں اور تحقیق کی ہے کہ عرض کا حصولِ نفسی اور چیز ہے اور حصولِ قیامی دوسری چیز۔ کیونکہ عرض وہ ہے جس کے حق میں کہا جاتا ہے کہ بیشک وہ پایا گیا پھر کھڑا ہوا، پس وجود قیام کے علاوہ ہے۔

متاخرین کی یہ تحقیق جو انھوں نے عرض کے متعلق کی ہے گویا اس ضرورت مند کے عروج کے لئے ایک زینہ اور حاجت مند کی معرفت کے لئے ایک وسیلہ کا کام دے گی ـــ (فقیر کو) اس سیر و سلوک میں بہت سی تحقیقاتِ کلامی اور فلسفی نے مدد کی ہے اور معارفِ الٰہی جل شانہٗ کا واسطہ بنے ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُهَا (سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ من الصلوات اتمہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)

مخدوم زادہ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ مجد الدین خواجہ محمد معصوم[1] سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

بعض پوشیدہ اسرار کے بیان میں جن سے مفہوم ہوتا ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص ملّتِ حضرت ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کا حکم کیوں دیا گیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ـــــ میں خیال کرتا ہوں کہ میری پیدائش سے

[1] آپ کے نام ۲۷ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۴ پر گذر چکا ہے۔

حضرت مجدد کی پیدائش کا مقصد

مقصود یہ ہے کہ ولایتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ولایتِ ابراہیمی علیہما الصلوات والتحیات کے رنگ سے رنگین ہو جائے اور اس ولایت کا حُسنِ ملاحت اُس ولایت کے جمالِ صباحت کے ساتھ مل جائے۔ حدیث شریف میں وارد ہے: اَخِیْ یُوْسُفُ اَصْبَحُ وَاَنَا اَمْلَحُ[1] (میرا بھائی یوسف صبیح تھا اور میں ملیح ہوں) ۔ اور اس انصباغ (رنگین ہونا) اور امتزاج (آمیزش) سے محبوبیتِ محمدیہ کا مقام درجۂ علیا تک پہنچ جائے ——— شاید کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی اتباع کے امر سے مقصود اس دولتِ عظمیٰ کا حصول رہا ہے اور حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے صلوات و برکات کے مانند صلوات و برکات کا طالب اسی غرض کے لئے ہوگا۔ ملاحت و صباحت دونوں حُسنِ ذات تعالیٰ کی مخبر ہیں جس میں صفات کی آمیزش نہیں لیکن صفات و افعال اور آثار کا حُسن سب حسنِ صباحت ہی سے مستفاد ہے جو کثیر البرکت ہے۔ اور حُسنِ ملاحت کو حضرتِ اجمال سے زیادہ مناسبت ہے، گویا ملاحت حُسنِ مطلق کا مرکز ہے اور صباحت اس مرکز کا دائرہ ہے ——— اور حضرت ذات تعالیٰ میں جس طرح بساطت (وحدتِ محضہ) ہے (اسی طرح) وسعت بھی ہے۔ لیکن وہ بساطت اور وسعت ایسی نہیں جو ہماری سمجھ میں آسکے اور نہ ہی وہ اجمال و تفصیل ہے جس کا ہم ادراک کرسکیں۔ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (انعام آیت ۱۰۳) (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرسکتا ہے اور وہ باریک بین اور باخبر ہے)۔

بساطت اور وسعت جس کا اثبات ہم حضرت ذات تعالیٰ میں کرتے ہیں وہ ایک دوسرے سے جدا ہیں اور ایک دوسرے کے عین نہیں جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے لیکن ان دونوں کے درمیان مرتبہ کی تمیز ثابت ہے جو ہمارے احاطۂ ادراک سے خارج ہے اور ہمارے افہام کے دائرہ سے باہر ہے۔ لہٰذا ملاحت اور صباحت بھی اسی مرتبۂ ذات میں متمیز ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے احکام جدا جدا ہیں اور وہ کمالات جو اُن سے متعلق ہیں وہ بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں۔

میں اپنی پیدائش کا جو مقصد سمجھتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ حاصل ہوگیا اور میرا رسالہ (تجدید) کی درخواست قبول ہوگئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صِلَةً[2] بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ وَمُصْلِحًا بَیْنَ الْفِئَتَیْنِ

---

[1] یہ حدیث تمییز المبانی میں نہیں ہے البتہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں اس کو ذکر کیا ہے۔

[2] آپ کا اس طرح تحریر فرمانا مندرجہ ذیل حدیث کی طرف اشارہ ہے: یکون فی امتی رجلٌ یقال لہ صلۃ یدخل الجنۃ بشفاعتہ کذا و کذا (جمع الجوامع از علامہ سیوطیؒ) یعنی میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو صلہ کہا جائے گا اس کی شفاعت سے بکثرت لوگ جنت میں جائیں گے) حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو اس حدیث کا مصداق بنایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ وَعَلٰی اِخْوَانِہِ الْکِرَامِ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمَلٰئِکَۃِ الْعِظَامِ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے دو سمندروں[1] کو ملانے والا اور دو گروہوں[2] کے درمیان صلح کرانے والا بنایا اور حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بھائیوں (یعنی انبیائے کرام اور ملائکہ عظام پر صلوٰۃ وسلام ہو) ———— چونکہ صباحت بھی ملاحت کے رنگ سے رنگین ہو گئی ہے اس لئے خلتِ ابراہیمی کے مقام میں بھی لازمی طور پر وسعت پیدا ہو گئی ہے اور محیط نے بھی مرکز کا حکم حاصل کر لیا ہے۔

جاننا چاہئے کہ مقامِ محبت مرتبۂ ملاحت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور مقامِ خُلّت مرتبۂ صباحت کے ساتھ، اور (مقامِ) محبت میں محبوبیت صرف خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کا حصہ ہے اور خالص محبیت حضرت کلیم (موسیٰ) علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے، اور حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام دوستی اور ہم نشینی کی نسبت رکھتے ہیں۔ محب اور محبوب اور ہوتے ہیں اور دوست و ہم نشین اور۔ اور ہر ایک کی نسبت علیحدہ علیحدہ ہے۔ اور یہ فقیر چونکہ ولایتِ محمدیہ اور ولایتِ موسویہ علیٰ صاحبہما الصلوۃ والسلام والتحیہ (دونوں) کا پروردہ ہے اس لئے اس کی جائے اقامت وسکونت مقامِ ملاحت میں ہے اور ولایتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے نسبتِ محبوبیت غالب ہے اور نسبتِ محبیت مغلوب اور پوشیدہ ہے۔

اے فرزند! اس معاملے کے باوجود جو میری پیدائش سے وابستہ کیا گیا ہے ایک اور کارخانۂ عظیم بھی میرے سپرد ہوا ہے۔ مجھے پیری مریدی کے لئے (اس دنیا میں) نہیں لایا گیا اور نہ ہی میری پیدائش سے مخلوق کی تکمیل وارشاد مقصود ہے بلکہ معاملہ کچھ اور ہی ہے، البتہ اس ضمن میں جس کو مناسبت ہو گی وہ فیض بھی حاصل کرے گا ورنہ نہیں۔ تکمیل وارشاد کا کام اس کارخانہ کے مقابلہ میں راستے میں پھینکی ہوئی چیز کی مانند ہے۔ (یعنی بالکل ہیچ ہے) انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی دعوت ان کے باطنی معاملات کے مقابلے میں یہی نسبت رکھتی ہے، اگرچہ منصبِ نبوت ختم ہو چکا ہے لیکن نبوت کے کمالات وخصوصیات سے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل تابعداروں کو تبعیت و وراثت کے طور پر حصہ ملتا ہے۔

---

[1] مولانا ابوالحسن زید صاحب مدظلہ العالی "مقاماتِ خیر" میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں دو سمندروں سے مراد شریعت وطریقت ہیں۔

[2] اور دو گروہوں سے مراد علماءِ اسلام اور مشائخ کرام۔ شریعت وطریقت میں جو اختلاف بظاہر نظر آ رہا تھا وہ حق تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے دور کر دیا اور علماء ومشائخ کا اختلاف بھی بڑی حد تک کم ہو گیا اس سلسلہ میں دفتر دوم مکتوب اول ملاحظہ ہو۔

# مکتوب ۷ ہفتم

حقیر فقیر عبدالحی[1] کی طرف صادر فرمایا (جو پیش نظر مکتوبات دفتر ثانی کا جامع ہے ——

پنجگانہ مراتب کے بیان میں یعنی محبوبیت[۱]، محبیت[۲]، محبت[۳]، حب[۴] اور رضا[۵]، اور ان سے بہترمرتبہ کا بیان، نیز ہر ایک (مرتبہ) کی ایک پیغمبر کے ساتھ خصوصیت اور ان کے مناسب بیان ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَهَدَانَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ اُمَّةِ حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو، جس نے ہم کو اپنی نعمتوں سے نوازا اور اسلام کی طرف ہدایت فرمائی اور اپنے حبیب حضرت محمد مصطفٰی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں بنایا) —— اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔

جاننا چاہیے کہ حضرت ذات تعالیٰ وتقدس اپنے آپ کو "محبت ذاتیہ" میں تین اعتبارات محبوبیت[۱] محبیت[۲] اور محبت[۳] کی وجہ سے دوست رکھتا ہے —— محبوبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے مسلم ہے —— حاصل کلام یہ ہے کہ محبوبیت کی جانب میں دو کمال ہیں فعلی[۱] اور انفعالی[۲]۔ فعل[۳] اصل ہے اور انفعال اس کا تابع ہے۔ لیکن انفعال (فعل کے لئے) علت غائی ہے، اور ہر چند کہ فعل وجود میں متاخر ہے لیکن تصور میں متقدم ہے —— محبیت کے کمالات کا ظہور حضرت کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے —— اور تیسرے اعتبار سے جو کہ نفس محبت ہے وہ ابو البشر حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے پہلے اس مقام محبت میں مشہود ہوئے اور دوسرے نمبر پر حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی (اسی مقام میں) ظاہر ہوئے، اور تیسرے (نمبر پر) حضرت نوحؑ بھی اسی اعتبار سے نظر آتے ہیں۔ وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ (بیشک ہر امر اللہ سبحانہ ہی کی طرف سے ہے) —— اور جس طرح حضرت ذات تعالیٰ وتقدس اپنی ذات کو دوست رکھتا ہے (اسی طرح) اپنے اسمائی، صفاتی اور افعالی کمالات کو بھی دوست رکھتا ہے اور حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کی اس محبت کا ظہور اپنے اسماء وصفات کے اعتبار سے حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر اکمل واتم ہے —— اور

---

[1] آپ کے نام ۵ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۷۷ پر گذر چکا ہے۔

[2] جاننا چاہیے کہ فعل تاثیر کو کہتے ہیں اور انفعال تأثر کو یعنی اثر قبول کرنے کو کہتے ہیں۔

اسمائی، صفاتی اور افعالی محبوبیت کا ظہور دوسرے انبیا علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات میں متحقق ہے جس طرح ان (اسماء وصفات وغیرہ) کی محبیت کا ان میں ظہور ہے۔ اور چونکہ اسماء وصفات اور افعال کے لئے ظلال بھی ہیں تو ان ظلال کی محبوبیت کا ظہور اُن کے اصولوں کے توسط سے مراد اولیا اور محبوبین کا حصہ ہے اسی طرح ان ظلال کی محبیت کے رنگ میں اولیاء مریدین ومحبین کا بھی حصہ ہے ـــــــ اور محبتِ ذاتیہ کے مقام سے بالاتر مقامِ حُب ہے جو ان تینوں اعتبارات کا جامع ہے اور ان کا اجمال ہے ـــــــ اور مقامِ رضا محبت اور حُب کے مقام سے بھی بالاتر ہے کیونکہ مرتبۂ رضا، مرتبۂ محبت سے بلند ہے۔ چونکہ محبت میں اجمالاً اور تفصیلاً نسبت کا وجود ہے، اور مقامِ رضا میں نسبتیں حذف (مفقود) ہوجاتی ہیں جو حضرت تعالیٰ وتقدس کی ذات کے مناسب ہیں ـــــــ اور مقامِ رضا کے اوپر حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے علاوہ کسی کا قدم نہیں ہے۔ شاید اسی مقام کی خبر دیتے ہوئے آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:۔ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ[1] (میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل شریک نہیں ہوتا) ـــــــ اور اس حدیثِ قدسی میں بھی شاید اسی خصوصیت کی طرف اشارہ وارد ہوا ہے: یَا مُحَمَّدُ اَنَا وَاَنْتَ وَمَا سِوَاکَ خَلَقْتُ لِاَجْلِکَ فَقَالَ مُحَمَّدٌ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ وَمَا اَنَا وَمَا سِوَاکَ تَرَکْتُ لِاَجْلِکَ[2] (اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اور تو ہیں اور تیرے سوا جو کچھ ہے سب تیرے لئے پیدا کیا ہے اس پر حضرت محمد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا کہ اے اللہ تو ہی ہے اور میں نہیں ہوں اور جو کچھ تیرے سوا ہے وہ سب میں نے تیرے لئے ترک کر دیا) ـــــــ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی شان کو اس دنیا میں کیا پا سکتے ہیں اور آپ کی عظمت وبزرگی کو اس جہان میں کیا پہچان سکتے ہیں کیونکہ اس دارِ ابتلا (دنیا) میں سچ جھوٹ کے ساتھ اور حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے لیکن قیامت کے دن آپؐ کی عظمت وبزرگی معلوم ہو جائے گی جبکہ آپ پیغمبروں کے امام ہوں گے اور ان کی شفاعت کرنے والے ہوں گے۔ اور حضرت آدمؑ اور ان کے علاوہ تمام انبیاء والمرسلین من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ (رواہ الترمذی)

---

[1] اس حدیث کی تخریج سے متعلق ملاحظہ ہو دفتر اول مکتوب ۹۹۔

[2] علامہ البکری نے تاریخ الخمیس میں معراج کے واقعہ میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ (رشید النعمانی)

ہو سکتا ہے کہ اس مقام خاص میں جو مقامِ رضا سے اوپر ہے اپنے خادموں میں سے کسی پس خوردہ خادم کو وراثت اور تبعیت کے طور پر جگہ دیدیں اور آپؐ کے طفیل اس بارگاہ کا محرم بنادیں۔

ع از کریماں کارہا دشوار نیست (اہلِ کرم کو سبھی آسان ہیں)

اس معنی سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر انبیاء کو انبیاء علیہم الصلوات والتحیات پر فضیلت ہے کیونکہ خادم کو اپنے مخدوم کے ہم پلہ لوگوں کے ساتھ کیسے مساوات (برابری) ہو سکتی ہے اور تابع کو متبوع کے ہمسروں کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے، اصل مقصود ہی ہوتا ہے اور تابع طفیلی کی نہایت کا معاملہ زیادہ سے زیادہ ایک جزئی فضیلت والا ہے جس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ہر جلاہا (کپڑا بُننے والا) اور حجام اپنے پیشے وصنعت کے اعتبار سے ہر ذی فنون عالم پر (اس دنیا میں) فضیلت رکھتا ہے لیکن وہ اعتبار کے محل سے ساقط ہے۔

ہمارا کلام اشارات ورموز اور بشارات کے ایسے خزانے ہیں کہ اکثر لوگوں کے لئے ان میں کوئی حصہ نہیں مگر یہ کہ وہ حسنِ ظن کے ساتھ ان پر یقین کریں تو ان کو اس یقین کی وجہ سے ایسے ثمرات حاصل ہو سکتے ہیں جو ان کو نفع دیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ (اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے)۔
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہٖ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ مِنَ الصَّلَوٰاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا۔
(اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفٰیؐ اور آپ کے تمام بھائیوں انبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کیا)

(عبد الرحیم) خان خاناں[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اخصِ خواص، عوام اور متوسط لوگوں کے ایمان بالغیب کے (درمیان) فرق کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

ع از ہر چہ میرود سخنِ دوست خوشتر است (جس طرح ہو ذکر اس کا خوب ہے)

---

[1] آپ کے نام ۱۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳ پر گذر چکا ہے وہاں ملاحظہ ہو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (بقرہ آیت ۱۸۶)

(اور جب تم سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) قریب ہی ہوں) ——

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا (مجادلہ آیت ۷) (کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ (اللہ تعالیٰ) نہ ہو، اور نہ پانچ (آدمیوں کی سرگوشی ایسی) ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ (اللہ تعالیٰ) نہ ہوتا ہو، اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ (اللہ تعالیٰ) ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں وہ لوگ ہوں) —— حق تعالیٰ کا قرب و معیت چونکہ اس سبحانہٗ کی ذات کی مانند بیچون و بیچگون (بے مثل و بے کیف) ہے اور چون کو بے چون تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں، لہذا قرب و معیت کے لحاظ سے جو کچھ ہماری عقل اور فہم سمجھتی ہے یا ہمارے کشف و شہود میں آتا ہے وہ تعالیٰ اس معنیٰ کے لحاظ سے بھی منزہ و مبرا ہے، اس لئے کیبیات فرقۂ مجسمہ (اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ماننے والوں) میں قدم رکھنے کے مترادف ہے۔ ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ تعالیٰ ہمارے قریب اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ہم قرب و معیت کے معنیٰ نہیں جانتے کہ کیا ہیں —— اس عالمِ دنیا میں کاملین کا انتہائی حصہ بھی حق تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان بالغیب لانا ہے ؎

دُور بینانِ بارگاہ الست بیش ازیں پے نبردہ اندکہ ہست

(بارگاہِ الست والے جو ہیں بس یہ کہتے ہیں بیشک اللہ ہے)

ایمان کی قسمیں

ایمان بالغیب جو کہ اخصِ خواص کا حصہ ہے وہ عوام کے ایمان بالغیب کے مانند نہیں ہے کیونکہ عوام سماع یا استدلال سے ایمان بالغیب حاصل کرتے ہیں اور اخصِ خواص غیب الغیب کے جمال و جلال کے ظلال کے پردوں اور تجلیات و ظہورات کے پردوں کے اندر مطالعہ کر کے ایمان بالغیب حاصل کرتے ہیں۔ اور متوسط حضرات ظلال کو اصل گمان کر کے اور تجلیات کو عین متجلی جان کر ایمانِ شہودی کے ساتھ خوش ہوتے ہیں ان کے حق میں ایمان بالغیب دشمنوں کا حصہ ہے: كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ (روم آیت ۳۲) (ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے) —— باعثِ تکلیف یہ ہے کہ مولانا عبد الغفور اور مولانا حاجی محمد مخصوص دوستوں میں سے ہیں ان دونوں حضرات پر جس قسم کا بھی احسان واقع ہوگا وہ فقیر کی احسان مندی کا موجب ہوگا۔

ع باکریماں کارہا دشوار نیست (اہلِ کرم کو سبھی آسان ہیں)

والسلام

## مکتوب ۹

ملا محمد عارف ختنی[1] کی طرف صادر فرمایا ــــ کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے فضائل اور مقامِ تنزیہ کی تحقیق اور اس بیان میں کہ ایمان بالغیب اس وقت متحقق ہوتا ہے جبکہ معاملہ اقربیت تک پہنچ جائے کیونکہ وہ معاملہ (اقربیت) وہم و خیال کے احاطہ سے باہر ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــ مولانا عارف ختنی (کو چاہئے کہ) پہلے نفیٔ آلہۂ باطلہ (جھوٹے معبودوں کی نفی) کر کے معبودِ حق جل سلطانہٗ کا اثبات کریں، اور جو کچھ چونی و چندی کے داغ سے داغدار ہے اس کو لا کے تحت داخل کر کے خدائے بیچون جل شانہٗ پر ایمان (لانے کی دولت) حاصل کریں (غیر اللہ کی نفی اور (حق جل وعلا کے) اثبات کی کامل ترین عبارات میں کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (سب سے افضل ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے)[2] ــــ نیز آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے فرمایا کہ (حدیثِ قدسی میں) اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے "اگر میرے علاوہ ساتوں آسمان اور اُن آسمانوں میں آباد شدہ فرشتے اور ساتوں زمینیں (ترازو کے) ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسرے پلڑے میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رکھا جائے تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ والا پلڑا (اپنے بزرگی کے وزن کی وجہ سے) جُھک جائے گا"[3] ــــ یہ کلمہ کیسے افضل اور وزنی نہ ہو جبکہ اس کلمہ کا پہلا جزء (لَآ اِلٰہَ) تمام ماسویٰ کی نفی کرتا ہے (خواہ وہ) آسمان ہوں یا زمین، عرش ہو یا کرسی، لوح ہو یا قلم، عالَم ہو یا آدم (سب کی نفی کرتا ہے)۔ اور اس کلمہ کا دوسرا جزء (اِلَّا اللّٰہُ) معبودِ حق جل برہانہٗ کا اثبات کرتا ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔ اور جو کچھ بھی حق جل وعلا کے ماسویٰ آفاق و انفس میں (موجود) ہے سب چونی و چندی (کمیت و کیفیت) کے داغ سے داغدار ہے۔ پس لازمی طور پر آفاق و انفس کے آئینوں میں جو کچھ جلوہ گر ہوتا ہے وہ بطریقِ اولیٰ چند و چون سے (کتنا اور کیسا) ہوگا جو نفی کرنے کے لائق ہے ــــ لہٰذا ہمارا معلوم و موہوم اور مشہود و محسوس سب چونی و چگونی سے متصف ہے، اور حدوث و امکان کے عیب سے

افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔
[2] رواہ الترمذی وابن ماجہ عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ [3] رواہ فی شرح السنۃ۔

معیوب ہے، کیونکہ ہمارا معلوم و محسوس ہمارا خود تراشیدہ ہے اور ہمارا خود کا کسب کردہ ہے، وہ تنزیہ جس کے ساتھ ہمارا علم متعلق ہے عین تشبیہ ہے اور وہ کمال جو ہماری فہم کے اندازے کے مطابق ہوتا ہے عین نقص ہے لہذا جو کچھ ہم پر متجلی، مکشوف اور مشاہدہ ہوتا ہے وہ سب کا سب غیرِ حق سبحانہٗ ہے اور وہ بزرگ و برتر ذات وراء الوراء ہے ______ حضرت خلیل علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ، وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (صافات آیت ۹۵-۹۶) (کیا تم ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جس کو تم خود تراشتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو)۔

ہمارا تراشا ہوا خواہ ہمارے ہاتھ سے تراشیدہ ہو یا ہماری عقل و وہم سے، سب حق سبحانہٗ کی مخلوق ہیں اور ہرگز عبادت کے لائق نہیں۔ بلکہ عبادت کے لائق صرف وہ خدائے بے چون و بیچگونہ ہے جس کے دامنِ ادراک تک رسائی ہماری عقل و فہم کے ہاتھ سے عاجز و کوتاہ ہے اور ہمارے کشف و شہود کی آنکھ اس سبحانہٗ کی عظمت و جلال کے مشاہدہ سے خیرہ و درماندہ ہے، پس ایسے بے چون و بے چگون خدا جل شانہٗ پر ایمان غیب کے طریقے پر ہی میسر آسکتا ہے کیونکہ ایمان شہود اس تعالیٰ شانہٗ پر ایمان نہیں ہے بلکہ اپنی تراشیدہ چیز پر ایمان ہے حالانکہ وہ بھی اس بزرگ و برتر کی مخلوقات سے ہے۔ لہذا اس طرح ایمانِ غیر کو اس تعالیٰ کے ایمان کے ساتھ شریک کرنا ہے اور یہ سراسر غیر پر ایمان لانا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ ذٰلِكَ (اللہ سبحانہٗ اس سے ہم کو بچائے)۔

ایمان بالغیب اس وقت میسر ہوتا ہے جبکہ ہمارے تیز رو وہم کو اس جگہ کوئی رسائی و دسترس حاصل نہ ہو اور وہاں ہماری قوتِ متخیلہ میں کوئی چیز منقش نہ ہو اور یہ بات حق تعالیٰ کی اقربیت میں ثابت ہوتی ہے جو وہم و خیال کے احاطے سے باہر ہے کیونکہ (شے) جسقدر زیادہ دور ہو گی اسی قدر وہم کی پرواز زیادہ ہو گی اور خیال کی سلطنت میں اسی قدر جلد داخل ہو جاتی ہے۔ یہ دولت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور ایمان بالغیب انہی بزرگوں علیہم الصلوات والتسلیمات کا حصہ ہے اور جس کسی کو چاہتے ہیں ان حضرات کی متابعت و وراثت کے سبب اس دولت سے مشرف کرتے ہیں۔

اور وہ ایمان بالغیب جو عام مومنوں کو حاصل ہے وہ وہم کے احاطہ سے خارج نہیں ہے کیونکہ وراء الوراء عوام کے نزدیک بُعد اور دُوری کی جانب ہے جو کہ وہم کی جولانگاہ ہے اور ان حضرات یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات والتحیات کے نزدیک وراء الوراء قرب کی جانب میں ہے جہاں

حق سبحانہٗ کے متعلق جو کچھ بھی مکشوف ہوتا ہے وہ سب غیرِ حق ہے

وہم کی مطلقاً گنجائش نہیں، جبتک دنیا قائم ہے اور بندۂ مومن حیاتِ دنیا کے ساتھ موجود ہے غیب پر ایمان لانے کے سوا چارہ نہیں، کیونکہ ایمانِ شہود اس دنیا میں معلول ہے جب عالم آخرت کی زندگی پر تو انداز ہوگی اور وہم و خیال کی صورت ٹوٹ جائے گی تو پھر ایمانِ شہودی مقبول ہو جائے گا اور تراش خراش سے پاک و مبرا ہوگا۔

میں گمان کرتا ہوں کہ جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اس دنیا میں دولتِ رویت (یعنی شبِ معراج میں حق تعالیٰ کے دیدار) سے مشرف ہوئے لہٰذا اگر ایمانِ شہودی آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے حق میں اس جگہ (دنیا میں) ثابت کریں تو اچھا ہے اور یہ بناتے اور تراشنے کے نقص سے آزاد ہے کیونکہ جس چیز کا دوسروں کے لئے آخرت میں وعدہ ہے آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کو اسی جگہ (دنیا میں) حاصل ہے: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

جاننا چاہئے کہ کلمۂ نفی کو حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے پورا کیا تھا اور شرک کے دروازوں میں سے کوئی دروازہ ایسا نہیں چھوڑا جس کو آپ نے بند نہ کر دیا ہو، اسی لئے آپ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے امام قرار پائے اور پیشوا بن گئے۔ کیونکہ اس دنیا میں کمال کی انتہا اسی نفی کے اتمام کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور کلمۂ طیبہ کے کمالات کا ظہور یعنی اثبات آخرت کی زندگی پر موقوف ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اس دنیا میں رویتِ حق جل وعلا سے (شبِ معراج میں) مشرف ہوئے تو آپؐ نے کلمۂ طیبہ کے جزء اثبات (اِلَّا اللّٰهُ) کے کمالات سے بھی اسی دنیا میں بہت بڑا حصہ پالیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ کلمۂ اثبات اس دنیا کے اندازے کے مطابق آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت (تشریف آوری) سے کامل و مکمل ہو گیا اور اسی وجہ سے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ تجلیٔ ذات کو آپ کے حق میں اس دنیا میں ثابت کرتے ہیں اور دوسروں کے لئے آخرت کے وعدہ پر موقوف کرتے ہیں: وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا (سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)۔

حقائق آگاہ حضرت مجددؒ کے برادرِ حقیقی جناب میاں محمد مودود[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ جو بھی ظہور ہوتا ہے وہ ظلیت کی آمیزش کے بغیر نہیں ہوتا بخلاف اس ظہور کے جو فوقِ عرش سے واقع ہوا ہو۔ اور جب قلب (معرفتِ الٰہی میں) انتہائے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو انوارِ عرشی سے کچھ نور اقتباس کر لیتا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ شیخ بایزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں "اگر عرش اور جو کچھ اس میں ہے عارف کے گوشۂ دل میں رکھ دیں تو بھی فراخیٔ قلب کی وجہ سے عارف کو اس کا احساس تک نہ ہوگا" ـــــ

شیخ بسطامیؒ اور شیخ جنیدؒ کے اقوال اور حضرت مجددؒ کی تحقیق

شیخ جنیدؒ اس بیان کی تائید کرتے ہیں اور اس کو دلیل کے ساتھ ثابت کرتے ہیں اور فرماتے ہیںؒ کہ جب حادث قدیم کے نزدیک ہو جاتا ہے تو اس حادث کا اثر نہیں رہتا یعنی عرش اور جو کچھ اس میں ہے سب حادث ہے عارف کا قلب جو کہ انوارِ قِدَم کے ظہور کا محل ہے جب اس حادث کا اس قلب سے اقتران (قُرب) ہو جاتا ہے تو حادث مضمحل اور لاشے ہو جاتا ہے پھر کس طرح محسوس کر سکے" ـــــ تعجب ہزار تعجب! اجب صوفیوں کے سردار سلطان العارفین (بایزیدؒ) اور سید الطائفہ (جنیدؒ) ہی ایسا فرمائیں اور عرشِ مجید کو قلبِ عارف کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہ دیں اور عرش کو انوارِ قِدَم کے ظہورات سے خالی جان کر حادث کہہ دیں اور قلب کو انوارِ قِدَم کے ظہور کے واسطے سے قدیم کا نام دیں تو دوسروں کے متعلق کیا کہیں اور کیا لکھیں۔

اس فقیر کے نزدیک جو جذباتِ الٰہی جل سلطانہٗ کا پروردہ ہے تحقیق یہ ہے کہ عارف کا قلب جب اپنی خاص استعداد کے تقاضے سے نہایت النہایت تک پہنچ جاتا ہے اور اسقدر کمال حاصل کر لیتا ہے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتا تو اس میں یہ قابلیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انوارِ عرشی کے بے نہایت لمعات (انوار) میں سے کسی لمعہ (نور) کا ظہور اس پر فائض ہو جائے اور اس نور کی حیثیت اس انوار کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے دریائے بیکراں کے مقابلہ میں ایک قطرہ بلکہ اس سے بھی کمتر۔ اور عرش وہ ہے جس کے متعلق حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ "عرشِ عظیم" فرماتا ہے اور اس پر "استویٰ" کا راز ثابت فرماتا ہے ـــــ عارف کے قلب کو جامعیت کی وجہ سے تشبیہ و تمثیل کے طور پر "عرش اللہ" کہہ دیتے ہیں یعنی جس طرح عرشِ مجید عالمِ کبیر میں عالمِ خلق

[1] آپ حضرت مجددؒ کے چھوٹے بھائی ہیں اور آپ کے نام دو مکتوب ہیں ایک یہی اور دوسرا دفتر اول مکتوب ۲۲۶ ہے۔

اور عالمِ امر کے درمیان برزخ ہے اور خلق و امر کی دونوں طرف کا جامع ہے، اسی طرح قلب بھی عالمِ صغیر میں عالمِ خلق اور عالمِ امر کے درمیان برزخ ہے اور اس عالمِ صغیر میں عالمِ خلق و امر کی دونوں طرف کا جامع ہے، لہذا قلب کو بھی تشبیہ کے طور پر عرش کہہ سکتے ہیں۔

سنو اور غور سے سنو! انوارِ قدم کے ظہور کی وہ قابلیت جو ظلیت کی آمیزش سے منزہ و مبرا ہے عرش مجید کے ساتھ مخصوص ہے، کوئی چیز بھی عالمِ خلق اور عالمِ امر یا عالمِ کبیر اور عالمِ صغیر میں سے یہ قابلیت نہیں رکھتی البتہ ایسے ظہور کی قابلیت عرشِ مجید میں ہے۔ اور عارفِ کامل کا قلب جامعیت اور برزخیت کے تعلق کی وجہ سے ان انوار سے تور اقتباس کر لیتا ہے اور دریا سے ایک چلو بھر لیتا ہے۔

عرش اور کامل معرفت والے عارف کے قلب کے علاوہ جو کچھ بھی ظہور ہے وہ ظلیت کے داغ سے داغدار ہے اور اصل کی بو تک نہیں پائی ـــــــ بایزیدؒ اگر سکر کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں تو ان کو زیب دیتا ہے لیکن جنیدؒ جو صحو کے مدعی ہیں ان کے لئے یہ زیبا نہیں۔ (یہ حضرات) کیا کریں کیونکہ ان کو حقیقتِ معاملہ سے آگہی حاصل نہیں ہوئی اور دریائے ظلیت کے بھنور سے ساحل تک نہیں پہنچ سکے (اس لئے ایسا کہہ دیا) اور یہ بات اگرچہ آج اکثر لوگوں کی نگاہ میں بعید نظر آتی ہے لیکن آج سے کل کا دن زیادہ نزدیک ہے، جلدی نہ کریں۔ اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا لہذا جلدی نہ کرو، اللہ سبحانہ و تعالیٰ شرک کی باتوں سے پاک و منزہ ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاۤءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلَی الْمَلٰۤئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی سَائِرِ الصَّالِحِیْنَ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اَجْمَعِیْنَ۔

## مکتوب ۱۱ یازدہم

حقائق و معارف آگاہی مظہر فیض الٰہی مخدوم زادہ مجد الدین خواجہ محمد معصوم[1] سلمہ ربہ کی طرف صادر فرمایا ـــــــ فوقِ عرشی کے ظہور کی بعض خصوصیات کے بیان میں اور آیۂ کریمہ اللہ نور السموات والارض الآیہ کے تاویلی معنی میں اور انسان کے بعض خاص کمالات اور حرزِ ارضی کے فضائل اور اس کے مناسب بیان میں۔

---

[1] آپ کے نام ۲۷ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۴ پر گذر چکا ہے۔

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْکِرَامِ (ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے نبی ﷺ پر اور ان کی بزرگ آل پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں) ـــــــ عالمِ کبیر باوجود وسعت اور تفصیل کے چونکہ ہیئتِ وحدانی نہیں رکھتا لہٰذا بسیط حقیقی کے ظہور کی قابلیت بھی نہیں رکھتا جوکہ نسبتوں اور اعتبارات سے مجرد (خالی) اور شیون وصفات کی تفصیلات سے معرا ہے ـــــــ عالم کبیر کے اجزاء میں سب سے زیادہ بزرگی والا جزء حضرتِ رحمٰن کا عرش ہے جو حضرت ذات مستجمع صفات جل سلطانہ کے انوار کے ظہور کا محل ومقام ہے اور عرشِ مجید کے ماسوا عالمِ کبیر میں جسقدر بھی ظہورات ہیں ان کا ظہور ظلیت کی آمیزش سے خالی نہیں، لہٰذا رب العالمین نے سرّ استویٰ کو اجزائے عالم کبیر کے درمیان عرشِ مجید کے ساتھ مخصوص کردیا ہے جو اُس عالم (عالمِ کبیر) کے اجزا میں سب سے افضل ہے کیونکہ حقیقتاً ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور ذات تعالیٰ کا ظہور نہیں ہے جس کو استویٰ سے تعبیر کیا جائے۔

انوار ظہور: [illegible]

ـــــــ نیز وہ ظہور جو وہاں (عرشِ مجید میں) ہے وہ دائمی ہے اور اس کو کوئی پردہ وپوشیدگی حائل نہیں ہے، اگرچہ آسمانوں وزمین کا نور وہی حق تعالیٰ ہے لیکن وہ نور ظلال کے پردوں سے ملا ہوا ہے اور ظلیت کے توسط کے بغیر ان (آسمان وزمین) میں ظہور نہیں فرمایا۔ اور یہ تمام ظہورات عرش کے ظہور کے انوار سے حاصل کئے گئے ہیں جنھوں نے ظلال میں سے کسی ظل کے پردہ میں محتجب (پوشیدہ ہوکر) ظہور فرمایا ہے ـــــــ جس طرح دریائے محیط سے برتنوں کے ذریعے ہر جگہ پانی لے جایا جاتا ہے اور نفع اٹھایا جاتا ہے، یا جس طرح ایک بڑی مشعل سے چھوٹے چھوٹے چراغوں کو جلاکر اطراف واکناف کو ان چراغوں سے روشن کرتے ہیں۔

شاید کہ آیت کریمہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُہَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ (نور ۲۴ آیت ۳۵)

(اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایک طاق کی مانند ہے جس میں ایک چراغ ہو اور وہ چراغ ایک شیشے میں ہو اور وہ شیشہ گویا ایک چمکدار ستارہ ہے اور اس کو روشن کیا گیا ہے مبارک درخت زیتون کے (تیل) سے، وہ نہ مشرق کی جانب ہے نہ مغرب کی جانب، قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہوجائے اگرچہ اس کو آگ بھی نہ چھوئے (خود بخود جل اٹھے) نورٌ علیٰ نور ہے) میں ان ہی معارف کی طرف اشارہ ہے۔

کیونکہ مذکورہ آیۂ کریمہ میں تمثیل کو اسی لئے اختیار کیا گیا ہے تاکہ اس نور کے ظہور کو ان (آسمان و زمین) میں بے توسط نہ سمجھیں، اور ظل کو اصل کے ساتھ مشتبہ نہ کرلیں، بلکہ نورِ ظل کو نورِ اصل سے مُوقَد (روشن کیا ہوا) اور مقتبس (حاصل کیا ہوا) جانیں۔ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (حوالہ سابقہ) (اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے)۔ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر محمول ہے ——— لیکن ہم اپنے کشف کے مطابق اس کی تاویل بیان کرتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس بزرگ و برتر ذات کی حُسنِ توفیق سے کہتے ہیں:-

اللہ تعالیٰ نور السموات والارض الآیۃ کی کشفی تاویل

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اللہ تعالیٰ نور ہے آسمانوں اور زمین کا)

"نور" اس کو کہتے ہیں جس سے اشیاء (چیزیں) روشن ہوتی ہیں۔ آسمان اور زمین اس ذات تعالیٰ سے روشن ہوئے ہیں کیونکہ وہ سبحانہٗ ہی ان کو عدم کی تاریکیوں سے باہر لایا ہے، اور وجود و توابع وجود کے ظلال کے ساتھ متصف کرکے ان کو منور کیا ہے۔ آسمان اور زمین جو اس کے نور سے روشن ہوئے ہیں مشکوٰۃ (طاق) کے مانند تصور کرنا چاہئے اور اس نور کو چراغ کی طرح جاننا چاہئے جو کہ اس طاق میں امانت کے طور پر رکھا گیا ہے۔ اور (لفظ) مشکوٰۃ پر کافِ تمثیل کا آنا اس بناء پر ہے کہ وہ طاق اس چراغ پر مشتمل ہے اور زجاجہ (سفید و شفاف شیشہ) سے اسماء و صفات کا پردہ ملاحظہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ نور اسماء و صفات کے ساتھ ملا ہوا ہے اور شیون و اعتبارات سے معرا نہیں ہے، اور عز سلطانہا کی صفات کا زجاجہ حسنِ وجوب اور قدمِ جمال کے ساتھ ایک درخشاں ستارہ کی مانند ہے۔ اور وہ چراغ جو اس طاق میں رکھا ہوا ہے وہ زیتون کے مبارک درخت (کے روغن) سے روشن کیا گیا ہے کہ جو جامع ظہور عرشی سے کنایہ ہے کہ "استویٰ" اس ظہور سے ایک رمز و اشارہ ہے، کیونکہ دوسرے ظہورات جن کا تعلق آسمان و زمین سے ہے وہ اس ظہور جامع کے اجزا کی مانند ہیں اور چونکہ وہ ظہور جامع لامکانی اور بے جہت ہے اس لئے اس کو لَا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ (کہ نہ وہ مشرق کی جانب ہے نہ مغرب کی جانب) کہا جاسکتا ہے۔ اور یَكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ (قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہوجائے اگرچہ اس کو آگ بھی نہ چھوئے) میں اس مبارک درخت کی تعریف صفت ماوحہ (وجہ بیان کرنے والی صفت) ہے اور اس درخت کے روغن کی صفائی و درخشندگی کا بیان ہے جس کے ساتھ اس کو تمثیل دی گئی ہے۔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یعنی اس پردۂ زجاجہ نے اپنی صفائی اور درخشندگی کی وجہ سے اس نور کو اور زیادہ (چمکدار) کردیا ہے اور اس کے حسن و جمال میں اضافہ ہوگیا ہے

کیونکہ کمالاتِ صفات، کمالاتِ ذات تعالیٰ و تقدس کے ساتھ جمع ہو چکے ہیں اور صفات کا حُسن ذات تعالیٰ کے حُسن کے ساتھ مل گیا ہے، باوجود نور کی زیادتی اور کمالِ ظہور کے یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے) ـــ ہاں سچ ہے: مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (نور آیت ۴۰) (جس کو اللہ تعالیٰ ہی نور نہ دے اس کے لئے کہیں روشنی نہیں ہے)

یہ ظہورِ جامع جو عرش سے متعلق ہے، تمام مشاہدات، معائنات اور مکاشفات کا منتہا اور تجلیات و ظہورات کی انتہا ہے، خواہ وہ تجلیٔ ذات ہو یا تجلیٔ صفات۔ اس کے بعد یہ معاملہ جہل کے ساتھ قرار پذیر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس میں سے تھوڑا سا حصہ انشاء اللہ تعالیٰ بیان کیا جائے گا۔

اور یہ ظہورِ جامع اگرچہ صفات کے ساتھ ملا ہوا ہے لیکن صفات اس مقام میں ذات کے لئے حجاب نہیں ہیں، صفات کا ذات تعالیٰ و تقدس کے لئے حجاب ہونا ظہوراتِ ظلیہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ ظہوراتِ ظلیہ مرتبۂ علم میں ہیں اور ظہورِ اصل مقامِ عین میں ہے اور علم میں صفات ذات کا حجاب ہیں نہ کہ عین میں ـــ کیا تم نہیں دیکھتے کہ زید کو جب مرتبۂ علم میں تعقل و تصور کرو تو اس کا ظہور علم میں صفات کے ساتھ ہوگا۔ مثلاً یہ کہ وہ دراز قد ہے یا کوتاہ، عالم ہے یا جاہل، چھوٹا ہے یا بڑا، شاعر ہے یا کاتب۔ یہ تمام صفات جن کا تم تعقل و تصور کرو اس (زید) کی ذات کا حجاب ہوں گے اور یہ تمام تقییداتِ کُلّیہ اس شخص کے تعین کے لئے مقیدنہ ہوں گی۔ لیکن وہی زید جب چہرہ کو علم سے عین کی طرف پہنچاتا ہے اور صفات کے باوجود مشاہدہ میں آجاتا ہے تو معاملہ ظلیت سے اصالت میں قرار پا لیتا ہے کیونکہ زید کی علمی صورت خارج میں موجود زید کے لئے ظل کی مانند ہے جو اس کی اصل ہے، یہاں صفات اس کی ذات کے لئے حجاب نہیں ہوں گی اور وہ شخص صفات کا جامع محسوس ہوگا۔ ـــ اسی طرح حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی صفات مراتبِ ظلال اور مثال کی تصویروں میں جدا جدا دکھائی دیتی ہیں، اور جب اصل کے ساتھ وصول میسر ہو جائے گا تو صفات کو ذات تعالیٰ سے جدا نہیں پائیں گے اور ذات کا شہود صفات کے شہود سے جدا نہیں (محسوس) ہوگا۔ (جو حضرات) صفات کی تجلی کو ذات کی تجلی سے جدا خیال کرتے ہیں اور افعال کی تجلی کو علیحدہ سمجھتے ہیں، یہ سب ظلال کے مقامات کی باتیں ہیں، اصل کے ساتھ وصول کے بعد صرف ایک ہی تجلی ہے جو تینوں تجلیات کو متضمن ہے ـــ مثلاً کوئی شخص جب زید کو دیکھتا ہے تو اس کی ذات کا شہود

اس کی صفات کے شہود سے جدا نہیں دیکھتا بلکہ جس وقت بھی زید کو دیکھتا ہے اس کو زمع اس کی صفات کے پاتا ہے یعنی) عالم و فاضل پاتا ہے۔ جس طرح علم و فضل اس کے دیکھنے کا حجاب نہیں ہیں اسی طرح اس سے جدا بھی نہیں ہیں ——— ہاں اگر زید کا عقلی تصور کریں اور ظلی صورتوں کے ساتھ اس کا ادراک کریں تو (اس صورت میں) صفات کو اس کی ذات سے الگ پائیں گے اور صفات اس کی ذات کے لئے حجاب بن جائیں گی۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ آخرت میں ذات مستجمع صفات تعالیٰ و تقدس کا شہود ہے نہ کہ اسماء و صفات سے معرا ذات کا جو محض اعتبار ہے، کیونکہ ذات ہرگز صفات سے خالی نہیں اور صفات بھی ہرگز ذات سے جدا نہیں ہو سکتیں (یعنی لازم و ملزوم ہیں) ——— تجرد اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ جب عارف کامل کو ذات تعالیٰ و تقدس کی گرفتاری کا غلبہ ہو جاتا ہے تو اسماء و صفات کا ملاحظہ اس کی نظر سے ساقط ہو جاتا ہے اور ذات احدیت تعالیٰ کے سوا کچھ مشہود نہیں رہتا۔ لہذا ذات تعالیٰ و تقدس کا صفات سے خالی ہونا عارف کی نظر کے اعتبار سے ہے نہ کہ خارج میں اور نفس الامر کے اعتبار سے، جیسا کہ اس کی تحقیق انشاء اللہ تعالیٰ جلد آئے گی۔

اور اسی طرح یہ ظہورِ جامع تصویراتِ مثالی کا منتہا ہے اس کے بعد جس کمال کا ظہور ہوتا ہے مثال کے آئینے میں اس کی تصویر نہیں پا سکتے، کیونکہ مثال میں اس امر کی تصویر ظاہر کی جاتی ہے جو کہ خارج میں مشابہت و مناسبت رکھتا ہو، اگرچہ وہ مشابہت اسم ہی میں ہو۔ اور وہ امر جو خارج میں کسی چیز کے ساتھ کسی طرح بھی مشابہت نہیں رکھتا مثال میں اس کی تصویر محال ہے۔ اور اس (ظہورِ عرشی) سے اوپر کے کمالات کا تعلق اسی قسم سے ہے کہ کوئی چیز بھی کسی وجہ سے ان کے مشابہ نہیں ہے تاکہ مثال کے طور پر ان کی تصویر پیش کی جا سکے ——— یہی وجہ ہے کہ اس مقام میں ہر وقت جہل و حیرت دامنگیر ہے اور ادراک کا نشان ہے ——— ہر چند اس جہان میں اس مقام کے بارے میں یافت کے علم کے ساتھ سوائے جہل کے دوسرا کوئی امر حاصل نہیں ہے لیکن امید ہے کہ آخرت میں ایسی قوت بخشیں گے اور ایسا دل عطا فرمائیں گے کہ وہ نور کے غلبہ سے لا شے نہیں ہوگا اور حقیقتِ معاملہ سے آگاہ ہو جائے گا ؎

تو مرا دل دہ و دلیری بیں ـــ روبۂ خویش خواں و شیری بیں

(دل تو دے پھر مری دلیری دیکھ ـــ لومڑی ہی بتا کے شیری دیکھ)

آگاہ ہو کہ فوقِ عرش کا ظہور تم کو اس وہم میں مبتلا نہ کردے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ عرش کے اوپر قرار پائے ہوئے ہے اور مکان اور جہت اس کے لئے ثابت ہے: تَعَالیٰ عَنْ ذٰلِکَ وَعَمَّا لَا یَلِیْقُ بِجَنَابِ قُدْسِہٖ تَعَالیٰ (اللہ تعالیٰ کی پاک جناب ایسی باتوں سے جو اس کے لائق نہیں بہت بلند و بالا ہے) ——— آئینے میں زید کی صورت ظاہر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ زید آئینے میں قرار پذیر ہے بے عقل لوگ اسی کا گمان کرتے ہیں۔ وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اعلیٰ مثال اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے) ——— مومن حضرات آخرت میں بہشت کے اندر حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے، حالانکہ بہشت اور غیر بہشت حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی نسبت سے برابر ہے اور تمام چیزیں اسی بزرگ و برتر کی مخلوق ہیں ——— اور وہ تجلی جو کوہِ طور پر واقع ہوئی تھی حالیت (سرایت کرنا) اور محلیت (محلول و نزول کی جگہ) کا شائبہ تک نہیں رکھتی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بعض مقامات ظہور کی قابلیت رکھتے ہیں اور بعض مقامات اس کی قابلیت نہیں رکھتے۔ چنانچہ آئینہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے اور گھوڑوں کے نعل میں یہ قابلیت نہیں ہے اگرچہ دونوں لوہے سے بنے ہوئے ہیں لہٰذا فرق مظہر (محلِ ظہور) میں ہے نہ کہ ظاہر میں۔ ظاہر کی نسبت سے تمام مظاہر برابر ہیں قابل ہوں یا نا قابل۔ اور ایسے ہی وہ الفاظ جن سے کلیت اور جزئیت کا وہم پایا جاتا ہے، یا حالیت و محلولیت ان سے مفہوم ہوتا ہے اور وہ ظاہر سے پھرے ہوئے ہیں اور اس جناب قدس تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہیں البتہ تنگیٔ عبارت کی وجہ سے یہ الفاظ اختیار کئے گئے ہیں ؎

ایں قاعدہ یاد دار کانجا خدا ست نے جزو نہ کُل و نہ ظرف نے مظروف است

(یہ بات یاد رکھ کہ جہاں ہے خدائے پاک جزو و کل و نہ ظرف نہ مظروف کی ہے بات)

اور چونکہ انسان کا قلب عالمِ صغیر کا عرش ہے اور عالمِ کبیر کے عرش کے متشابہ ہے لہٰذا وہ تجلی جو وہاں ہے تو ظلیت کے شائبہ کے بغیر ہے اسی طرح کی تجلی ظلیت کے شائبہ کے بغیر دل کا حصہ ہے۔ اگرچہ آسمانوں اور زمین کو بھی وہی تجلی پہنچتی ہے لیکن وہ ظلال میں سے کسی ظل کے پردے میں ہے مگر قلب جو عرش کے مانند ظلیت کے شائبہ سے مبرا ہے، اگرچہ صغیر و کبیر میں ظہور کے اعتبار سے فرق ہے۔ ع

بقدرِ آئینہ حُسنِ تو می نماید رُو (آئینہ جیسا ہے چہرہ ویسا ہے)

لہذا عرش مجید کے بعد وہ تجلّی ظلیت کے شائبہ کے بغیر انسانِ کامل کے قلب کا حصہ ہے اور دوسروں کے لئے ظلیت دامنگیر ہے ــــــــــ جاننا چاہئے کہ ظہورِ عرشی اگرچہ ظلیت کے شائبہ سے مبرا ہے لیکن اس جگہ صفات، ذاتِ تعالیٰ وتقدس کے ساتھ ممتزج یعنی ملی ہوئی ہیں اور شیون واعتبارات اس ذات تعالیٰ میں ثابت ہیں۔ اگرچہ صفات وشیونات اس مرتبہ میں ذات کیلئے حجاب نہیں ہیں لیکن دید ودانش میں مشترک ہیں اور محبت وگرفتاری میں بھی شریک ہیں۔ احدیتِ مجردہ تعالیٰ وتقدس کی محبت کے گرفتار کسی چیز کی شرکت پر راضی نہیں ہیں، اور آیۂ کریمہ کے حکم کے مطابق اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (زمر آیت ۳) (آگاہ رہو! خالص دین (عبادت) صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے) خالص عبادت کے خواہاں ہیں۔

صفات کا شریک نہ کرنا درجات کے تفاوت کے مطابق انسان کی ہیئتِ وحدانی کا حصہ ہے اور ہیئتِ وحدانی کا حصہ انسان کا قلب ہے اور جزوِ ارضی کا حصہ انسان ہے، اوران سب کے اوپر انسان کی وہ ہیئتِ وحدانی ہے جو اس کی جزوِ ارضی کے رنگ میں باہر آئی ہے اور اس کا حکم اختیار کرلیا ہے مختصر یہ کہ اس معاملہ میں عمدہ اور بہتر حصہ جزوِ ارضی ہے اور دوسرے امور تحسین وخوبی کے مانند ہیں۔
ــــــــــ انسان میں دو چیزیں ایسی ہیں جو عرش میں نہیں ہیں اور نہ ہی عالمِ کبیر کو اس کا کچھ حصہ ملا (ان میں سے ایک) انسان میں "جزوِ ارضی" ہے جو عرش میں نہیں ہے اور (دوسری) "ہیئتِ وحدانی" ہے جو عالمِ کبیر میں نہیں ہے۔ اور وہ شعور جس کا تعلق ہیئتِ وحدانی سے ہے "نورٌ علیٰ نور" ہے۔ جو عالمِ صغر (قلبِ انسانی) کے ساتھ مخصوص ہے، لہذا انسان ایک عجوبۂ (روزگار) ہے کہ جس نے "خلافت" (خلیفۃ اللہ) کی لیاقت پیدا کرلی ہے اور "بارِ امانت" کو اٹھالیا ہے ــــــــــ انسان کی عجیب وغریب خصوصیات سے متعلق غور سے سنو! کہ اس کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ حضرتِ احدیتِ مجردہ کے آئینہ بننے کی قابلیت پیدا کرلیتا ہے اور صفات وشیونات کی آمیزش کے بغیر ہی ذاتِ احد تعالیٰ شانہٗ کا مظہر بن جاتا ہے۔ حالانکہ حضرت ذات تعالیٰ وتقدس ہمہ وقت اپنی صفات وشیونات کی جامع ہے اور صفات وشیونات کسی وقت بھی ذات تعالیٰ سے جدا نہیں ہیں۔ ــــــــــ اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب انسانِ کامل ذاتِ احدیت تعالیٰ وتقدس کے ماسوی کی گرفتاری سے آزاد ہو کر ذاتِ احد جل سلطانہٗ کے ساتھ گرفتاری حاصل کرلیتا ہے اور صفات وشیونات میں سے اس کو کچھ بھی ملحوظ، منظور،

مقصود اور مطلوب نہیں رہتا تو بحکم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) اس کو حضرت احدیتِ مجردہ کے ساتھ ایک قسم کا مجہول الکیفیت اتصال پیدا ہو جاتا ہے، اور وہ تعلق جو اس کو ذاتِ احد جل سلطانہ کے ساتھ حاصل ہو گیا تھا سببِ بے چون (بے مثل) کے قرب کی نسبت بے چون ذات کے ساتھ اس میں اثبات کر لیتی ہے، اس وقت "انسانِ کامل" ذاتِ احد کا آئینہ بن جاتا ہے۔ اس حیثیت سے کہ صفات و شیونات اس میں کچھ بھی مشہود و مرئی نہیں ہوتیں بلکہ احدیتِ مجردہ تعالت و تقدست اس میں ظاہر اور متجلی ہو جاتی ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم ـــــ

ـــــ وہ ذات جو صفات سے ہر گز جدا نہ تھی اس "انسانِ کامل" کے آئینے میں بحیثیتِ تجرد ظاہر اور متجلی ہو گئی اور حُسنِ ذاتی، حسنِ صفاتی سے متمیز اور جدا ہو گیا۔ اس طرح کی آئینہ داری و مظہریت انسانِ کامل کے علاوہ کسی کو بھی میسر نہیں ہوئی اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس، صفات و شیونات کی آمیزش کے بغیر انسان کے علاوہ کسی چیز میں بھی جلوہ گر نہیں ہوا ـــــ عرشِ مجید، عالمِ کبیر میں حضرتِ ذات مستجمع صفات تعالیٰ و تقدس کی صفات کا مظہر ہے اور انسانِ کامل عالمِ صغیر میں مظہر ذاتِ احد ہے جو اعتبارات سے مجرد ہے۔ یہ آئینہ داری (یعنی مظہر بننا) انسان کی عجیب و غریب (باتوں میں سے) ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُعْطِيْ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَاهُ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعَهُ (اور اللہ سبحانہ عطا کرنے والا ہے اور جس کو وہ عطا کرے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ (اللہ تعالیٰ) روک لے اس کو کوئی عطا نہیں کر سکتا) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ الْعُلٰی

(حضرت مجددؒ نے) برادرِ حقیقی معارف آگاہی میاں غلام محمد[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ

اس بیان میں کہ فرشتہ اگرچہ اصل کو مشاہدہ کرتا ہے اور انسان کا شہود انفس کے آئینے میں ہے لیکن اس دولتِ (شہود) کو انسان کے اندر حرز کے مانند بنا کر اس کے ساتھ اس کو بقا بخشی گئی ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

---

[1] آپ حضرت مجددؒ کے چھوٹے بھائی ہیں اور آپ کے نام دو مکتوب ہیں ایک یہی دوسرا دفتر اول مکتوب ۲۸۷ جو گذر چکا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــــ ملائکہ کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام اصل کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اصل ہی کی طرف متوجہ ہیں اور اصل ہی کے ساتھ گرفتاری رکھتے ہیں، اور شائبہ ظلیت ان کے حق میں مفقود ہے۔ اس دنیا میں ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ بیچارہ انسان ظلیت کے دائرہ سے باہر قدم نکال سکے اور آفاق و انفس کے آئینے کے توسط کے بغیر شہودِ دائمی پیدا کر سکے ــــ اصل کے ساتھ وصول کے بعد اصل کے انوار کے غلبہ کا پرتو اس کے قلب کے آئینے میں جلوہ گر کر کے اس کو عالم کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور ناقصوں کی تربیت اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس رجوع میں اس کی بھی تربیت ہو جاتی ہے اور دوسروں کی بھی۔ کیونکہ اصل کے انوار کا پرتو (انسان میں) جزو کی حیثیت رکھتا ہے تو اس رجوع کی مدت میں وہ دوسرے اجزاء کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے اور اپنے رنگ سے (دوسروں کو بھی) رنگین بنا دیتا ہے۔ چنانچہ (اب وہ) دوسروں کو نقص سے کمال کی طرف لاتا ہے اور غیب سے شہود کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

ــــــ اور جب دعوت و رجوع کی مدت مکمل ہو جاتی ہے اور اس کی کتابِ زندگی میعادِ معین تک پہنچ جاتی ہے تو اصل کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور "رفیقِ اعلیٰ" کی ندا اس کی طبیعت سے بلند ہوتی ہے اور پراگندہ تعلقات سے خلاصی پا کر اپنا سامان غیب سے شہادت کی طرف لے جاتا ہے اور معاملہ گوش سے آغوش تک آجاتا ہے۔ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ (موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے)۔ اس وقت صادق آتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ فرشتہ اگرچہ اصل کا مشاہدہ کرتا ہے اور انسان کا شہود انفس کے آئینے میں ہے لیکن اس (شہود دوراُت کی) دولت کو انسان میں جزو کی طرح بنایا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کو بقا بخشی گئی ہے اور اسی کے ساتھ اس کو متحقق کیا گیا ہے، بخلاف فرشتے کے کہ اس میں اس دولت کو جزو کی طرح نہیں رکھا گیا، وہ باہر ہی باہر سے نظارہ کرتا ہے اور اس کو اصل کے ساتھ کوئی بقا اور تحقق حاصل نہیں ہوتا ــــــ اصل کے ساتھ رنگین ہونا جو انسان کو میسر ہوا ہے فرشتہ کو حاصل نہیں، اور وہ خصوصیت جو زمین والوں کو حاصل ہوئی ہے قدسیوں کو حاصل نہیں کیونکہ اندر سے باہر تک میں بہت بڑا فرق ہے۔ اگرچہ اندرونی دولت جزء کے مشابہ ہوتی ہے اور بیرونی دولت

کُل کی طرح، لیکن اندر اندر ہے اور باہر باہر ہے، کَلَامُنَا اِشَارَۃٌ وَبَشَارَۃٌ (ہمارا کلام اشارہ اور بشارت ہے)
لہٰذا خواصِ بشر (انبیاءؑ) خواصِ مَلَک (فرشتہ) سے افضل ہو گئے، اور ان (خواصِ ملک) کے ہوتے ہوئے
(خواصِ بشر نے) خلافت کا استحقاق پیدا کر لیا ہے: وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰہُ
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) (بقرہ ۲ آیت ۱۰۵)

> زمیں زادہ بر آسماں تاختہ  زمین و زماں را پس انداختہ
>
> (زمین و زماں کو پسِ پشت رکھ کر  زمیں والے عرشِ معلی پہ پہنچے)

اور یہ دولت انسان کو جزوِ ارضی کے واسطے سے میسر ہوئی ہے، اور قلب جو عرش اللہ ہو گیا ہے
وہ اسی عنصرِ خاکی کی بدولت ہے کہ جامعِ کُل ہے اور دائرۂ امکان کا مرکز ہے۔ ہاں زمین کو اس کی پستی
اور عاجزی کے باعث یہ تمام بلندی اور رفعت حاصل ہوئی ہے اور اس کی عاجزی نے اس کو سربلند
کر دیا ہے: مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ رَفَعَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ (جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع (عاجزی)
اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتا ہے) ——— اور جب انسان (کامل) رجوع و دعوت
کی مدت مکمل ہونے پر اصلی رنگ میں رنگین ہو جانے کے بعد اصل کی طرف رجوع کرتا ہے اور جنابِ
قدس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کو جو مخصوص ارتباط اور انبساط میسر ہوتا ہے یقیناً دوسرے کو
میسر نہیں ہو سکتا، اور جو قرب و منزلت اس کو حاصل ہوتا ہے کسی دوسرے کو نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اصل
میں فانی ہو چکا ہے نیز اصل کے ساتھ بقا پیدا کر کے اصل کے رنگ میں رنگین ہو گیا ہے، دوسرے کی
کیا مجال کہ اس کی برابری کر سکے، اگرچہ دوسروں کا انصباغ (رنگین ہو جانا) تجرد اور تنزیہ کے اعتبار سے
کامل اور اتم ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ باہر سے آیا ہوا ہوتا ہے اس لئے عارضی (رنگ) کا حکم رکھتا ہے
اور چونکہ انسان کا رنگین ہونا اندرونی ہے اس لئے ذاتی کا حکم رکھتا ہے (ان دونوں میں بڑا فرق ہے)
یہ کمال انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ، علیہم اجمعین کے ساتھ مخصوص ہے کہ خواصِ بشر سے
یہی حضرات مراد ہیں۔ علاوہ ازیں وراثت اور تبعیت کے طور پر جس کو چاہیں اس دولتِ عظمیٰ سے مشرف کر دیں۔
——— انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے اصحاب میں زیادہ تر یہ دولت ان کی صحبت کی
برکت سے پائی جاتی تھی اور اصحابِ کرام کے علاوہ جس کسی کو بھی اس دولت سے نوازتے ہیں وہ اگرچہ
قلیل ہیں بلکہ بہت ہی قلیل ہیں ؎

اگر بادشہ بر در پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

(اگر بادشہ آئے بڑھیا کے گھر تو اے خواجہ بالکل تعجب نہ کر)

رَبَّنَآ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (تحریم آیۃ ۸) (اے ہمارے رب ہم کو اپنا نور پورا پورا عطا فرما اور ہم کو بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے) بِحُرۡمَةِ سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ عَلَیۡهِ وَعَلَیۡهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ وَالتَّسۡلِیۡمَاتُ اَکۡمَلُهَا وَاَتَمُّهَا۔

# مکتوب ۱۳ سیزدہم

مرزا شمس الدین[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ ان کے مکتوب کے جواب میں اور اس بیان میں کہ علمائے ظواہر نصیب کیا ہے اور صوفیۂ عالیہ کا کیا حصہ ہے اور علمائے راسخین جو کہ انبیاءؑ کے وارث ہیں ان کا نصیب کیا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ صحیفۂ شریفہ جو آپ نے از روئے کرم صادر فرمایا تھا اخوی اعزی شیخ محمد طاہر کے ذریعے پہنچ کر باعث مسرت ہوا (اس میں) تحریر تھا کہ "زمانۂ ملاقات حاصل ہونے تک ایسے مکتوبات سے جو نصائح پر مشتمل ہوں یاد فرماتے رہیں" ــــــ میرے مخدوم و مکرم! اَلنَّصِیۡحَةُ هِیَ الدِّیۡنُ وَمُتَابَعَةُ سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ عَلَیۡهِ وَعَلَیۡهِمۡ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفۡضَلُهَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَکۡمَلُهَا (سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ دین پر چلو اور حضرت سید المرسلین علیہ و علیہم من الصلوات افضلہا و من التحیات اکملہا کی متابعت اختیار کرو) ــــــ تصحیح عقائد کے بعد (سید المرسلین کے) دین اور (آپ کی) متابعت سے علمائے ظواہر کا حصہ شرائع و احکام کا علم (حاصل کرنا) اور اس علم کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنا ہے ــــــ اور "صوفیۂ عالیہ" کا نصیب (حصہ) یہ ہے کہ جو کچھ علماء کو حاصل ہے وہ بھی اور اس کے علاوہ احوال و مواجید اور علوم و معارف سے بھی حصہ پاتے ہیں ــــــ اور علمائے راسخین جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے وارث ہیں ان کا حصہ یہ ہے کہ علمائے ظواہر کو (علم و عمل سے) جو کچھ حاصل ہے اور صوفیہ جن علوم و معارف سے ممتاز ہیں اور ان اسرار و دقائق سے جن کی نسبت متشابہات قرآنی میں رمز و اشارے موجود ہیں اور تاویل کے طور پر ان کو درج کیا جا چکا ہے۔ یہی (علمائے راسخین)

[1] آپ کے نام دو مکتوب ہیں ایک یہی اور دوسرا دفتر دوم مکتوب ۵۰ ہے۔ باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔

حضرات متابعت میں کامل اور وراثت میں متحقق ہیں۔ لہذا یہ (علمائے راسخین) ہی تبعیت اور وراثت کے طور پر انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی دولتِ خاص میں شریک ہیں اور بارگاہِ (الٰہی) کے محرم راز ہیں۔ اسی لئے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی مانند ہیں) کی کرامت کے شرف سے مشرف ہو گئے ـــــــ لہذا آپ کو بھی لازم ہے کہ سید المرسلین حبیبِ رب العالمین علیہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین واہل الطاعۃ اجمعین الصلوات و التحیات کی متابعت علم و عمل میں اور حال و وجد کے طور پر بجا لائیں تاکہ اس وراثت کے حصل ہونے کا وسیلہ ہے کیونکہ یہ نہایت اعلیٰ درجے کی سعادت ہے۔

## مکتوب ۱۴ (چہار دہم)
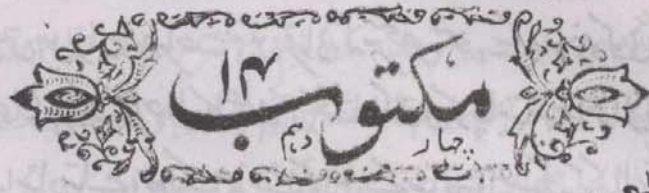
مولانا احمد برکی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ ان کے سوال کے جواب میں کہ صاحبِ منصب کو اپنے منصب کا علم ہوتا ہے یا نہیں اور دیگر یہ کہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا مقام ابھی تک مجھے حاصل نہیں ہوا اور نہ ہی اپنے احوال پر مطلع ہو سکا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

آپ کے دو مبارک مکتوب پے درپے موصول ہوئے جن میں عزیزوں کے انتقال پر تعزیت نامے تحریر تھے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (بقرہ آیت ۱۵۶) (ہم اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) احباب اور دوستوں سے فرما دیں کہ ستر ستر ہزار بار کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ کر فرزند مرحوم خواجہ محمد صادقؒ کی روح اور اس کی ہمشیرہ مرحومہ ام کلثوم کی روح کو بخشیں۔ یعنی ستر ہزار بار پڑھنے کا ثواب ایک کی روح کو بخشیں اور ستر ہزار بار کا ثواب دوسرے کی روح کو بخشیں اور دوستوں سے دعا و فاتحہ مسئول و مطلوب ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ مکتوبات میں درج ہے کہ "صاحبِ منصب کو اپنے منصب کا علم ہوتا ہے"۔ میرے مخدوم! قطب الاقطاب صاحبِ علم ہوتا ہے، اور مختلف جگہوں کے اقطاب اس کے اجزاء اور ہاتھ پاؤں کے مانند ہیں۔ بعض کو اپنے قطبِ مدار ہونے کا علم ہوتا ہے اور بعض کو نہیں ہوتا ـــــــ

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳۹ میں درج ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ ابھی تک حاصل نہیں ہوا۔ کیا کیا جائے کہ آپ بہت کم صحبت میں رہے ہیں اور اتنا وقت بھی نہیں ٹھہر سکے کہ آپ کو آپ کے بعض حاصل شدہ احوال کی اطلاع دی جاتی، میں اس وقت بھی ہندوستان میں (بیٹھا ہوا) آپ کی فنا و بقا کا مشاہدہ (بنظرِ کشفی) کر رہا ہوں۔ اور یہ دونوں کمال جن کا آپ نے ذکر کیا ہے آپ کے اندر محسوس کرتا ہوں اور آپ اس (فنا و بقا کے) حصول کا انکار کرتے ہیں۔ دور دراز کی مسافت درمیان میں حائل ہے جب تک ظاہری ملاقات میسر نہ ہو آپ کے مخفی احوال کی اطلاع مشکل ہے۔

مشائخ نے فنا و بقا کے بارے میں بہت سی باتیں کہی ہیں جو سب کی سب رمز و اشارے میں ہیں (ایسی صراحت نہیں فرمائی کہ ہر شخص سمجھ سکے) از خود کوئی کیا سمجھے۔ اور حضرتِ حق سبحانہٗ ہر ایک کو احوال کا علم نہیں بخشتا بلکہ جس کو چاہتا ہے احوال کا علم عطا فرماتا ہے اور اس کو پیشوا بنا دیتا ہے، پھر ایک جماعت کو اس کے ساتھ وابستہ کر کے کمال و تکمیل کے مرتبہ تک پہنچا دیتا ہے۔ ع

خاص کند بندۂ مصلحت عام را (عام کی مصلحت اک خاص سے)

کاش کہ شیخ حسن کو چند روز اور اپنے پاس رکھ کر اس کے بعض احوال کی اطلاع دے کر ہم آپ کی خدمت میں بھیج سکتے۔ آپ کا آنا تو مشکل ہے اگر آپ کے ہدایت یافتہ اور قابل دوستوں میں سے کوئی یہاں آ جائے اور چند روز قیام کرے اور وہ بات سمجھنے کی فہم بھی رکھتا ہو تو کتنا اچھا ہے تاکہ ضروری باتیں اس پر ظاہر کر دی جائیں۔ مقصود یہ ہے کہ احوال حاصل ہو جائیں، اور احوال پر مطلع ہونا امر دیگر ہے۔ والباقی عند التلاقی ان شاء اللہ تعالیٰ باقی بوقت ملاقات۔ والسلام

ایک ضروری نصیحت یہ ہے کہ درس و تدریس کے علوم میں کسی طرح کوتاہی نہ کریں، (اگر آپ تمام دن درس میں مشغول رہیں تو کوئی حرج نہیں)۔ ذکر و فکر کی ہوس نہ کریں کیونکہ رات کی ساعتیں ذکر و فکر کے لئے بڑی فراخ ہیں ـــــ شیخ حسن کو بھی سبق دیتے رہیں اور بیکار نہ چھوڑیں۔ چونکہ ان کے علاقے میں علم بہت کم ہے اس لئے وہاں علومِ شرعیہ کے احیا میں زیادہ مبالغہ کیا جائے، زیادہ کیا لکھا جائے۔

خواجہ اویس کے وقائع (مکشوفات) کے اوراق موصول ہوئے۔ اکثر جگہ نظر ڈالی گئی تمام مبشرات ہیں حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے امید وار ہیں کہ وہ قوت سے فعل میں آ جائیں۔ والسلام

# مکتوب ۱۵ پانزدہم

قصبہ سامانہ کے ساداتِ عظام، قاضی صاحبان، باشندگان اور نامور بزرگوں کی طرف صادر فرمایا اس جگہ کے خطیب کی مذمت میں جس نے عید قرباں (کے خطبہ) میں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذکر کو ترک کر دیا تھا اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— شہر سامانہ کے خدام ذی احترام ساداتِ عظام، قاضیوں اور معزز حضرات کو تکلیف دینے کا باعث یہ ہے کہ سننے میں آیا ہے کہ وہاں کے خطیب نے عیدِ قرباں کے خطبہ میں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذکر کو ترک کر دیا ہے اور ان کے مبارک ناموں کو نہیں پڑھا ـــ اور یہ بھی سُنا گیا ہے کہ جب ایک جماعت نے اس بارے میں اس (خطیب) پر اعتراض کیا تو بجائے اس کے کہ وہ اپنے سہو و نسیان کا عذر کرتا سرکشی کے ساتھ پیش آیا اور کہنے لگا کہ اگر خلفائے راشدین کے ناموں کا ذکر نہیں کیا تو کیا ہوا ـــ اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ وہاں کے اکابر اور معزز لوگوں نے اس بارے میں بہت سستی اختیار کی اور اس بے انصاف خطیب کے ساتھ سختی اور درشتی سے پیش نہیں آئے۔

ع وائے نہ یکبار کہ صد بار وائے (اک بار نہیں، سو بار افسوس)

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ذکر اگرچہ خطبہ کی شرائط میں سے نہیں ہے لیکن اہلِ سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے شعائر میں ضرور ہے سوائے اس شخص کے جس کا دل بیمار ہو اور باطن پلید ہو اور کوئی شخص دانستہ اور سرکشی کے طور پر ان کے ذکر کو ترک نہیں کرے گا ——— اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ اس نے تعصب اور بغض و دشمنی سے ترک نہیں کیا لیکن وہ حدیث مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ (جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ اسی میں شمار ہوگا) کا کیا جواب دے گا ـــ اور حدیث اِتَّقُوْا مِنْ مَّوَاضِعِ التُّھَمِ (تہمت کے مواقع سے بچو) کے موافق تہمت کے مواقع سے کس طرح چھٹکارا پائے گا ——— اور اگر اس کو شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تقدیم و تفضیل میں توقف ہے تو وہ اہلِ سنت کے طریقے سے روگردانی کرنے والا ہے ـــ اور اگر وہ

حضرات ختنین (حضرت عثمان وحضرت علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی محبت میں تردد کرتا ہے تب بھی وہ اہلِ حق سے خارج ہے۔ عجب نہیں کہ اس بے خفیفت (خطیب) نے جو کشمیری ہونے کی طرف منسوب ہے، اس خباثت وپلیدی کو کشمیر کے بدعتیوں (رافضیوں) سے اخذ کیا ہو ــــــ اس کو سمجھانا چاہئے کہ حضرات شیخین کی فضیلت صحابہ وتابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے چنانچہ اس اجماع کو ائمہ کرامؒ کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے جس میں ایک امام شافعی رح ہیں ــــــ اور شیخ ابو الحسن شعریؒ نے فرمایا کہ "حضرت ابو بکرؓ پھر حضرت عمرؓ کی افضلیت باقی تمام امت پر قطعی اور یقینی ہے۔ اور امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اپنے دار الخلافت میں اپنے تابعداروں کے جمِ غفیر کے درمیان اس حقیقت کا اظہار فرمایا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تمام امت سے افضل ہیں ــــــ پھر (امام ذہبیؒ نے کہا کہ) اس حدیث کو اسّی سے زیادہ راویوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور ان میں سے ایک جماعت کے نام بھی ذکر کئے ہیں۔ پھر انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رافضیوں کا بُرا کرے یہ کسقدر جاہل ہیں۔ ــــــ اور امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں جو کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں میں سب سے بہتر ابو بکرؓ ہیں پھر عمرؓ پھر ایک اور شخص"۔ تو ان کے صاحبزادے محمد بن حنیفہ نے عرض کیا کہ "پھر آپ"۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں ــــــ حضرت علیؓ اور آپ کے علاوہ دوسرے اکابر صحابہ اور تابعین سے اس قسم کی بہت اور مشہور روایتیں موجود ہیں جن سے سوائے جاہل یا متعصب کے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

اس بے انصاف خطیب سے کہنا چاہئے کہ ہم کو حضرت پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے تمام اصحاب کے ساتھ محبت رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنے اور ایذا رسانی سے منع کیا گیا ہے۔ اور حضرات ختنین (حضرت عثمانؓ وعلیؓ) اکابر صحابہ میں سے ہیں اور آں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اہلِ قرابت میں سے ہیں اس لئے ان کے ساتھ محبت ومودت رکھنا اور زیادہ ضروری ہے ــــــ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُل لَّآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا ٱلْمَوَدَّةَ فِى ٱلْقُرْبَىٰ (شوریٰ آیت ۲۳ ۴۲) (آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے (تبلیغ دین پر) کوئی اجرت طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ قرابت میں

دوستی (چاہتا ہوں) ــــــــــ اور آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ وَمَنْ آذَاھُمْ فَقَدْ آذَانِیْ وَمَنْ آذَانِیْ فَقَدْ آذَی اللّٰہَ وَمَنْ آذَی اللّٰہَ فَیُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ (ترمذی شریف) (اللہ اللہ! میرے اصحاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرے بعد اُن کو (طعن و تشنیع کا) نشانۂ ملامت نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت کی اس نے میرے ساتھ محبت کی بنا پر ان سے محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی کی اس نے میرے ساتھ دشمنی کی بنا پر ان سے دشمنی کی اور جس نے ان کو تکلیف پہنچائی بیشک اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی بیشک اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دینی چاہی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دینی چاہی قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ مواخذہ کرے)۔

معلوم نہیں کہ اس قسم کا بدبودار پھول ابتدائے اسلام سے اس وقت تک ہندوستان میں کہیں کھلا ہو، ہو سکتا ہے کہ اس وجہ سے تمام شہر (سامانہ) متہم ہو جائے بلکہ ہندوستان سے اعتماد زائل ہو جائے ــــــــ سلطانِ وقت (جہانگیر) نَصَرَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی اَعْدَاءِ الْاِسْلَامِ (اللہ سبحانہٗ اس کو دشمنانِ اسلام پر فتح و نصرت عطا کرے) جو کہ اہلِ سنت میں سے ہے اور حنفی مذہب رکھتا ہے اس کے زمانے میں اس قسم کی بدعت کا ظاہر ہونا جرأت کی انتہا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سلطان کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے اور اولی الامر کی اطاعت سے نکلنے والی بات ہے ــــــــ تعجب ہے کہ وہاں کے بڑے بڑے مخدوم صاحبان اس واقعہ میں اپنے آپ کو (بازپرس سے) معاف سمجھتے ہیں اور تساہل سے کام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کی مذمت میں ارشاد فرماتا ہے:ــــــــ

لَوْلَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِھِمُ الْاِثْمَ وَاَکْلِھِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ (مائدہ آیت ۶۳) (مشائخ اور علماء ان (لوگوں) کو گناہ کی باتوں سے اور حرام (رشوت اور سود) کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے، بہت ہی بُرے عمل ہیں جو وہ کر رہے ہیں) ــــ اور دوسری آیت میں ارشاد ہے: کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ (مائدہ آیت ۷۹) (یہ لوگ) ایک دوسرے کو برا فعل کرنے سے منع نہ کرتے تھے کیا ہی بُرا کام ہے جو کرتے تھے)۔

اس قسم کے واقعات سے غفلت اختیار کرنا بدعتیوں کو دلیر کرنا ہے اور دین رخنہ پیدا کرنا ہے یہ سستی اور غفلت ہی کا نتیجہ ہے کہ وہاں کی جماعتِ مہدویہ[1] برملا اہلِ حق کو اپنے باطل مسلک کی

[1] یعنی سید محمد جونپوری کے تابعدار جو ملک دکن میں آباد ہیں۔ سید محمد مذکور ۸۴۷ھ میں پیدا ہوا اور مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ نعوذ باللہ

دعوت دیتے ہیں اور تھوڑی سی مدت میں بھیڑیوں کی طرح ایک دو افراد کو گلہ سے اٹھا لیتے ہیں، اس سے زیادہ کیا تکلیف دی جائے ——— "چوں استماعِ ایں خبرِ وحشت انگیز در شورش آورد ورگِ فاروقیم را حرکت داد" (چونکہ اس خبر وحشت انگیز کو سُن کر مجھ میں ایک جوش پیدا ہوگیا اور میری رگِ فاروقی بھڑک اٹھی) اس لئے یہ چند کلمے لکھے گئے، امید ہے کہ مجھے معذور قرار دیں گے ——— وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِمَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ وَالْبَرَکَاتُ۔

## مکتوب ۱۶

شانزدہم

شیخ بدیع الدین سہارنپوری[۱] کے نام صادر فرمایا ——— ان کے سوالات کے جواب میں اور برزخ صغریٰ کے عجیب و غریب احوال کا بیان اور مرگِ طاعون کی فضیلت اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا (جس میں) تحریر تھا کہ اس علاقے میں دو زبردست حادثے وقوع پذیر ہوئے ہیں :- ایک حادثۂ طاعون اور دوسرا حادثۂ قحط اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَنِ الْبَلِیَّاتِ (اللہ سبحانہٗ ہم کو اور آپ کو ان بلیات سے اپنی پناہ میں رکھے) ——— آپ نے تحریر کیا تھا کہ ان فتنوں کے باوجود شب و روز عبادت و مراقبے میں گذرتے ہیں اور (ان سے میرا) باطن معمور و آباد ہے۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ (اس پر اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے)۔

آپ کے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں ——— (۱) سنتوں میں اکثر اوقات چاروں قُل کی تلاوت کرنی چاہئے ——— (۲) مردوں کے لئے مسنون کفن تین کپڑے ہیں۔ دستار (پگڑی) زائد ہے۔ ہم تو قدرِ مسنون پر کفایت کرتے ہیں ——— (۳) اور جواب نامہ (عہد نامہ) بھی نہیں لکھتے۔ کیونکہ (جسم کے گل سڑنے کی وجہ سے) نجاست اور گندگی سے آلودہ ہونے کا احتمال ہے (دوسرے) سندِ صحیح سے بھی ثبوت نہیں، (تیسرے) علماء ماوراء النہر کا بھی اس پر عمل نہیں۔ البتہ

---

[۱] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۲ میں گذر چکا ہے۔

(مشائخ سے حاصل شدہ) پیراہن بطور تبرک اگر کفن کی قمیص کی بجائے استعمال کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔
——— (۴) اور شہدا کے کپڑے ہی ان کے کفن ہیں ——— اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ "مجھے میرے ان ۲ دو کپڑوں ہی میں کفن دینا" ——— (۵) برزخ صغریٰ (قبر) چونکہ ایک جہت سے دنیاوی مقام میں سے ہے اس لئے ترقی کی گنجائش رکھتا ہے۔ اور اس مقام کے احوال مختلف اشخاص کے حالات کے پیش نظر بہت تفاوت رکھتے ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا اَلْاَنْبِیَاءُ یُصَلُّوْنَ فِی الْقُبُوْرِ (انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں) ——— (۶) ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج میں جب حضرت کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک پر سے گذرے تو دیکھا کہ (حضرت موسیٰ) قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں، اور اسی لحظہ جب آسمان پر پہنچے تو حضرت کلیم کو وہاں پایا۔ اس مقام کے معاملات نہایت عجیب و غریب ہیں ———
(۷) اور آج کل چونکہ میرے فرزند اعظم مرحوم کی وفات کی وجہ سے اس مقام (عالم قبر) کی طرف توجہ اور نظر کرنے کا بہت اتفاق ہوتا ہے اس لئے نہایت ہی عجیب و غریب اسرار ظاہر ہوتے ہیں، اگر ان کا تھوڑا سا حصہ بھی بیان کیا جائے تو فتنہ کا باعث ہو جائے گا ——— (۸) اگرچہ جنت کی چھت عرش مجید ہے لیکن قبر بھی جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ اگرچہ عقل کوتاہ اندیش ان باتوں کے تصور سے عاجز ہے لیکن وہ اور ہی آنکھ (بصیرت والی آنکھ) ہے جو ان عجائبات کا تماشا دیکھتی ہے ——— (۹) مجرد ایمان اگرچہ چناں و چنیں (سوال و جواب) کے بعد نجات دلانے والا ہے لیکن کلمہ طیبہ کی بلندی اور قبولیت عمل صالح کے ساتھ وابستہ ہے ———
(۱۰) اور وبا (طاعون) میں موت (کے خوف) سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے جس طرح جہاد کے دن جنگ سے فرار ہونا (گناہ کبیرہ) ہے۔ اور جو شخص وبا کے دنوں میں صبر کا مظاہرہ کرے اور مر جائے تو وہ شہداء میں سے ہے اور قبر کے فتنے سے محفوظ ہے اور جو صبر کرے اور زندہ رہ جائے وہ غازیوں میں سے ہے ؎

اِنْ قَالَ لِیْ مُتْ مُتُّ سَمْعًا وَّطَاعَۃً ۔۔۔ وَقُلْتُ لِدَاعِی الْمَوْتِ اَھْلًا وَّمَرْحَبًا

(گر وہ کہے مر تو تم، مر جاؤں میں خوشی سے ۔۔۔ پیکِ اجل سے کہہ دوں، آجائے آفریں ہے)

چند روز سے بلغم اور کھانسی نے نڈھال کر رکھا ہے اور ضعف بدن لاحق ہو گیا ہے
اس لئے جواب میں اختصار سے کام لیا ہے۔ والسلام

مکتوب ١٧ ہفت دہم

مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ اس دنیا کی مصیبتیں اگرچہ بظاہر تکلیف دہ ہیں لیکن حقیقت میں ترقیات کا باعث ہیں اور (زخموں کے لئے) مرہم ہیں۔ اور طاعون میں موت کی فضیلت اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ تکلیف دہی کا باعث یہ ہے کہ آپ نے جو مکتوبِ گرامی شیخ مصطفٰی کے ہمراہ عزیزوں کی تعزیت کے بارے میں ارسال کیا تھا اس کے مضمون سے آگاہی ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (بقرہ آیت ١٥٦) (ہم اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں)۔

ـــــ یہ مصیبتیں بظاہر جراحت (زخم) معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں ترقیات (کا موجب) اور (زخموں کے لئے) مرہم ہیں۔ اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے وہ نتائج و ثمرات جو اس دنیا میں ان (مصائب) پر مرتب ہوتے ہیں اس کا سوواں حصہ ہیں جن کی اس تعالیٰ کی عنایت سے آخرت میں توقع اور امید ہے۔ لہذا فرزندوں کا وجود عین رحمت ہے ان کی زندگی میں ان سے منافع اور فوائد ہیں اور ان کی موت پر بھی نتائج و ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

امام اجل محی السنۃ (امام نووی) حلیۃ الابرار میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے زمانۂ خلافت میں تین دن تک طاعون کی بیماری رہی، اور اس طاعون میں ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے خادم حضرت انسؓ جن کے حق میں آں سرورؐ نے (اولاد کی) دعائے برکت فرمائی تھی اُن کے تراسی[83] یا بعض کے نزدیک تہتر[73] لڑکے فوت ہو گئے ـــــ اور حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے چالیس لڑکے فوت ہو گئے ـــــ جب حضرت خیر الانام علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کرامؓ کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہے تو ہم گنہگار کس حساب میں ہیں۔

حدیث میں وارد ہے کہ "طاعون پہلی امتوں کے حق میں عذاب تھا اور اس امت کے لئے شہادت ہے"۔ حق یہ ہے کہ جو لوگ اس وبا میں مرتے ہیں عجیب حضور و توجہ سے مرتے ہیں، حرص و آرزو ہوتی کہ کوئی اور

بھی ان دنوں میں اس "بلا" والے لوگوں کے ساتھ ملحق ہو جائے اور دنیا سے آخرت کی طرف کوچ کر جائے۔
یہ بلا اس امت میں بظاہر غضب ہے اور باطن میں رحمت ہے۔

میاں شیخ طاہر بیان کرتے تھے کہ لاہور میں طاعون کے دنوں میں ایک شخص نے (خواب میں) دیکھا کہ فرشتے کہہ رہے ہیں کہ "ہر کہ دریں ایام نمرد حسرت خواہد کشید" (جو کوئی ان دنوں میں نہ مرے گا حسرت اٹھائے گا) ــــــ ہاں جب بھی (طاعون سے) مرنے والوں کے حال پر نظر کی جاتی ہے تو حالاتِ غریبہ اور معاملاتِ عجیبہ مشاہدہ میں آتے ہیں۔ شاید شہدا فی سبیل اللہ ان خصوصیات سے ممتاز ہوتے ہوں۔

میرے مخدوم! فرزند عزیز (خواجہ محمد صادق) قدس سرہٗ کی مفارقت (انتقال) بڑی بھاری مصیبت ہے۔ معلوم نہیں کہ کسی کو اس قسم کی مصیبت پہنچی ہو، لیکن وہ صبر و شکر جو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے اس مصیبت میں اس ضعیف القلب کو کرامت فرمایا گیا ہے بڑی اعلیٰ نعمت اور عظیم انعام ہے (یہ فقیر) حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے التجا کرتا ہے کہ اس مصیبت کی جزا آخرت پر موقوف رکھے اور دنیا میں اس کی جزا کچھ بھی ظاہر نہ ہو ــــــ حالانکہ جانتا ہے کہ یہ سوال بھی اپنے سینہ کی تنگی کے باعث ہے ورنہ حق تعالیٰ بڑی وسیع رحمت والا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى (دنیا اور آخرت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے) ــــــ دوستوں سے بھی درخواست ہے کہ دعا سے امداد و اعانت فرمائیں کہ سلامتیٔ خاتمہ کی دعا کریں کہ (حق تعالیٰ ہماری) لغزشوں کو جو انسان کے لوازمات میں سے ہیں معاف فرمائے اور ان کوتاہیوں کو جو بشریت کے تقاضے سے ہوتی ہیں درگزر فرمائے۔ (آمین) رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران آیت ۱۴۷)
وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔

شیخ جمال ناگوری[1] کی طرف ان کے التماس کے جواب میں صادر فرمایا ــــــ اور اس بیان میں کہ علماءِ راسخین کا کیا حصہ ہے اور علماءِ ظواہر کا اور صوفیہ کا کیا حصہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔

برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــــــ (حدیث شریف) اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ[1] (علماء انبیاء کے وارث ہیں) علمائے عظام کی تعریف میں کافی ہے۔ علم وراثت (بھی) علم شریعت ہی ہے جو انبیا علیہم الصلوات و التسلیمات سے باقی رہ گیا ہے۔ اور علم شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ صورت وہ ہے جو علمائے ظاہر شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کا حصہ ہے جو کتاب و سنت کے محکمات سے متعلق ہے، اور اس کی حقیقت علمائے راسخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حصہ ہے جو کتاب و سنت کے متشابہات سے متعلق ہے۔ اور محکمات اگرچہ کتاب کی امہات یعنی اصول ہیں لیکن اس کے نتائج و ثمرات وہ متشابہات ہیں جو کتاب کے مقاصد ہیں، کیونکہ امہات کی (حصول نتائج کے لئے) وسیلے سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں۔ لہذا کتاب کا لُب (مغز) متشابہات ہیں اور کتاب کے محکمات متشابہات کے لُب کا پوست (چھلکا) ہیں۔ وہ متشابہات ہی ہیں جو رمز و اشارہ میں اصل کو بیان کرتے ہیں اور حقیقتِ معاملے کی نشاندہی کرتے ہیں۔

علمائے راسخین نے پوست کو مغز کے ساتھ جمع کیا ہے اور شریعت کی صورت و حقیقت کے مجموعے کو پالیا ہے۔ اور ان بزرگواروں نے شریعت کو اس شخص کی طرح تصور کیا ہے جس کا پوست صورتِ شریعت اور اس کا مغز حقیقتِ شریعت ہو۔ انھوں نے شرائع و احکام کے علم کو شریعت کی صورت اور حقائق و اسرار کے علم کو شریعت کی حقیقت سمجھا ہے ــــــــ اور ایک جماعت نے شریعت کی صورت میں گرفتار ہو کر اس کی حقیقت سے انکار کر دیا ہے اور صرف ہدایہ اور بزدوی کے علاوہ کسی کو بھی اپنا پیر اور مقتدا نہیں سمجھا ــــــــ اور ایک دوسری جماعت اگرچہ اس کی حقیقت میں گرفتار ہوئی ہے لیکن چونکہ انھوں نے اس کو شریعت کی حقیقت نہیں سمجھا بلکہ شریعت کو صورت پر موقوف رکھا اور اس کو صرف پوست خیال کیا اور مغز کو اس کے ماسوا کچھ اور تصور کر لیا اس لئے وہ اس حقیقت کی حقیقت سے واقف نہ ہو سکا اور نہ ہی وہ متشابہات کا کچھ حصہ حاصل کر سکے۔ لہذا علمائے راسخین ہی درحقیقت (انبیاء علیہم السلام کے) وارث ہیں۔ اللہ سبحانہٗ ہم کو اور آپ کو ان کے محبین اور متبعین میں سے بنائے۔ (آمین)

علمائے راسخین علمائے ظاہر اور صوفیہ کا حصہ

دوسری بات یہ ہے کہ اخوی میاں شیخ نور محمد نے آپ کی جانب سے ظاہر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہم کو دوسرے سلاسل کے مشائخ سے اجازتیں حاصل ہیں لہذا سلسلۂ نقشبندیہ کی جانب سے بھی اجازت مل جائے (تو اچھا ہے) ــــــــ میرے مخدوم و مکرم! طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں پیری و مریدی کا تعلق تعلیم و تعلّم کے طریقے پر موقوف ہے نہ کہ کلاہ و شجرہ پر، جیسا کہ دوسرے سلاسل میں متعارف

[1] رواہ احمد و الترمذی و ابی داؤد عن ابی الدرداء مرفوعاً۔

مروج ہے۔ ان بزرگوں کا طریقہ شیخِ کامل کی صحبت ہے اور ان کی تربیت انعکاسی ہے اسی لئے ان کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا درج ہے اور یہ راستہ قریب ترین راستہ ہے۔ ان بزرگوں کی نظر امراضِ قلبیہ کے لئے شفا ہے اور ان کی توجہ باطنی بیماریوں کو دفع کرتی ہے ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند  کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

(راہِ پنہاں سے نقشبندی بزرگ  قافلے کو حرم میں لاتے ہیں)

امید ہے کہ معذور جانیں گے۔ اور بزرگ حضرات کے ہاں تو عذر مقبول ہوتا ہے۔ والسلام

مکتوب ۱۹ (عربی) نوزدہم

میر محب اللہ[۱] کی طرف صادر فرمایا ــــــ سنّتِ سنیہ کی تابعداری کرنے اور بدعتِ ناپسندیدہ سے بچنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد سیادت پناہ اخوی اعزی میر محب اللہ پر واضح ہو کہ اس طرف کے فقراء کے اطوار و احوال حمد و ستائش کے لائق ہیں اور آپ کی سلامتی اور ثبات و استقامت اللہ سبحانہٗ سے مطلوب و مسئول ہیں۔ اس عرصہ میں آپ نے اپنے علاقے کے حالات و کیفیات سے مطلع نہیں کیا۔ مسافت کی دوری بھی موانعات میں سے ہے۔

ہماری نصیحت بس یہی ہے کہ احکام دینی بجالائیں اور حضرت سید المرسلین علیہ و علی آلہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اختیار کریں، سنتِ سنیہ کو بجالائیں اور بدعتِ نامرضیہ سے پرہیز کریں۔ اگرچہ بدعت صبح کی سفیدی کے مانند روشن ہو لیکن حقیقت میں اس میں کوئی روشنی اور نور نہیں ہے اور نہ ہی کسی بیمار کے لئے اس میں شفا ہے اور نہ ہی کسی مرض کی اس میں دوا ہے ــــــ اور یہ بات اس میں کیسے ہو سکتی ہے جبکہ بدعت دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو وہ سنت کو دور کرنے والی ہوگی یا رفعِ سنت سے ساکت[۲] ہوگی، ساکت ہونے کی صورت میں وہ بالضرور سنت پر ایک زائد چیز ہوگی جو درحقیقت اس (سنت) کو منسوخ کرنے والی ہوگی کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی دور کرنے والی اور اس کی نقیض ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی خیر اور کوئی حُسن نہیں ہے ــــــ کاش مجھے معلوم ہو جاتا

[۱] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۷۲ پر گزر چکا ہے۔

کہ انھوں نے دینِ کامل اور اسلامِ پسندیدہ میں جبکہ نعمت مکمل ہو چکی بدعتِ محدثہ کے حَسَن ہونے کا حکم کس طرح دیا۔ یہ نہیں جانتے کہ کمالِ دین اور اتمام و رضا کے حاصل ہونے کے بعد دین میں بدعت (کوئی نیا کام) پیدا کرنا حَسَن سے کوسوں دور ہے : فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ (یونس آیت ۳۲) (حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے) ـــــ اگر یہ لوگ (اہلِ بدعت) جانتے کہ دینِ کامل میں امورِ محدثہ (نئے کام) کو حَسَن کہنا دین کے کامل نہ ہونے کو لازم آتا ہے اور نعمت کے ناتمام ہونے پر دلالت کرتا ہے تو ہرگز اس قسم کی باتوں کی جرأت نہ کرتے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا (بقرہ آیت ۲۸۶) (اے ہمارے رب! ہماری بھول چوک اور خطا پر مواخذہ نہ کرنا) وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَّدَيْكُمْ

## مکتوب ۲۰

مولانا محمد طاہر بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ نماز کے فضائل اور اس امر کی ترغیب میں کہ اس کے ارکان و شرائط، آداب اور تعدیلِ ارکان کو اچھی طرح بجا لانا چاہئے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ جو مکتوب گرامی آپ نے جونپور کے اطراف سے تحریر کیا تھا موصول ہوا، چونکہ اس مکتوب میں ضعفِ بدن کا ذکر تھا اس لئے تشویش کا باعث ہوا۔ آپ کی صحت کی خبر کا منتظر ہوں کسی آنے والے کے ہمراہ مطلع کریں اور اپنے حالات و کیفیات تحریر کریں۔

نماز کی فضیلت

اے محبت کے طریقے والے! چونکہ یہ دنیا دارِ عمل ہے اور دارِ جزا آخرت ہے اس لئے اعمالِ صالحہ کی بجا آوری میں کوشش کرنی چاہئے (اعمال میں) بہترین عمل اور (عبادات میں) بہترین عبادت اقامتِ صلوٰۃ (نماز کو قائم کرنا) ہے، جو دین کا ستون اور مؤمن کی معراج ہے اس لئے اس کے ادا کرنے میں بہت اہتمام کرنا چاہئے اور کامل احتیاط برتنی چاہئے تاکہ نماز کے ارکان و شرائط اور سنن و آداب کما حقہٗ ادا ہو جائیں۔ طمانیت اور تعدیلِ ارکان کے بارے میں بار بار تاکید کی جاتی ہے ان کی اچھی طرح محافظت کریں۔ اکثر لوگ نماز کو ضائع کر دیتے ہیں اور طمانیت و تعدیلِ ارکان کو درہم برہم کر دیتے ہیں، ایسے لوگوں کے حق میں بہت سی وعیدیں اور تہدیدیں وارد ہوئی ہیں ـــــ جب نماز درست ہو جائے تو نجات میسر ہو جانے کی بڑی امید ہے

[1] آپ کے نام گیارہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۲۲ پر گذر چکا ہے۔

کیونکہ نماز کے قائم ہونے سے دین قائم ہو جاتا ہے اور عروج کا مرتبہ اپنی معراج کو پہنچ جاتا ہے ؎

رشکر غلطید اے صفرائیاں   از برائے کوری سودائیاں

(شکر کھا ئیں صفرائی   اندھے بنیں گے سودائی)

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی (سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جو حضرت محمد مصطفٰے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات العلیٰ کی ہدایت کی پیروی اپنے اوپر لازم کرلیں)۔

# مکتوب ۲۱
بست و یکم

خواجہ محمد صدیق[1] ملقب بہ ہدایت کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ حدیث قدسی کا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ الخ میں قلب سے مراد گوشت کا ٹکڑا ہے نہ کہ حقیقتِ جامعہ کہ جس کی وسعت کی خبر بعض مشائخ نے دی ہے۔ لیکن گوشت کا وہ ٹکڑا مراد ہے جس نے سلوک وجذبہ، تصفیہ وتزکیہ، تمکینِ قلب اور اطمینانِ نفس کے بعد اجزائے عشرہ سے ترکیب حاصل کی ہے اور ہیئتِ وحدانی پیدا کرلی ہے۔ اس گوشت کے ٹکڑے کی زیب وزینت حقیقت جامعہ اور چند وجوہ کی بنا پر ہے اور اس بیان میں کہ یہ تمام کمالات جو خاص اس گوشت کے ٹکڑے کے لئے ثابت ہیں مقامِ قاب قوسین میں ہیں اور اَوْ اَدْنٰی کا معاملہ اس سے بھی وراء ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— آپ نے دریافت کیا تھا کہ تم نے اپنے مکتوبات ورسائل میں لکھا ہے کہ ظہورِ قلبی ظہورِ عرشی کا ایک لمعہ (چمک) ہے اور کلّی فضیلت خاص ظہورِ عرشی کے لئے ہے حالانکہ حدیث قدسی میں وارد ہے: لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ[2] (نہ میری زمین میری وسعت رکھتی ہے اور نہ میرا آسمان لیکن میرے بندۂ مومن کا قلب میری وسعت رکھتا ہے) اس حدیث شریف سے لازم آتا ہے کہ ظہورِ قلبی کامل تر ہے اور فضیلت بھی اسی کے لئے ثابت ہے۔

اے محبت کے نشان والے! اس سوال کا حل ایک مقدمہ پر مبنی ہے۔

جاننا چاہئے کہ ارباب ولایت جس کو "قلب" کہتے ہیں اور اس سے "حقیقتِ جامعہ انسانی"

---

[1] آپؒ کے نام بارہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۲ پر گزر چکا ہے۔

[2] اس حدیث شریف کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو دفتر اول مکتوب ۷۰۔

(انسان کی حقیقتِ جامعہ) مراد لیتے ہیں جو کہ عالمِ امر سے ہے اور بزبانِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ قلب اس مضغہ (گوشت کے ٹکڑے) سے عبارت ہے جس کی اصلاح و درستی پر تمام جسم کی اصلاح وابستہ ہے اور جس کے فساد پر تمام جسم کا فساد منحصر ہے، جیسا کہ حدیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات میں وارد ہے: اِنَّ فِیْ جَسَدِ ابْنِ اٰدَمَ لَمُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ (بخاری) (بیشک انسان کے جسم میں ایک ایسا مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) ہے کہ جب وہ درست ہو جائے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب اس میں فساد و خرابی پیدا ہو جائے تو تمام جسم میں فساد واقع ہو جاتا ہے آگاہ رہو کہ وہ قلب ہے)۔

وسعتِ قلب اطلاقِ اول (حقیقتِ جامعہ) کو لازم ہے اسی وجہ سے حضرت جنید و بایزید قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما نے قلب کی وسعت و فراخی کی خبر دی ہے اور عرش و مافیہ کو قلب کی عظمت کے مقابلے میں حقیر جانا ہے اور تنگیٔ قلب اطلاقِ ثانی (مضغہ) کو لازم ہے ــــــــ اس مقام میں قلب کی تنگی اس طرح پر ہے کہ جزء لایتجزیٰ (وہ جزء جس کا مزید جزء بننا ممکن نہیں) کو جو تمام اشیاء سے حقیر و صغیر چیز ہے اس میں اس کی کچھ بھی گنجائش نہیں۔ بعض اوقات (بنظرِ کشفی) جب تنگیٔ قلب کو جزء لایتجزیٰ کے ساتھ نسبت دی جاتی ہے تو وہ حقیر جزء (جزء لایتجزیٰ) قلب کے مقابلے میں آسمان و زمین کے طبقات کی مانند (عظیم) ظاہر ہوتا ہے اور یہ معاملہ عقل کی نظر سے بلند تر ہے۔ پس تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو)۔

جب یہ مقدمہ معلوم ہو گیا تو جاننا چاہیئے کہ وہ ظہور جو حقیقتِ جامعہ کے ساتھ وابستہ ہے اس میں شک نہیں کہ وہ عرش کے ظہورِ تامہ کے مقابلے میں ایک لمعہ ہے اور اس مقام میں کُلّی فضیلت صرف عرش ہی کو ہے ــــــــ اور شیخ بایزیدؒ و شیخ جنیدؒ جنھوں نے قلب کو سب سے وسیع تر کہا ہے اور عرش و مافیہ کو قلب کے مقابلے میں کمتر جانا ہے، یہ بات شے کو اس کے اپنے نمونے کے ساتھ مشتبہ ہونے کی قسم سے ہے، انھوں نے عرش و مافیہ کے نمونوں کو جامعیتِ قلب کے مقابلے میں حقیر جان کر اس کا حکم عرش و مافیہ کے حقائق پر کر دیا ہے۔ اس اشتباہ کا منشا اس فقیر نے اپنی مختلف کتب و رسائل میں بار بار تحریر کیا ہے ــــــــ اور جو کچھ کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے وہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی زبان (و لغت) کے موافق ہے اور اس قلب سے مراد یہی مضغہ ہے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ ظہورِ اتم اسی جگہ ہے اور اس ذات مجردہ تعالیٰ کو احدیت کا آئینہ بننا اسی کے لئے مسلم ہے ــــ

عرش کو اگرچہ ظہورِ تام سے جو ظہورِ اصل ہے وافر حصہ ملا ہے لیکن اس مقام میں صفات کی آمیزش ہے اور چونکہ صفات حقیقت میں حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے ظلال ہیں اس لئے ظہورِ ظلیت کے شائبہ سے پاک و مبرا نہیں ہیں اور اسی وجہ سے عرش کو ظہورِ انسانی سے جو کہ اصلِ صرف سے تعلق رکھتا ہے بہت سی توقعات وابستہ ہیں اور اس معاملہ کا مرکز وہی (مضغۂ انسان) ہے۔

سوال: حدیثِ قدسی سے تو اس قلب کی وسعت مفہوم ہوتی ہے اور تم اس کو تنگ کہتے ہو؟

جواب: اس کو تنگ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ اس میں ماسوائے حق کی گنجائش نہیں ہے اور وسیع اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ اس میں "انوارِ قدم" کا ظہور ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی اختلاف و تناقض نہیں ــــــ اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں اس قلب کی تعبیر اس عبارت سے کی ہے کہ: اَلضَّیِّقُ الْاَوْسَعُ وَالْبَسِیْطُ الْاَبْسَطُ وَالْاَقَلُّ الْاَکْثَرُ (اس میں تنگی بھی ہے وسعت بھی، بسیط بھی ہے بسط بھی اور کم بھی ہے زیادہ بھی)۔

سوال: فضیلت کے لائق حقیقتِ جامعہ ہے جس کا تعلق عالمِ امر سے ہے نہ کہ مضغہ جو کہ عالمِ خلق سے ہے اور عناصر (اربعہ) سے مرکب ہے لہٰذا اس نے یہ فضیلت کہاں سے حاصل کر لی؟

جواب: عالمِ خلق کو عالمِ امر پر فضیلت ہے اور اس کو سمجھنے کے لئے عوام تو کیا اکثر خواص بھی قاصر ہیں۔ اس فقیر نے اس معنی کا ایک مکتوب [۲۶۰ ج۱] مرحوم فرزند اعظم (محمد صادق) کے نام "طریق کے بیان میں" لکھ کر واضح کیا ہے، اگر کوئی تردد یا شک باقی ہو تو وہاں سے تسکین حاصل کر لیں۔

اب اس مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) کی حقیقت مجھ سے سنو! عوام کے نزدیک یہ ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جو عناصرِ اربعہ سے مل کر بنا ہے اور خواص بلکہ اخصِ خواص کے نزدیک بھی یہ ایک مضغہ ہے جس نے سلوک و جذبہ، تصفیہ و تزکیہ اور تمکینِ قلب و اطمینانِ نفس کے بعد بلکہ محض فضل و کرمِ خداوندی جل سلطانہ سے اجزاءِ عشرہ سے ترکیب پا کر صورت اختیار کی ہے (یعنی) چار جز عناصرِ اربعہ کے، ایک جز نفسِ مطمئنہ کا اور پانچ جز، عالمِ امر کے۔ ان دس اجزا میں ایک دوسرے کے تضاد و اختلاف کے باوجود واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی قدرتِ کاملہ سے اُن کی صورتِ تضاد و اختلاف زائل ہو گئی ہے اور وہ باہم جمع ہو گئے ہیں اور انھوں نے ہیئتِ وحدانی پیدا کر کے اس عجوبہ کو حاصل کیا ہے۔ اس معاملہ میں جزوِ اعظم عنصرِ خاک ہے اور ہیئتِ وحدانی بھی جزوِ ارضی کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے اور خاک ہی کے لحاظ

اس نے قرار پالیا ہے ؎

خاک شو خاک تا بروید گل — کہ بجز خاک نیست مظہرِ گل

(خاک بن جاؤ تاکہ پھول کھلے — خاک ہی سے تو پھول کھلتا ہے)

اے بھائی! اربابِ ولایت کا ہاتھ ان علوم و معارف کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ یہ انوارِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی قندیل سے مقتبس ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴ پ ۲۸) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے) ——— اور وہ قلب جس کا سوال حضرت خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین وعلی الملائکۃ المقربین والصلوٰۃ والسلام انتہا و اکملہا نے اپنے اطمینان کے لئے کیا تھا یہی گوشت کا مضغہ ہے کیونکہ حقیقتِ جامعہ ان حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسی تمکین سے وابستہ تھی اور نفس کو اطمینان حاصل ہو گیا تھا، کیونکہ یہی تمکین اور اطمینان ولایت کے مرتبہ میں متصور ہے جو زینۂ نبوت علی اربابہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ ہے۔ شانِ نبوت کے مناسب مضغہ کی بے قراری و اضطراب ہے نہ کہ حقیقتِ جامعہ کی بیقراری کہ وہ تو عوام کا حصہ ہے ———

نیز حضرت رسالت خاتمیت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے جو ثباتِ قلب طلب کیا ہے اور فرمایا ہے: اَللّٰهُمَّ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى طَاعَتِكَ[1] (اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے میرے قلب کو اپنی طاعت پر ثابت رکھ)۔ اس سے بھی اسی مضغہ کا ثبات مقصود ہے ——— اور بعض احادیث جو تقلب قلب (قلب کی بیقراری) کے بارے میں وارد ہوئی ہیں انہیں کے احوال پر نظر رکھ کر قلب کے عام معنی مراد لئے جائیں جو حقیقتِ جامعہ اور مضغہ دونوں کو شامل ہیں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

سوال:۔ یہ مضغہ جب یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ کے شرف سے مشرف ہو گیا اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی آئینہ داری کے لائق ہو چکا تو اس میں بیقراری اور اضطراب کیوں پیدا ہوتا ہے اور مزید اطمینان کا کیوں محتاج ہوتا ہے؟

جواب: ظہور اگرچہ انسیت پیدا کر دیتا ہے اور شیون و صفات کی آمیزش سے خلاصی دلا دیتا ہے لیکن جہل و حیرت زیادہ پیدا کر دیتا ہے اور ناشناسی و عدم وصول کا احساس زیادہ ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس ظہور اور اس گنجائش کے باوجود کمال درجہ جہل و حیرت کی وجہ سے صانع حقیقی جل وعلا کے

[1] ترمذی و ابن ماجہ بروایت حضرت انس رضؓ (مشکوٰۃ)۔

وجود پر دلیل طلب کرتا ہے اور عوام کے مانند صانع تعالیٰ کے وجود پر استدلال یا تقلید کے بغیر یقین پیدا نہیں کرتا، لہذا بے قراری و اضطراب اس کے حال کے مناسب ہوتا ہے اور اطمینان کا طلب کرنا اس کے لئے ضروری ہوتا ہے ـــــــــ اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ صاحبِ یقین عارف کو رجوع (برائے دعوتِ خلق) کے بعد استدلال کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس مقام میں معلوم ہوا کہ عین حصول و وصول میں بھی دلیل کی حاجت ہوتی ہے، یہ مقام مرتبۂ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے کمالات کے حال کے مناسب ہے۔ اور وہ مقام (مرتبہ) ولایت کے حال کے مناسب ہے۔ اور جب اس صاحبِ قلب کو دعوت کی طرف رجوع واقع ہوتا ہے تو اس کے دل کا قلق و اضطراب اور قلب کا تغیر و تبدل زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ عین وصول میں جہل و حیرت کی وجہ سے دلیل کا محتاج ہے تو فرقت کے زمانے میں بطریقِ اولیٰ استدلال کا محتاج ہوگا تاکہ استدلال کے ذریعے کچھ اطمینان حاصل کرے ـــــــــ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ وہ دولت جو چند روز کے لئے اس سے مخفی رکھی گئی ہے اور وہ فرقت کے داغ سے داغدار ہو چکا ہے اس کے لئے مناسب ہے کہ ہمیشہ قلق و اضطراب اور حزن و اندوہ کی حالت میں رہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مُتَوَاصِلَ الْحُزْنِ دَائِمَ الْفِكْرِ (ہمیشہ غمگین اور متفکر رہتے تھے) ـــــــــ اب ہم بعض وجوہات جو ان دونوں (یعنی حقیقتِ جامعہ قلبیہ اور مضغۂ لحمیہ) اطلاقوں کے درمیان فرق ظاہر کرتی ہیں بیان کرتے ہیں، گوشِ ہوش سے سنیں۔

(وجہ اول) حقیقتِ جامعہ جس کا تعلق عالمِ امر سے ہے اس کو تصفیہ و تزکیہ کے بعد کامل طور پر قرار میسر ہو جاتا ہے بخلاف مضغہ کے کہ اس کا اطمینان حواس کے ادراک کے ساتھ وابستہ ہے جب تک کسی شے کا حواس کے ذریعہ ادراک حاصل نہ ہو جائے بیقراری اور قلق سے رہائی نہیں پاتی چنانچہ حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین نے اپنے قلب کے اطمینان کے لئے سوال کیا اور عرض کیا: رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ (بقرہ آیہ ۲۶۰) (اے میرے رب! تو مجھے دکھا کر مرنے کے بعد) کیسے مردوں کو زندہ کرے گا۔

(وجہ دوم) دوسرا فرق یہ ہے کہ حقیقتِ جامعہ (حق تعالیٰ کے) ذکر سے اثر قبول کرتی ہے اور جب کمالِ ذکر میسر ہو جاتا ہے تو ذکر کے ساتھ متحد اور ہم جنس بن جاتی ہے اور اس مقام کو

صاحبِ عوارف (شیخ شہاب الدین سہروردی) قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے روشن تر مقام کہا ہے۔ اس تجوہر قلب (قلبی یگانگت) کو ذکر ذات تعالیٰ سے تعبیر فرمایا ہے بخلاف مضغہ کے کہ ذکر کو اس کی طرف کوئی راہ نہیں ہے اس کا متاثر ہونا کجا اور اس کا ہم جنس ہونا کہاں ۔ وہاں (مضغہ میں) مذکور کا ظہور اصالت کے طور پر ہے نہ کہ ظلیت کے طور پر۔ ذکر کے عروج کی انتہا مذکور کی دہلیز تک ہے۔

(وجہ سوم) تیسرا فرق یہ ہے کہ جب حقیقتِ جامعہ نہایت النہایت تک پہنچ جاتی ہے اور ولایتِ خاصہ سے کامل طور پر بہرہ ور ہو جاتی ہے اگر وہ مطلوب کی آئینہ داری پیدا کر لے تو اس میں مطلوب کا ظل ظاہر ہو جائے گا نہ کہ عین مطلوب۔ جیسا کہ آئینے میں شخص کی مثال ظاہر ہوتی ہے نہ کہ عین شخص۔ بخلاف مضغہ کے کہ ظاہر کے آئینے کے برعکس اس میں عین مطلوب ظاہر ہوتا ہے نہ کہ اس کا ظل۔ اسی لئے (حدیثِ قدسی میں) فرمایا: یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ (میرے بندۂ مؤمن کا قلب میری وسعت رکھتا ہے)۔ یہ معاملہ بھی نظر و فکر کے اطوار سے بالاتر ہے ——— اس بیان سے حلول و تمکن نہ سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ وہ کفر و زندقہ ہے۔ اگرچہ عقل معاش اس کا یقین نہیں کر سکتی کہ ایک شے کا عین (بے شائبۂ ظلیت) دوسری شے میں ظاہر ہو جائے اور وہاں اس کا حلول و تمکن نہ ہو، یہ عقل کی نارسائی کی وجہ سے ہے اور حاضر پر غائب کا قیاس ہے۔ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَاصِرِيْنَ (اور تم کوتاہ بین لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ)

(وجہ چہارم) دیگر فرق یہ ہے کہ حقیقتِ جامعہ عالمِ امر سے ہے اور مضغہ عالمِ خلق سے ہے بلکہ عالمِ خلق اور عالمِ امر دونوں اسی کے اجزا ہیں، البتہ خلق اس کا جزوِ اعظم ہے اور امر اس کا جزوِ اصغر (چھوٹا)۔ ان دونوں اجزا کے اجتماع سے ہیئتِ وحدانی وجود میں آئی ہے جو عجوبۂ روزگار بن گئی۔ اگرچہ یہ عجوبہ عالمِ خلق اور عالمِ امر سے جدا ہے اور ہیئتِ ترکیبی کے لحاظ سے کسی سے بھی مناسبت اور مشابہت نہیں رکھتا لیکن اس کا شمار عالمِ خلق ہی میں ہے کیونکہ اس معاملہ میں عمدہ اور بہتر جزو ارضی ہے اور خاک کی پستی اس کی رفعت کا باعث بن گئی ہے۔

(وجہ پنجم) یہ ہے کہ حقیقتِ جامعہ کی وسعت اس اعتبار سے ہے کہ اس میں اشیاء کی صورتوں کا ظہور ہے اور مضغہ کی وسعت جو اس کی تنگی کے بعد مکشوف ہوتی ہے اس اعتبار سے ہے کہ لامحدود اور لا متناہی مطلوب کی اس میں گنجائش ہے اور وہ تنگی اس کی دہلیز کی تنگی ہے جو ماسوا کو

وہاں داخل ہونے سے مانع ہے، یہاں تک کہ ذکر کا بھی وہاں گذر نہیں ہونے دیتی کہ مذکور (حق جل وعلا) کے پردوں میں داخل ہو جائے۔ اور شائبۂ ظلیت کی آمیزش کو بھی نہیں چھوڑتی کہ حریمِ مقدس کے گرد رہ جائے۔

(وجہ ششم) یہ ہے کہ فراخئ اول (حقیقتِ جامعہ) چونکہ شائبۂ "چون" رکھتی ہے اس لئے "بے چون" کی گنجائش کے شایاں نہیں ہے اور فراخئ ثانی (مضغہ) چونکہ بے چونی سے بہرہ ور ہوئی ہے اس لئے اس میں چون کی گنجائش نہیں۔ عجیب کاروبار ہے کہ اسی دل پر دعوت کی طرف رجوع کے بعد ظلمت وتاریکی طاری ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ سید البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے فرمایا ہے: اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ (رواہ مسلم) (بیشک میرے قلب پر بھی پردہ چھا جاتا ہے) —— اس سے زیادہ کیا فرق بیان کیا جائے۔ مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ (چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک)

اے بھائی! اس مضغہ کو ایک حقیر گوشت کا ٹکڑا خیال نہ کر، بلکہ یہ مضغہ) جوہر نفیس ہے جس میں عالمِ خلق کے اسرار وخزانے ودیعت کئے گئے ہیں اور عالمِ امر کے دفینے اور خفیہ امور بھی مدفون ہیں جو معاملاتِ خاصہ کی زیادتی کی وجہ سے ہیئتِ وحدانی کے ساتھ بھی وابستہ ہیں ——

اول اس کے اجزائے عشرہ کو تصفیہ، تزکیہ، جذبہ وسلوک، فنا وبقا کے ساتھ مزکّی ومطہر بناتے ہیں اور ماسوا کے تعلقات کی گندگی سے آزاد کرتے ہیں۔ مثلاً قلب کو بیقراری کی منزل سے گزار کر تمکین و اطمینان تک پہنچاتے ہیں اور نفس کو امارگی سے اطمینان کی طرف لاتے ہیں اور جزوِ ناری کو سرکشی ونافرمانی سے باز رکھتے ہیں اور خاک کو پستی اور پست فطرتی سے بلندی عطا کرتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اس کے تمام اجزا کو افراط وتفریط سے ہٹا کر حدِ اعتدال اور توسط پر لے آتے ہیں اور اس کے بعد محض (حق تعالیٰ کے) فضل وکرم سے ان اجزا کو ترتیب دے کر شخص معین بنایا گیا اور انسانِ کامل گردانا گیا ہے اور اس شخص کے قلب کو جو اس کا خلاصہ اور اس کے وجود کا مرکز ہے مضغہ سے تعبیر کیا ہے —— یہ ہے مضغہ کی حقیقت جو عبارت کے اندازے کے موافق بیان کی گئی ہے۔ اور حقیقتِ حال اللہ سبحانہٗ ہی کو معلوم ہے۔

اگر کوئی ناقص شخص یہ کہے کہ ہر انسان انہی دس اجزا سے مرکب ہے اور ان ہی کی ترکیب سے ہیئتِ وحدانی رکھتا ہے؟ تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ہاں ہر انسان ان ہی اجزا سے مرکب ہے لیکن وہ اجزا مزکّی ومطہر نہیں ہوئے ہیں اور جذبہ وسلوک کے ذریعے ماسوا کے تعلقات کی گندگی سے بھی آزاد نہیں ہوئے بخلاف انسانِ کامل کے اجزائے کے جو فنا وبقا کے ذریعے پاک وپاکیزہ ہو چکے ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا۔

چونکہ ہر انسان میں، یہ اجزا متخالف اور متمائز ہیں اور ہر جزو کے احکام و احوال علیحدہ علیحدہ ثابت لہٰذا وہ ہیئت وحدانی سے حصہ نہیں رکھتے اور اگر کچھ ہیئت پیدا کرلی ہے تو وہ اعتباری ہے نہ کہ حقیقی، بخلاف انسانِ کامل کے اجزاء کے جو تمائز و تباین سے نکل کر آپس میں خلط ملط ہو گئے ہیں اور ان کے متمائز احکام و احوال زائل ہو کر ایک ہی حکم اختیار کر چکے ہیں لہٰذا لازماً اس میں ہیئت وحدانی حقیقی ہو گی نہ کہ اعتباری جس طرح معجون مختلف دواؤں سے ملا کر بنائی جاتی ہے اور تمام اجزا کو باریک پیس کر ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر کے ہیئتِ وحدانی ثابت کرتے ہیں اور اور احکام متبائنہ سے نکال کر ایک ہی حکم میں لے آتے ہیں اس نکتہ کو سمجھ لو۔ واللہ سبحانہٗ اعلم

اے برادر! یہ تمام کمالات جو خاص مضغہ کے لئے ثابت ہیں مقام قَابَ قَوْسَیْنِ میں ہیں جہاں ظاہر میں مظہر کے رنگ کا وہم ہوتا ہے، اگرچہ اس مقام پر ظاہر اصل ہے اس کا ظل یا صورت نہیں، لیکن شخصِ ظاہر آئینہ داری کے زنگ سے پاک و مبرا نہیں ہے اس لئے قوسین ثابت ہوں گے ——— اور اس مقام سے ماورا مقام اَوْ اَدْنیٰ ہے کہ جس کے ظاہر نے مظہر کا رنگ اختیار نہیں کیا اور کوئی امر زائد بھی اس مقام پر خیال میں نہیں آتا لہٰذا اس جگہ قوسین مفقود ہوں گے اور اس مقام میں سوائے یک رنگی کے کچھ متصور نہیں جو مقامِ اَوْ اَدْنیٰ کے مناسب ہو۔ اس مقام کا معاملہ ہی علیحدہ ہے، تمام اوراق کی ورق گردانی کی جائے تو پھر قوسین سے اَوْ اَدْنیٰ کی طرف سامان اٹھا کر لے جا سکتے ہیں۔ کَلَامُنَا اِشَارَاتٌ وَرُمُوْزٌ وَبِشَارَاتٌ وَکُنُوْزٌ (ہمارا کلام اشارے رموز اور بشارات و خزانے ہیں) وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْہِمُ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وصحبہ وسلم وبارک

مولانا محمد صادق[1] کشمیری کی طرف صادر فرمایا ——— حضرت ایشاں (مجدد الف ثانیؒ) کے طفیل شہر سرہند کی اکثر شہروں پر شرافت و فضیلت کے بیان میں۔ اور اپنی سکونت والی زمین میں ایسے

---

[1] مولانا محمد صادق کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۰۶ میں گزر چکا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ آپ کی ایک مطبوعہ تصنیف "کلمات الصادقین" نظر سے گزری جو تذکرہ صوفیان مدفون در دہلی تا سال ۱۰۲۳ھ ہے جس میں (ایک سو بیس ۱۲۰ بزرگوں کے حالات ہیں اور "مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان" اسلام آباد سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔ نیز "باقیات باقی" از ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب ملاحظہ ہو۔

ایسے نور کا مشاہدہ کرنا کہ اس صفت وشان کی بُو تک کسی کو نصیب نہیں ہوئی اور وہ زمین کچھ عرصہ بعد مخدوم زادۂ کلاں خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کا روضۂ مقدسہ بن گئی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــــ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ والبرکۃ کے طفیل شہر سرہند جو کہ میری جائے پیدائش ہے گویا میرے لئے ایک گہرے اور تاریک کنوئیں کو پُر کر کے اس پر ایک بلند چبوترہ بنایا گیا ہے اور اس کو اکثر شہروں اور مقاموں پر بلندی (فضیلت) بخشی گئی ہے، اور اس زمین میں بے صفتی و بے کیفی کا ایک نور امانت کے طور پر رکھا گیا ہے اور وہ نور اس نور کی طرح ہے جو بیت اللہ شریف کی پاک و مقدس زمین سے روشن و درخشاں ہے ــــ ــــ میرے فرزند اعظم مرحوم (خواجہ محمد صادقؒ) کی وفات سے چند ماہ قبل یہ نور مجھ پر ظاہر کیا گیا اور فقیر کی جائے سکونت کے ایک کونے میں اس کی نشاندہی کر کے ایک بلند نور اس قسم کا دکھایا گیا کہ صفت و شان کی بُو تک اس کو نہ لگی تھی اور وہ (ہر قسم کی) کیفیات سے منزہ و مبرا تھا۔ اس وقت (مجھے) یہ آرزو پیدا ہوئی وہ زمین میرا مدفن بنے اور وہ نور میری قبر پر روشن رہے ــــــ اس بات کو میں نے اپنے فرزند اعظم پر جو کہ صاحبِ اسرار تھا ظاہر کیا اور اس نور اور اس خواہش کا بھی اظہار کیا۔ اتفاقاً فرزند مرحوم اس دولت میں سبقت لے گیا اور خاک کے پردہ میں جا کر اس نور کے دریا میں مستغرق ہو گیا ؎

هَنِیْـئًا لِّاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْکِیْنِ مَا یَتَجَرَّعُ

(مبارک منعموں کو اپنی دولت ۔ مبارک عاشقوں کو درد و کلفت)

اس بلدۂ معظمہ کے لئے یہ بات بڑی شرافت کا موجب ہے کہ میرے فرزند اعظم جیسا شخص جو اللہ تعالیٰ کے بزرگ اولیا میں سے ہے اس جگہ آسودہ ہے۔ کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ نور امانت اس فقیر کے انوارِ قلبیہ کا ایک لمعہ ہے جس کو یہاں سے اقتباس کر کے اس زمین میں روشن کیا گیا ہے جس طرح ایک چراغ بڑی مشعل سے روشن کرتے ہیں۔ قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (نساء آیۃ ۷۸) (کہدو کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے) اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (نور آیۃ ۳۵) (اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں و زمین کا نور ہے)۔ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (صٰفٰت آیۃ ۱۸۰ تا ۱۸۲) (تمہارا رب جو بڑی عظمت والا ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں، اور سلام ہو پیغمبروں پر اور تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے)۔

مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ[1] سلمہ اللہ ابقاہ واوصلہ الی غایۃ مایتمناہ کی طرف صادر فرمایا ـــــــ

اس بیان میں کہ سب سے عمدہ کام "روشن سنت کی اتباع" اور "ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز" کرنا ہے

اور اس بیان میں کہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کو دوسرے سلاسل پر جو فضیلت حاصل ہے وہ صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے

اور اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف میں اور اس کے مناسب بیان میں۔

*ترغیب اتباعِ سنت ورد بدعت*

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــــ سب سے عمدہ نصیحت جو فرزندِ عزیز سلمہ اللہ سبحانہٗ اور تمام دوسرے دوستوں کو کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ سنتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی تابعداری کریں اور بدعتِ ناپسندیدہ سے اجتناب کریں۔ اسلام اِس زمانے میں غریب (یعنی بے یار و مددگار) ہو گیا ہے اور مسلمان بھی بے یار و مددگار ہوتے جارہے ہیں اور جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا اور بھی زیادہ غریب و بیکس ہوتے جائیں گے حتیٰ کہ زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہ رہے گا: وَتَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ[2] (اور قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہو جائے گی) ـــــــ سعادتمند وہ شخص ہے جو اس غربت کے زمانے میں ترک شدہ سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور مروجہ و معمولہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کردے ـــــــ یہ وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کو ہزار سال گزر چکے ہیں اور قیامت کی علامتوں نے پرتوڑا لا ہوا ہے (یعنی علامات قیامت ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہیں) اور عہدِ نبوت سے دور ہونے کے باعث سنت پوشیدہ ہو گئی ہے اور کذب و جھوٹ پھیل جانے کی وجہ سے بدعت جلوہ گر ہو رہی ہے، اب ایک ایسے شاہباز جوانمرد کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو مٹانے کا باعث ہے۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان) آپ نے سنا ہوگا: مَنْ وَقَّرَ

---

[1] آپ کے نام سات مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۶۶ پر ملاحظہ ہو۔
[2] حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تقوم الساعۃ الا علی شرار الخلق (رواہ مسلم)

صَاحِبَ الْبِدْعَۃِ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی ھَدَمِ الْاِسْلَامِ ؎ جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کو منہدم کرنے میں مدد کی) ۔ لہذا پورے ارادے اور کامل ہمت سے اسی طرف متوجہ ہونا چاہئے کہ سنتوں میں سے کوئی سنت جاری ہو جائے اور بدعتوں میں سے کوئی بدعت دور ہو جائے ۔ ہر زمانے میں اور خصوصاً اس ضعفِ اسلام کے زمانے میں احکامِ اسلام کو قائم کرنا سنت کو رواج دینے اور بدعت کی تخریب کرنے پر وابستہ ہے ۔ ــــــ گذشتہ (زمانے کے) لوگوں نے شاید کسی بدعت میں کوئی حُسن دیکھا ہوگا جس کی وجہ سے بعض افرادِ بدعت کو انھوں نے مستحسن قرار دیا ہے ۔ لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا اور بدعت کے کسی فرد کو حَسَنَہ نہیں جانتا بلکہ سوائے ظلمت و کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا ۔ آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا : کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ (ہر بدعت گمراہی ہے) ــــــ اسلام کے اس غربت وضعف کے زمانے میں جبکہ سلامتی سنت کے بجالانے پر موقوف ہے اور خرابی بدعت کے ارتکاب میں ہے ، خواہ کوئی بھی بدعت ہو ، ہر بدعت کو پھاوڑے کی طرح جانتا ہے جو بنیادِ اسلام کو گراتی ہے ۔ اور سنت کو اس روشن ستارے کی طرح دیکھتا ہے جو گمراہی کی تاریک رات میں ہدایت کا باعث بنتا ہے ــــــ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حَسَن کہنے کی جرأت نہ کریں اور کسی بدعت پر عمل کرنے کا فتویٰ نہ دیں اگرچہ وہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی سفیدی کی طرح ہی روشن ہو کیونکہ سنت کے ماسوٰی میں شیطان کے مکر وفریب کو بڑا غلبہ و دخل ہوتا ہے ۔ گذشتہ زمانے میں جبکہ اسلام قوی تھا اس لئے بدعت کی ظلمات کو برداشت کر سکتا تھا اس وقت شاید نورِ اسلام کی روشنی میں بعض بدعتوں کی ظلمات بعض اشخاص کو نورانی معلوم ہوتی ہوں جس کی وجہ سے ان پر حَسَنَہ کا حکم لگایا ہو ، اگرچہ درحقیقت ان میں کسی قسم کا حُسن اور نورانیت نہیں تھی ۔ مگر اس وقت جبکہ اسلام ضعیف ہے بدعتوں کی ظلمتوں کو برداشت کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے ۔ اس وقت متقدمین اور متاخرین کا فتویٰ جاری نہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ ہر وقت کے احکام علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں ۔ اس وقت پورا عالم ظہورِ بدعت کی کثرت کی وجہ سے بحرِ ظلمات کی طرح نظر آ رہا ہے اور سنت کا نور اپنی غربت وقلت کے باعث اس بحرِ ظلمانی میں کرمائے شب افروز (جگنوؤں کی طرح) محسوس ہو رہا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت میں اور اضافہ کر رہا ہے اور سنت کے نور کو کم کر رہا ہے ۔ سنت پر عمل کرنا ظلمت کے کم کرنے اور نورانیت کو زیادہ کرنے کا

؎ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

باعث ہے۔ پس اب اختیار ہے جس کا دل چاہے بدعتوں کی ظلمات کو بڑھائے یا سنت کے نور کو زیادہ کرے اور جس کا دل چاہے وہ شیطان کے گروہ کو بڑھائے اور جس کا دل چاہے اللہ تعالیٰ کی جماعت میں اضافہ کرے۔

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ (مجادلہ ۵۸ آیت ۱۹) (خبردار! بیشک شیطان کا گروہ ہی خسارہ پانے والوں میں ہے)

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (مجادلہ ۵۸ آیت ۲۲) (خبردار! بیشک اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی فلاح و نجات پانے والا ہے)

صوفیوں کو نصیحت

صوفیائے وقت بھی اگر انصاف سے کام لیں اور اسلام کے ضعف ہونے اور جھوٹ کے شائع کرنے کو ملاحظہ فرمائیں تو ان کو چاہئے کہ سنت کے خلاف امور میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور اپنے شیوخ کے عمل کا بہانہ بنا کر امورِ مخترعہ (خود ساختہ امور) کو اپنی عادت نہ بنائیں۔ سنت کا اتباع یقیناً نجات دینے والا اور خیرات و برکات بخشنے والا ہے اور سنت کے خلاف امور کی تقلید میں خطرہ ہی خطرہ ہے؛ وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ (قاصد کے ذمہ پیغام پہنچا دینا ہے)۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہمارے پیروں کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے اپنے متبعین کو امورِ مبتدعہ کے بجا لانے کی ہدایت نہیں کی اور اپنی تقلید سے ہلاک کرنے والی تاریکیوں میں نہیں ڈالا، اور سنت کی متابعت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں بتایا اور صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کے سوا کچھ ہدایت نہیں فرمائی۔ اسی وجہ سے ان بزرگوں کا سلسلہ بلند ہو گیا اور ان کے وصول کا ایوان رفیع ہو گیا۔ یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے سماع و رقص کو ٹھکرا دیا ہے اور وجد و تواجد کو انگشتِ شہادت سے دو ٹکڑے کر دیا ہے ——————

—————— دوسروں کا مکشوف و مشہود ان بزرگوں کے نزدیک ماسوا میں داخل ہے اور ان کا معلوم و متخیل نفی کے قابل ہے۔ ان بزرگوں کا معاملہ دید و دانش سے ماوراء ہے، اور معلوم و متخیل سے بھی ماوراء ہے اور تجلیات و ظہورات سے بھی ماوراء ہے اور مکاشفات و معائنات سے بھی ماوراء ہے ——————

دوسروں کا اہتمام (معاملہ) اثبات میں ہے اور ان بزرگوں کی ہمت ماسوا کی نفی میں ہے ——————

دوسرے حضرات کلمۂ طیبہ (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ) کی نفی و اثبات کا تکرار اس لئے کرتے ہیں کہ اثبات کے دائرے میں وسعت پیدا کریں اور تمام عالم جو غیریت کے عنوان سے پیدا ہوا ہے کلمۂ توحید کی تکرار کی وجہ سے حقیقت کے عنوان سے منکشف ہو جائے اور سب کو حق دیکھیں اور حق تعالیٰ و تقدس کو پائیں۔ بخلاف ان بزرگوں کے کہ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تکرار سے ان کا مقصود نفی کے دائرہ کی وسعت ہے

تاکہ جو کچھ مشہود و مکشوف اور معلوم و متخیل ہو سب کو لا کے تحت داخل کر کے اثبات کی جانب میں کوئی چیز ملحوظ و منظور نہ ہو اگر بالفرض اثبات (الا اللہ) کی جانب میں کوئی چیز ظاہر ہو جائے تو اس کو بھی نفی کی طرف راجع کرنا چاہئے۔ اور مقام اثبات میں کلمہ مستثنیٰ (اللہ) کے تکلم کے سوا کچھ بھی حصہ میں نہ رہے ——— لہٰذا نفی و اثبات کا ذکر دوسرے طریقوں میں بتدیوں کے حال کے مناسب ہوتا ہے اور ذکر اللہ جو محض کلمہ اثبات ہے اس کے بعد مناسب ہے تاکہ مکشوف کا ثبت اس کلمہ اثبات کی تکرار سے قرار پائے اور دوام پیدا کرے بخلاف ان اکابر (نقشبندیہ) کے کہ ان کا معاملہ برعکس ہے (ان کے ہاں) اول اثبات ہے پھر اس اثبات و استقرار کی نفی ہے۔ لہٰذا اسم اللہ کا ذکر اس طریقے میں ابتداءً مناسب ہے اور نفی و اثبات کا ذکر بعد میں صورت پیدا کرتا ہے۔

سوال: اگر کوئی ناقص یہ کہے کہ اس تقدیر (صورت) میں اس طریقے کے اکابرین کو مقام اثبات سے کوئی حصہ نہ ہوگا اور نفی کے سوا ان کے وقت کی دولت کچھ نہیں ہو گی۔

جواب: ہم یہ کہتے ہیں کہ دوسروں کا اثبات ان بزرگوں کو ابتدائے حال ہی میں میسّر آجاتا ہے لیکن وہ بلند ہمتی کی وجہ سے اس طرف التفات نہیں کرتے بلکہ شایانِ نفی جانتے ہوئے اس کی نفی کرتے ہیں اور مطلوب مثبت کو اس کے وراء الوراء جانتے ہیں۔ لہٰذا دوسروں کا اثبات بھی ان کو میسر ہے اور نفی بھی جو کہ مقامِ کبریائی کے مناسب ہے ان کو حاصل ہے۔ ہر بے سرانجام و ناقص کو ان کا سراغ نہیں ملتا اور ہر بوالہوس کو ان کے معاملے کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتی۔ ان اکابرین کے عدمِ حصول کا تھوڑا سا حصہ جو اس مقام میں نفسِ حصول سے بیان کیا گیا ہے۔ اگر ان اکابرین کے حصول کے بارے میں لب کشائی کی جائے تو خواص بھی عوام سے ملحق ہو جائیں اور منتہی بتدیوں کے مانند الف بے کا سبق اختیار کر لیں ؎

فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست ہم قصۂ غریب وحدیثِ عجیب ہست

(بات حافظ کی خواہ مخواہ نہیں قصہ اور بات ہی کچھ ایسی ہے)

اور ذات تعالیٰ و تقدس کا مراقبہ جو دوسروں نے اختیار کیا ہے، ان (حضراتِ نقشبندیہ) کے نزدیک محلِ اعتبار سے ساقط اور بے حاصل ہے۔ اور مراقبہ کرنے والے کو اس مقام میں ظلال میں سے ایک ظل کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں بہت بلند ہے)

وہ ذات تعالیٰ بلکہ اس سبحانہ کی اسماء و صفات بھی ہمارے فکر و مراقبے کے احاطہ سے باہر ہیں، اس مقام سے سوائے جہل و حیرت کے کچھ حاصل نہیں اور وہ جہل و حیرت نہیں جس کو لوگ جہل و حیرت جانتے ہیں کیونکہ وہ تو مذموم ہے بلکہ اس مقام کی جہل و حیرت عین معرفت و اطمینان ہے اور ایسا معرفت و اطمینان نہیں جو لوگوں کی فہم میں آسکے کیونکہ وہ چون کی قسم سے ہے اور بے چونی سے بے نصیب ہے۔ اس مقام میں ہم جو کچھ ثابت کریں گے وہ بے چون ہوگا خواہ جہل سے اس کو تعبیر کریں یا معرفت سے۔ مَنْ لَمْ يَذُقْ لَمْ يَدْرِ (جس نے (مزہ) چکھا ہی نہیں وہ کیا جانے)۔

اور نیز ان بزرگوں کی توجہ احدیت ذات تعالیٰ و تقدس کی طرف ہے اور یہ حضرات اسم و صفت سے سوائے ذات تعالیٰ و تقدست کے کچھ نہیں چاہتے اور دوسروں کی طرح ذات سے صفات کی طرف نیچے نہیں آتے اور بلندی سے پستی کی طرف نہیں اُترتے ———— عجیب کاروبار ہے کہ اس گروہ میں سے ایک جماعت نے اسم اللہ کا ذکر اختیار کر کے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ صفات کی طرف نیچے آجاتے ہیں اور سمیع، بصیر اور علیم (کی صفات) کا ملاحظہ کرتے ہیں اور پھر عروج کے طریق پر علیم و بصیر اور سمیع سے اسم اللہ کی طرف جاتے ہیں وہ صرف اسم اللہ پر کفایت کیوں نہیں کرتے اور اپنی توجہ کا قبلہ احدیت ذات تعالیٰ کے سوا (کیوں) نہیں بناتے: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (زمر آیت ۳۶ ۳۹) (کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے) نصِ قاطع ہے ———— اور آیۂ کریمہ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (انعام آیت ۹۱ ۶) (کہو اللہ پھر ان کو چھوڑ دو) اس مضمون کی تائید کرتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس طریقۂ عالیہ کے بزرگوں کی نظرِ ہمت بہت بلند واقع ہوئی ہے، کسی ریاکار اور رقاص کے ساتھ ان حضرات کو کوئی نسبت نہیں اسی لئے دوسروں کی انتہا ان کی ابتدا میں درج ہو گئی ہے اور اس طریقے کا مبتدی دوسرے طریقوں کے منتہی کا حکم رکھتا ہے اور ابتدا ہی سے ان کا سفر وطن میں مقرر ہو چکا ہے اور خلوت در انجمن ان کو حاصل ہو گئی ہے اور دوام حضور ان کے وقت کی دولت بن گئی ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ طالبوں کی تربیت ان کی صحبتِ عالیہ سے وابستہ ہے اور ناقصوں کی تکمیل ان کی توجہ شریف سے متعلق ہے، ان کی نظر امراضِ قلبی کو شفا بخشتی ہے اور ان کا التفات باطنی امراض کو دور کرتا ہے، اور ان کی ایک توجہ ستر چلوں کا کام کرتی ہے اور ان کا ایک التفات سالہا سال کی ریاضات و مجاہدات کے برابر ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند　　کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

(راہِ پنہاں سے نقشبندی بزرگ　　قافلے کو حرم میں لاتے ہیں)

اے سعادت کے نشان والے! اس بیان سے کوئی یہ وہم نہ کرے کہ یہ اوصاف و شمائل اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے تمام اساتذہ (پیروں) اور تلامذہ (مریدوں) کو حاصل ہیں، ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ یہ شمائل اس طریقۂ عالیہ کے ان اکابرِ اکابرین کے ساتھ مخصوص ہیں جنھوں نے اپنے کام کو نہایت النہایت تک پہنچا دیا ہے اور مبتدیانِ رشید (سمجھ دار مبتدیوں) نے ان اکابر کے ساتھ اپنی نسبتِ ارادت درست کی ہوئی ہے اور آداب کی رعایت بجا لائے ہیں ان کے حق میں اندراجِ نہایت در بدایت (انتہا کا ابتدا میں درج ہونا) ثابت ہے بخلاف اس طریقے کے اس مبتدی کے جو شیخ ناقص کے ذریعے پہنچا ہے کہ نہایت کا اندراج اس کے حق میں متصور نہیں کیونکہ اس کا شیخ بھی انتہا کو نہیں پہنچا، لہٰذا مبتدی کے حق میں نہایت کا حصول کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ ع

از کوزہ بروں ہماں تراود کہ در وست　　(کوزہ سے وہی آئے جو اس میں جا سمائے)

اے شرافت کے نشان والے! ان اکابر کا طریقہ اصحابِ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے اور یہ اندراجِ نہایت در بدایت اُسی اندراج کا اثر ہے جو ان کو حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں میسر ہوا، کیونکہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی ہی صحبت میں وہ کچھ میسر ہو جاتا تھا جو دوسروں کو انتہا میں بھی کم میسر ہوگا۔ اور یہ فیوض و برکات وہی فیوض و برکات ہیں جو قرنِ اوّل میں ظہور پذیر ہوئے تھے اگرچہ ظاہر میں آخر اول سے وسط کی نسبت دور ہے۔ لیکن حقیقت میں آخر وسط کی نسبت اول سے زیادہ نزدیک ہے اور اس کے رنگ میں رنگین ہے، متوسط حضرات اس کا یقین کریں یا نہ کریں۔ بلکہ متاخرین میں سے بھی اکثر بزرگوں کو معلوم نہیں کہ اس معاملہ کی حقیقت تک پہنچتے ہیں یا نہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی (اور سلام ہو آپ پر اور ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر جو حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات العلی کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کرلے)

حاجی محمد فرکتی[1] کی طرف صادر فرمایا ــــ ان کے مکتوب کے جواب میں جس میں انھوں نے آرزو کی تھی کہ مجھے تمام ذرات میں مشاہدۂ جمال لایزال میسر ہو جائے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــ جو گرامی نامہ آپ نے کمال اخلاص و محبت سے ارسال کیا تھا بہت زیادہ فرحت و خوشی کا باعث ہوا ــــ رابطہ کی نسبت آپ کو ہمیشہ صاحبِ رابطہ (شیخ) کی نسبت کے ساتھ رکھتی ہے اور فیوض و انعکاسی کا واسطہ بنتی ہے، لہٰذا اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر بجالانا چاہئے۔ اور قبض و بسط دونوں اس راہ کی پرواز کے دو بازو ہیں، پس قبض سے دل گیر اور بسط سے مسرور نہ ہوں۔

آپ نے آرزو ظاہر کی تھی کہ تمام ذرات میں مشاہدۂ جمال لایزال میسر ہو جائے ــــ اے محبت کے اطوار والے! بندہ کو آرزو سے کیا کام، اور اس کی آرزو اس کی اپنی فہم قاصر کے اندازے کے مطابق ہوگی۔ جمالِ لایزال کا ذرات کے آئینے میں مشاہدہ کرنا کوتاہ نظری کے باعث ہے، ذرات کی کیا مجال کہ اس جمال کی آئینہ داری کریں۔ ذرات کے آئینے میں جو کچھ مشہود ہوتا ہے وہ اس جمال بے نہایت کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور اس تعالیٰ کو وراء الوراء تلاش کرنا چاہئے اور آفاق و انفس کے دائرے سے باہر تلاش کرنا چاہئے۔

وہ نسبت جو فی الحال آپ رکھتے ہیں آپ کی تمنا سے بالاتر ہے، لوگوں کی تقلید کرکے ہرگز پستی کی طرف رغبت نہ کریں اور بلندی سے پستی کی طرف آنے کی تمنا کریں، ان بزرگوں کا کاروبار بلند ہے اِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْهِمَمِ (بیشک اللہ سبحانہٗ بلند ہمت لوگوں کو پسند فرماتا ہے) ــــ اَلْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ جَمْعِیَّتُکُمُ الصُّوْرِیَّةُ وَالْمَعْنَوِیَّةُ وَالسَّلَامُ (اللہ سبحانہٗ سے آپ کے لئے ظاہری و باطنی اطمینان کے لئے دعا ہے۔ والسلام)۔

---

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳۵ پر گذر چکا ہے۔

خواجہ محمد شرف الدین حسین[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ ہر عمل جو بھی روشن شریعت کے مطابق کیا جائے ذکر میں داخل ہے اگرچہ خرید و فروخت ہی ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ گرامی نامہ جو آپ نے فرزندی اعزی مولانا عبدالرشید اور مولانا جان محمد کے ہمراہ ارسال کیا تھا موصول ہوا اور نذر کی رقم بھی وصول ہوئی۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ خَیْرًا (اللہ سبحانہٗ آپ کو اس کی اچھی جزا عطا فرمائے) ـــــ آپ کی صحت کی خبر سن کر بہت خوشی حاصل ہوئی۔

اے فرزند! فرصت، صحت اور فراغت کو غنیمت جاننا چاہئے اور ہمیشہ اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں مصروف رکھنا چاہئے۔ ہر وہ عمل جو روشن شریعت کے مطابق کیا جائے ذکر میں داخل ہے اگرچہ وہ خرید و فروخت ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا تمام حرکات و سکنات میں احکامِ شرعیہ کی رعایت کرنی چاہئے تاکہ سب کام ذکر (کے حکم میں) ہو جائیں۔ کیونکہ ذکر سے مراد غفلت کا دور ہونا ہے اور جب تمام افعال میں اوامر و نواہی کو مدِ نظر رکھا جائے تو ان اوامر و نواہی کا حکم دینے والے (حق تعالیٰ) کی (یاد کی) غفلت سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور اس تعالیٰ کے ذکر پر دوام حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ دوامِ ذکر حضرات خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی "یادداشت" سے ایک الگ چیز ہے کیونکہ وہ یادداشت حضرت باطن تک منحصر ہے اور اس دوامِ ذکر کا اثر ظاہر میں بھی جاری ہے اگرچہ دشوار ہے۔ وَفَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ بِمُتَابَعَۃِ صَاحِبِ الشَّرِیْعَۃِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ۔

عرفان پناہی میرزا حسام الدین احمد[2] کی طرف ارسال فرمایا ـــــ ان کے خط کے جواب میں

---

[1] آپ کے نام آٹھ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۴۶ پر گزر چکا ہے۔
[2] آپ کے نام سولہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ پر ملاحظہ ہو۔

جس سے جانب داری کی بو آتی ہے اور اس بیان میں کہ ذکر کی تلقین کرنا بچوں کو الف ب کی طرح تعلیم دینا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــــ مکتوب گرامی جو آپ نے از راہِ کرم کشمیری قاصد کے ہمراہ ارسال کیا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ اس میں وہاں کے لوگوں کی خیر و عافیت کا ذکر تھا اس لئے اور بھی زیادہ خوشی کا باعث ہوا جزاکم اللہ سبحانہٗ خیرًا۔

اس (خط) میں تحریر تھا کہ مخدوم زادۂ کلاں[1] (خواجہ عبید اللہ) اور خواجہ جمال الدین حسین نے چونکہ میاں شیخ اللہ داد[2] سے تلقینِ ذکر کی شرم کے باعث آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے ــــــ ــــــ میرے مخدوم! اس قسم کی باتوں سے اب بھی جانب داری کی بو آتی ہے اور اس طرح کی طرز و وضع سے بیگانگی اور مخالفت مفہوم ہوتی ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ (بقرہ آیۃ ۱۵۶) (ہم اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) ــــــ مخدوم زادۂ کلاں (خواجہ عبید اللہ) کو چاہئے تھا کہ اپنے والد بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہؒ) کی وصیت کی شرم کرتے اور اس توجہ اور افادہ کی شرم کرتے جو حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہؒ) کے حضور میں (دونوں مخدوم زادوں کو) ان کے حکم کی بجا آوری میں واقع ہوئی تھی ــــ اور میاں شیخ اللہ داد کو بھی چاہئے تھا کہ باوجود دعوئ پیر پرستی اس قسم کی جرأت و دلیری نہ کرتے اور وصیت و سبقتِ افادہ کا لحاظ کرتے ــــــ آپ نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ حق اور صواب ہوگا لیکن جو مکتوب مخدوم زادۂ کلاں نے اپنے برادرِ عزیز (خواجہ عبداللہ) کے ہمراہ ارسال کیا تھا وہ کمال تواضع اور طلب و شوق کی زیادتی پر مشتمل تھا۔ اور اس مکتوب میں ایسی طرز تحریر ہے جو جنونِ طلب کے بغیر تحریر میں آنی متصور نہیں ہے۔ شاید اس مکتوب کے لکھنے کے بعد ہماری طرف سے برگشتگی و انحراف کی صورت پیدا ہو گئی ہو: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران آیۃ ۸) (اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہدایت عطا فرمانے کے بعد ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر اور ہمیں اپنے حضور سے رحمت عطا فرما بیشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے)۔

---

[1] خواجہ عبید اللہؒ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۶۶ پر گزر چکا ہے۔ خواجہ جمال الدین حسین ولد مرزا حسام الدین کے نام چھ مکتوبات ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے بعد میں حضرت مجددؒ سے رجوع کر لیا ہو ۔ مـا

[2] میاں شیخ اللہ داد، حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے خلفا میں سے ہیں۔ سفر و حضر میں بہت عرصہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں رہے۔ ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۰۴۹ھ میں وفات پائی اور حضرت خواجہؒ کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اگرچہ فقیر جانتا ہے کہ ان (حضرت خواجہ باقی باللہؒ) کی وصیت خالی از حکمت نہ ہوگی اور امید ہے کہ اس وصیت (کی برکت) سے انجام بخیر ہوگا۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ اس قسم کی طلب جس کا مختصر ذکر ان کے خط سے مفہوم ہوتا ہے یکایک ختم ہوجائے اور اس کی بجائے ضد بیٹھ جائے۔ دوستوں اور ہمدردوں کے لئے یہ بات بہت گراں ہے۔ اس مقام پر اہتمام کی ضرورت ہے۔

میرے مکرم! اگر (حق تعالیٰ کا وصول) صرف تلقین سے مکمل ہوجائے تو مبارک ہے لیکن فقیر کے نزدیک ذکر کی تلقین بچوں کو الف و ب پڑھانے کی مانند ہے۔ اگر مجرد اتنی تعلیم سے مولویت کا ملکہ حاصل ہوجائے تو کیا مضائقہ ہے۔ آپ کے کرم والتفات سے توقع ہے کہ طرفداری کے پلہ کو ترک کردیں گے اور سب دوستوں کے ساتھ دوستی میں مساوات رکھیں گے اس سے زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے۔ والسلام

مولانا محمد طاہر بدخشی[1] کی طرف ارسال فرمایا ــــــ شیخ عبد العزیز جونپوری کے ان اعتراضات اور سوالات کے جواب میں جو (پیش نظر دفتر دوم[2]) مکتوب اول میں ان کے نام ہیں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ وہ مکتوب شریف جو آپ نے بڑی مدت کے بعد ارسال کیا تھا موصول ہو کر بہت زیادہ فرحت و خوشی کا باعث ہوا۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو ظاہری و باطنی جمعیت سے آراستہ و پیراستہ رکھے ــــــ اس مدت میں فقیر نے آپ کو تین[3] مکتوبات تحریر کئے، ان میں سے صرف ایک مکتوب آپ تک پہنچ سکا، دُور دراز کا فاصلہ عذر کا باعث ہے ــــــ اور وہ مکتوب بھی جو شیخت مآب شیخ عبد العزیز نے تحریر کیا تھا آپ کے مکتوب کے ساتھ ہی پہنچا اور جو کچھ اس میں درج تھا وضاحت کے ساتھ مطلع ہوا۔

(سوال[1]) اس (شیخ عبد العزیز کے مکتوب) میں تحریر تھا کہ ممکنات کے حقائق جو صورِ علمیہ ہیں اگر عدمات ہوں جو صفات کی ضد ہیں تو یہ بات لازم آتی ہے کہ ان عدمات کا حصول حق تعالیٰ و تقدس کی ذات میں ہو حالانکہ وہ سبحانہٗ اس سے پاک و منزہ ہے ــــــ (جواب) (شیخ موصوف کا) یہ عجیب شبہ ہے۔ شیخ جانتے ہیں کہ حضرتِ حق سبحانہٗ تمام اشیاءِ شریفہ و کثیفہ کو جانتا ہے مگر اس تعالیٰ کی ذات میں ان میں سے

---

[1] آپ کے نام گیارہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ١٢٢ میں گزر چکا ہے۔

کسی چیز کا بھی حصول نہیں ہے اور نہ ہی وہ (تعالیٰ) ان میں سے کسی کے ساتھ متصف ہے۔ ایسی صورت میں حصول کہاں پیدا ہوگا۔

(سوال ۲) اور نیز یہ بھی تحریر تھا کہ حقائقِ ممکنات وجودی و ثبوتی ہونے چاہئیں نہ کہ عدمی، کیونکہ حقائق سے مراد ممکنات کے ارواح و نفوس ہیں ——— (جواب) ہاں! (یہ حقائق) وجود و ثبوتِ علمی رکھتے ہیں جو حقائق کے لئے درکار ہیں۔ شیخ موصوف کو چاہئے کہ یہ اعتراض پہلے شیخ محی الدینؒ (ابنِ عربی) پر کریں جنھوں نے کہا ہے: اَلْاَعْیَانُ مَاشَمَّتْ رَائِحَۃَ الْوُجُوْدِ (اعیان نے وجود کی بُو تک نہیں سونگھی)۔ عجیب معاملہ ہے کہ یہاں حقائق سے ممکنات کے ارواح و نفوس مراد لئے گئے ہیں اور اعیانِ ثابتہ اور معلومات اللہ کو چھوڑ دیا ہے۔

(سوال ۳) اور نیز یہ بھی تحریر تھا کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور اولیاء علیہم الرضوان اور تمام انسان جو ممکنات سے ہیں اگر ان سب کے حقائق عدمات ہوں تو شرافت و کرامت اس بزرگ گروہ سے مسلوب و معدوم ہو جاتی ہے ——— (جواب) کیوں مسلوب و معدوم ہو جاتی ہے جبکہ اس تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ اور قدرتِ کاملہ سے ان عدمات کو اپنی حسنِ تربیت سے اپنے اسماء و صفات کے عکسوں کا آئینہ بنا کر نبوت و ولایت کے شرف سے مشرف فرمایا اور اپنے کمالات کے ظلال سے مزین کر کے معزز و مکرم بنایا ہے۔ چنانچہ انسان کو مَاءٍ مَّھِیْن (حقیر پانی یعنی قطرۂ منی) سے پیدا کر کے بلند درجات پر پہنچا دیا ——— تعجب ہے کہ انسان کی شرف و کرامت کو تو نظر میں لاتے ہیں اور واجب تعالیٰ و تقدس کی تنزیہ و تقدیس کو ہاتھ سے کھو بیٹھے ہیں اور "ہمہ اوست" (سب کچھ وہی ہے) کہتے ہیں۔ اور اشیاءِ خسیسہ و رذیلہ کو حق تعالیٰ و تقدس کا عین کہتے ہیں اور اس مقولہ (ہمہ اوست) سے اجتناب نہیں کرتے، اور حقائقِ عدمیہ کو خاص انسان کے لئے تجویز نہیں کرتے اور اس سے اجتناب رکھتے ہیں۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان کو انصاف (کی توفیق عطا) فرمائے۔

سوال ۴) اور نیز یہ بھی درج تھا کہ سخنِ اجماعی (ہمہ اوست) کو سخنِ ابداع (اختراعی بات، یعنی ہمہ از وست) سے رد نہیں کر سکتے ——— (جواب) ہم تو مقولہ "ہمہ اوست" کو ابداع و اختراع (نئی ایجاد) جانتے ہیں کیونکہ مقولہ "ہمہ از وست" پر تمام علماء کا اتفاق و اجماع ہے۔ صاحبِ فصوص پر جو ملامت و مذمت آج تک جاری ہے وہ اسی مقولہ "ہمہ اوست" کی وجہ سے ہے۔ اور اس فقیر نے جو قدرے

معارف لکھے ہیں ان کا حاصل "ہمہ از دوست" ہے جو شرع و عقل کے نزدیک قابلِ قبول ہے اور کیوں (مقبول) نہ ہو جبکہ کشف و الہام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

شیخ مشارٌ الیہ (عبدالعزیز) نے اعتراضات کا ذکر کرنے کے بعد از راہِ شفقت لکھا ہے کہ اگر ممکنات کے حقائق کو ارواحِ انسانی تسلیم کرلیں تو جمہور کے موافق ہے۔ (معلوم نہیں کہ) اس سے جمہور کی کونسی قسم مراد لی گئی ہے کیونکہ اس وقت تک سننے میں نہیں آیا کہ حقائقِ ممکنات کو کسی شخص نے بھی ارواحِ انسانی کہا ہو ——— تعجب اور سخت تعجب ہے کہ شیخ موصوف نے یہ خیال کر لیا ہے کہ ہر شخص اپنے قیاس و تخمین سے بات کرتا ہے اور اپنے فکر و خیال ہی سے تانا بانا بُنتا ہے، ہرگز ایسا نہیں ہے۔ جو معارف کشف و الہام کے بغیر گفتگو اور تحریر میں آئیں اور شہود و مشاہدہ کے بغیر تحریر و تقریر میں سمائیں وہ بہتان و افترا ہیں، بالخصوص جبکہ قوم (شرع) کے مخالف ہوں۔ شیخ موصوف (نہ جانے) کس قسم کا اعتقاد رکھتے ہیں اور ان معارف کو کونسی قسم سے سمجھتے ہیں: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ (آل عمران آیۃ ۱۴۷)

(اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں میں ہماری زیادتیوں کو بخش دے اور ہمارے قدموں کو (اپنے دین پر) قائم رکھ اور کافروں (کے مقابلے) پر ہماری مدد فرما) وَالسَّلَام

مولانا محمد صادق کشمیری[۱] کی طرف ان کے سوالات کے جواب میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ چونکہ احوالِ پسندیدہ پر متضمن تھا اس لئے فرحت کا باعث ہوا۔

(سوال ۱) آپ نے لکھا تھا کہ وراثیت (حق تعالیٰ کے وراء الوراء ہونے) کا معاملہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ صفات کو اس تعالیٰ و تقدس پر حمل کرنا گراں معلوم ہوتا ہے، اور اس سبحانہٗ کو ان سب سے ماوراء جانتا ہے ——— (جواب) کوشش کریں کہ یہ حمل تکلف کے ساتھ بھی میسر نہ ہو، اور معاملہ حیرتِ صرف کے ساتھ انجام پذیر ہو۔

---

[۱] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۸۱ نیز دفتر دوم مکتوب ۲۲ پر گذر چکا ہے۔

(سوال ۲) آپ نے دریافت کیا تھا کہ "رشحات[1]" میں بابا آب ریزؒ سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے روز ازل میں حضرت آدمؑ کی مٹی گوندھی تھی تو میں اس پر پانی ڈالتا تھا۔ اس کی تاویل کیا ہے؟ —— (جواب) جاننا چاہئے کہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طینت (مٹی) کی خدمات میں جس طرح ملائکہ کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو دخل دیا گیا تھا اسی طرح شاید اس (بابا آب ریز) قدس سرہ کو دخل دیا گیا ہو اور پانی ڈالنے کی خدمت اس کے سپرد کی ہو پھر اس کی جسمانی خلعت کے بعد بلکہ اس کے کمال کے بعد اس باطنی کیفیت کی اس کو اطلاع دی گئی ہو ——

یہ بات ممکن ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ ارواحِ مجردہ کو ایسی قدرت عطا کرے کہ ان سے افعالِ اجسام صادر ہوں۔ اور اسی قسم کی وہ باتیں بھی ہیں جن میں بعض اکابرین نے اپنے افعالِ شاقہ کی خبر دی ہے جو ان کے وجودِ عنصری میں آنے سے کئی قرن پہلے صادر ہوئے تھے، اور ان افعال کا صادر ہونا ان کی ارواحِ مجردہ سے تھا اور اس معنی کی اطلاع ان کو وجود عنصری میں آنے کے بعد ہوئی —— ایک گروہ اس قسم کے افعال صادر ہونے کی وجہ سے تناسخ کے وہم میں پڑ جاتا ہے، ہرگز ایسا نہیں ہے کہ کسی کا کسی دوسرے جسم کی روح سے تعلق ہوا ہو۔ یہ روحِ مجرد ہی ہے جو خداوند جل سلطانہٗ کی قدرت سے بدن کا کام انجام دیتی ہے اور کج رو لوگوں کو ضلالت وگمراہی میں ڈال دیتی ہے۔ اس مقام میں گفتگو کی بہت گنجائش ہے اور عجیب وغریب تحقیقات فائض ہوئی ہیں۔ اگر توفیق ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ تحریر کی جائیں گی۔ فی الحال وقت نے مساعدت نہیں کی۔

(سوال ۳) اور نیز آپ نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ صاحبِ رشحات نے لکھا ہے کہ جب خواجہ علاؤ الدین قدس سرہٗ نے مولانا نظام الدین خاموش سے رنجیدہ خاطر ہو کر ان کی نسبت کو سلب کرنے کا ارادہ کیا تو مولانا نے اس وقت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت سے التجا کی لورا آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا خطاب حضرت خواجہ (علاء الدینؒ) کو پہنچا کہ نظام الدین ہمارا ہے کسی کو اس پر تصرف کی مجال نہیں —— اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے مولانا (نظام الدین) کے بڑھاپے کے زمانے میں ان کی نسبت کو سلب کر لیا۔ اس پر مولانا نے کہا کہ خواجہ نے ہم کو بوڑھا پاکر جو کچھ ہمارے پاس تھا لے لیا اور آخر کار ہم کو مفلس کر دیا۔ —— یہ بات کس طرح ہو سکتی ہے جبکہ حضرت رسالت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کسی کو اپنا بنا کر

[1] رشحات عین الحیات از تصنیف شیخ علی بن حسین الواعظ الہروی متوفی سنہ ۹۳۹ھ

یہ فرمائیں کہ کسی کو اس پر تصرف کی مجال نہیں۔ پھر حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے کس طرح ان پر تصرف حاصل کر لیا ——— (جواب) جاننا چاہئے کہ ہمارے خواجہ (باقی باللہ قدس سرہٗ) نے اس نقل کو پسند نہیں فرمایا اور مولانا کی نسبت کے سلب کرنے کے بارے میں توقف کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مولانا سعد الدین کاشغری جو مولانا نظام الدین کے مرید ہیں اور مولانا عبد الرحمٰن (جامی) اور ان کے علاوہ بہت سے مرید ہیں لیکن کسی نے بھی اس کی نقل کے متعلق لب کشائی نہیں کی اور اس کے رد و قبول کا ذکر تک نہیں کیا تو مولانا فخر الدین علی (صاحب رشحات) نے اس نقل کو کہاں سے لکھا۔ اگر اس خبر میں کوئی صداقت ہوتی تو یہ تواتر کے ساتھ نقل ہوتی، چونکہ اس کے نقل کے اسباب بظاہر بہت تھے اور جب یہ نقل تواتر کے ساتھ نہیں ہوئی اور صرف خبرِ واحد کے درجے تک رہ گئی تو معلوم ہوا کہ اس کے صدق میں تردد ہے۔ اور صاحبِ رشحات کی بعض دوسری نقلیں اور روایات بھی صدق سے دور ہیں۔ اور اس سلسلۂ عالیہ (نقشبندیہ) کے بزرگ ان کے نقل کرنے میں تردد رکھتے ہیں، اور اللہ سبحانہٗ بہتر جاننا ہے۔

ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ مفلس بنانا ایمان سلب کرنے پر دلالت کرتا ہے ——— اللہ سبحانہٗ ہم کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے، اور یہ معنی تجویز کرنا بہت مشکل ہے: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ (آل عمران آیت ۸) (اے ہمارے پروردگار! ہدایت دینے کے بعد تو ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر اور اپنے حضور سے ہم پر رحمت نازل فرما، بیشک تو بہت عطا کرنے والا ہے)۔

فضیلت پناہ شیخ عبد الحق (محدث) دہلوی[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ اس دنیا کا بہترین سامان رنج و غم ہے اور اس دسترخوان کی سب سے لذیذ نعمت الم و مصیبت ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— میرے مخدوم و مکرم! مصائب کے آنے میں اگرچہ بڑی تکلیف و ایذا برداشت کرنی پڑتی ہے لیکن ان پر بڑی کرامت اور مہربانی کی امید ہے اس جہان کا بہترین اسباب

[1] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں ایک یہی اور دوسرا دفتر اول مکتوب ۱۱۵ اور آپ کا تذکرہ اسی پر ملاحظہ ہو۔
نیز مولانا نصر اللہ قند معاری اور مولانا نسیم احمد امروہوی لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ عبد الحق محدثؒ نے مخدوم زادوں کی طاعون میں رحلت پر حضرت مجددؒ کی خدمت میں جو تعزیت نامہ لکھا تھا اس کے جواب میں حضرت مجددؒ نے یہ مکتوب تحریر فرمایا۔

حزن واندوہ ہے اور اس دسترخوان کی خوش گوار نعمت مصیبت والم ہے۔ ان شکرپاروں پر دوائے تلخ کا باریک غلاف چڑھایا ہوا ہے اور اس حیلہ سے ابتلا و آزمائش کا راستہ کھولا گیا ہے۔ سعادت مند حضرات ان کی شیرینی پر نظر کر کے اس تلخی کو شکر کی طرح کھاتے ہیں اور تلخی کو صفراوی مزاج والے کے برعکس شیریں محسوس کرتے ہیں۔ اور شیریں کیوں نہ سمجھیں جبکہ محبوب کے تمام افعال شیریں ہوتے ہیں۔ شاید وہی مریض ان کو تلخ محسوس کرے گا جو غیر اللہ (کی محبت) میں گرفتار ہے لیکن معنوی دولت والے حضرات محبوب کی جانب سے رنج والم میں جسقدر حلاوت و لذت پاتے ہیں اس کے انعام میں (وہ لذت) ہرگز نہیں پاتے۔ اگرچہ دونوں محبوب ہی کی طرف سے ہیں لیکن ایلام (رنج پہنچانے) میں محب کے نفس کا دخل نہیں ہوتا اور انعام میں اپنے نفس کی مراد بھی پوری ہو جاتی ہے ؎

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا (مبارک منعموں کو ان کی نعمت)

اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ (اے اللہ ان (مرحومین کے صبر) کے اجر سے ہم کو محروم نہ رکھنا اور ان کے بعد ہم کو آزمائش میں مبتلا نہ کرنا) —— اس ضعفِ اسلام کے زمانے میں آپ کا وجودِ شریف اہلِ اسلام کے لئے غنیمت ہے۔ اللہ سبحانہٗ آپ کو سلامت و قائم رکھے۔ والسلام

## مکتوب ۳۰ سی ام

خواجہ محمد اشرف[1] اور حاجی محمد فرکتی[2] کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا اور ان کے دو سوالوں کے جواب میں، ایک نسبتِ رابطہ کی مشق اور دوسرا فتورِ مشغولی کے بارے میں تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) —— مکتوبِ گرامی جو بہت عزیز و شریف دو بھائیوں نے ارسال کیا تھا موصول ہوا اور کیفیاتِ احوال جو اس درج تھیں پوری طرح واضح ہوگئیں —— خواجہ محمد اشرف نے نسبتِ رابطہ (تصورِ شیخ) کی مشق کے بارے میں لکھا تھا کہ اس حد تک غالب ہو گئی ہے کہ نماز میں اس کو اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہے، اور اگر بالفرض اس کی

---

[1] خواجہ محمد اشرف کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۱ پر گذر چکا ہے۔
[2] حاجی محمد فرکتی کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳۵ پر گذر چکا ہے۔

نفی کرنا چاہے تو وہ رابطہ نفی نہیں ہوتا ـــــــــــ اے محبت کے نشان والے! طالبانِ حق جل و علا اسی دولت کی تمنا کرتے ہیں مگر ہزاروں میں سے کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کیفیت والا شخص صاحبِ استعداد اور کامل مناسبت والا ہوتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ وہ شیخ مقتدا کی تھوڑی سی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کر لے ـــــــــــ اور رابطۂ (شیخ) کی نفی کی کیا ضرورت ہے کیونکہ وہ تو مسجود الیہ ہے نہ کہ مسجود لہ۔ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے۔ اس قسم کی دولت کا ظہور سعادت مندوں کو حاصل ہوتا ہے تاکہ وہ تمام احوال میں صاحبِ رابطہ (مرشد) کو اپنا وسیلہ جانیں اور تمام اوقات میں اسی کی طرف متوجہ رہیں۔ نہ کہ ان بدبخت لوگوں کی طرح جو اپنے آپ کو مستغنی (رابطۂ شیخ سے بے نیاز) جانتے ہیں اور اپنی توجہ کے قبلہ کو اپنے شیخ کی طرف سے ہٹا لیتے ہیں اور اپنے معاملے کو خراب کر لیتے ہیں ـــــــــــ دوسرے یہ کہ آپ نے اپنے فرزندوں کی والدہ کی وفات کی خبر لکھی تھی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (بقرہ آیت ۱۵۶) (ہم اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) فاتحہ پڑھی گئی اور دورانِ فاتحہ قبولیت کا اثر محسوس ہوا۔

مولانا حاجی محمد نے اظہار کیا تھا کہ تقریباً دو ماہ گزر گئے کہ (ذکر کی) مشغولی میں کچھ سستی و خرابی واقع ہو گئی ہے اور وہ ذوق و حلاوت جو پہلے حاصل تھا اب نہیں رہا ـــــــــــ اے محبت کے نشان والے! اگر دو چیزوں میں فتور نہیں آیا تو پھر کچھ غم نہیں: (۱) ان میں سے ایک یہ کہ صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی متابعت ہے ـــــ (۲) اور دوسری اپنے شیخ کے ساتھ محبت و اخلاص ـــ ان دونوں چیزوں کے ہوتے ہوئے اگر ہزاروں ظلمتیں اور کدورتیں (قلب پر) طاری ہو جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (انجام کے اعتبار سے) اس کو ضائع نہیں ہونے دیں گے ـــــــــــ اور اگر نعوذ باللہ ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی نقصان پیدا ہو جائے تو پھر خرابی ہی خرابی ہے اگرچہ حضور و جمعیت حاصل ہو، کیونکہ یہ استدراج ہے جس کا انجام خرابی ہے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے بڑی عاجزی و زاری کے ساتھ ان دونوں پر ثابت قدمی و استقامت طلب کرتے رہیں کیونکہ یہی دونوں امر اصل مقصود اور نجات کا مدار ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ الْاِخْوَانِ خُصُوْصًا عَلَى الْمُحِبِّ الْقَدِيْمِ مَوْلَانَا عَبْدِ الْغَفُوْرِ السَّمَرْقَنْدِيِّ (آپ پر اور تمام برادرانِ اسلام خصوصاً ہمارے دوست مولانا عبد الغفور سمرقندی کو سلام مسنون ہو)۔

## مکتوب ۳۱ سی و یکم

خواجہ شرف الدین حسین[1] کی طرف وعظ و نصیحت کے طور پر صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ـــــ اے فرزندِ عزیز! فرصت کے یہ لمحات غنیمت ہیں چاہیئے کہ بیکار کاموں میں صرف نہ ہوں، بلکہ فرصت کے تمام اوقات حق جل و علا کی خوشنودی کے مطابق صرف ہوں ـــــ پانچوں وقت کی نماز جمعیتِ (قلب) کے ساتھ باجماعت اور تعدیلِ ارکان کے ساتھ ادا کریں ـــــ اور نمازِ تہجد کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں ـــــ صبح کے وقت استغفار کو بھی نہ چھوڑیں ـــــ اور خوابِ خرگوش سے لذت حاصل نہ کریں ـــــ اور عارضی و فانی آسائشوں پر فریفتہ نہ ہوں ـــــ موت کے ذکر اور آخرت کے خوف کو اپنا نصب العین بنائیں ـــــ مختصر یہ کہ دنیا سے روگردانی اختیار کریں اور آخرت کی طرف متوجہ رہیں ـــــ اور بقدرِ ضرورت دنیا کے کاموں میں مشغول ہوں اور باقی تمام اوقات کو آخرت کے کاموں کی مشغولی سے معمور رکھیں ـــــ حاصل کلام یہ کہ دل غیر اللہ کی گرفتاری سے آزاد ہو جائے اور ظاہر احکامِ شرعیہ سے آراستہ و مزین ہو جائے۔ ع

کار این ست وغیر این ہمہ ہیچ

باقی احوال بخیر ہیں۔ والسلام

## مکتوب ۳۲ سی و دوم

مرزا قلیج اللہ[2] کی طرف ان کے خط کے جواب میں صادر فرمایا جس میں انھوں نے اپنے باطنی جمعیت کی شکایت کی تھی اور اس کے مناسب بیان میں۔

بعد حمد و صلوٰۃ و تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ جو گرامی نامہ تعزیت کے طور پر آپ نے لکھا تھا موصول ہوا

---

له خواجہ شرف الدین حسین کے نام آٹھ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۴۶ پر گزر چکا ہے۔

۲ مرزا قلیج اللہ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۷ پر گزر چکا ہے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (بقرہ آیت ۱۵۶) (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) ——

اللہ سبحانہٗ کی توفیق سے ہم اس کے حکم پر راضی ہیں آپ بھی راضی رہیں، اور دعا و فاتحہ کے ساتھ ان (مرحومین) کے ممد و معاون رہیں —— دوسرے یہ کہ آپ کی خلاصی کی خبر مسرت و خوشی کا باعث ہوئی اور دو غموں میں سے ایک غم کو تسکین حاصل ہوئی۔ اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا شکر و احسان ہے۔

آپ نے باطنی جمعیت کی شکایت لکھی تھی۔ ہاں بیشک! ظاہری پراگندگی کو تصرفِ باطن میں تاثیرِ عظیم حاصل ہے۔ جب بھی باطن میں کدورت محسوس کریں تو اس کا تدارک توبہ و استغفار سے کر لیا کریں۔ اور جب کوئی خوفناک صورت نمودار ہو تو کلمہ تمجید لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ سے اس کو دفع کریں اور مُعَوِّذَتَیْن (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) کا تکرار کرنا ایسے وقت میں غنیمت ہے —— باقی احوال حمد کے لائق ہیں۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ سبحانہٗ کی حمد اور شکر ہے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اہلِ دوزخ کے حال سے پناہ مانگتا ہوں۔

فقیر پر چونکہ ضعف کا اثر ہے اس بنا پر تفصیلِ احوال میں مشغول نہ ہو سکا حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شاہراہ پر استقامت عطا فرمائے۔ والسلام

مولانا محمد صالح کولابیؒ کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ محبوب ہر حال میں محب کی نظر میں محبوب ہی ہوتا ہے خواہ انعام فرمائے یا ایلام (تکلیف) پہنچائے، بلکہ بہت کم (حضرات ایسے بھی ہیں کہ جن) کے نزدیک انعام سے زیادہ ایلام محبت بخش ہوتا ہے اور شکر پر حمد کی فضیلت اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) —— میرے عزیز بھائی مولانا محمد صالح کو واضح ہو کہ محبوب محب کی نظر میں بلکہ حقیقت الامر میں ہر وقت اور ہر حال میں محبوب ہی ہوتا ہے، اگر ایلام (تکلیف) میں مبتلا کرے تو بھی محبوب ہے اور اگر انعام و مہربانی فرمائے تب بھی محبوب ہے۔ محبت کی دولت سے مشرف ہونے والے

سلہ آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۶۱ پر گذر چکا ہے۔

اکثر اہل اللہ کے نزدیک اس کے ایلام کے مقابلے میں محبوب کے انعام پر (محبوب کی) محبت زیادہ ہوجاتی ہے یا دونوں حالتوں میں محبت برابر ہوتی ہے۔ اور بہت کم اہل اللہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے، ان کے نزدیک (محبوب کی) ایلام رسانی، انعام کے مقابلے میں محبت کی زیادتی کا باعث ہے۔

اس دولتِ عظمٰی کا مقدمۃ الجیش (پیش لفظ) محبوب کے ساتھ "حُسنِ ظن" ہے، حتیٰ کہ اگر محبوب، محب کے گلے پر خنجر چلادے اور اس کے ہر عضو کو دوسرے عضو سے جدا کردے تو بھی اس کو اپنی عین فلاح و بہبود تصور کرے گا۔ اور جب اس حسنِ ظن کے حاصل ہوجانے کی وجہ سے محبوب کے فعل کی کراہت محب کی نظر سے اُٹھ گئی تو محبتِ ذاتی جو حضرتِ حبیب رب العالمین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام نسبتوں اور اعتبارات سے معرا ہے مشرف ہوگیا اور محبوب کے ایلام میں انعام سے زیادہ فرحت ولذت حاصل ہوگئی تو میرے خیال میں یہ مقام، مقامِ رضا سے بھی بالاتر ہے — کیونکہ مقامِ رضا میں محبوب کی ایذار سانی کے فعل کی کراہت کا دُور ہوجانا ہے اور اس مقام میں اس (محبوب) کے فعل سے لذت حاصل کرنا ہے اس لئے کہ محبوب کی جانب سے جسقدر جفا اور ظلم وستم زیادہ ہوگا اسی قدر محب کی جانب میں فرحت وسرور کی زیادتی ہوگی۔ شَتَّانَ مَا بَیْنَھُمَا (ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے) ——— اور جبکہ محبوب، محب کی نظر میں بلکہ نفس الامر میں ہر وقت اور ہر حال میں محبوب ہے تو لازمی طور پر محبوب ہر وقت اور ہر حال میں محب کی نظر میں بلکہ واقع میں اور نفس الامر میں محمود اور ممدوح بھی ہوگا۔ اور محب ایلام وانعام کی دونوں حالتوں میں اس کی مدح کرنے والا اور ثنا خواں ہوگا۔ اس وقت اس محبِ صادق پر لازم ہے کہ وہ صادق و مصدوق کی حالت میں ہوکر کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ عَلٰی کُلِّ حَالٍ (سب تعریفیں ہر حال میں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں)۔ اور یہ محب حقیقی طور پر خوشی اور تکلیف کی حالت میں اللہ سبحانہٗ کی حمد کرنے والوں میں سے ہوجاتا ہے ——

—— شاید شکر پر حمد کی فضیلت اسی وجہ سے ہے، کیونکہ حالتِ شکر میں منعم کا انعام، پیشِ نظر رہتا ہے جو کہ صفت بلکہ فعل کی طرف راجع ہے اور حمد میں محمود کا حسن وجمال ملحوظ ہوتا ہے، خواہ وہ (حسن وجمال) ذاتی ہو یا وصفی یا فعلی ہو، اور خواہ وہ اس کی طرف سے انعام کی شکل میں ہو یا ایلام کی صورت میں۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ کا ایلام میں ڈالنا بھی اس کے انعام کی طرح اچھا اور پسندیدہ ہوتا ہے اس لئے حمد وثنا میں زیادہ بلیغ اور مراتبِ حسن وجمال میں زیادہ جامع اور خوشی وغمی کی دونوں

حالتوں میں زیادہ پائیدار رہے بخلاف شکر کے کہ وہ حمد کے مقابلے میں اپنی کوتاہی کے باعث جلد زائل ہونے والا اور انعام و احسان کے خاتمے کے ساتھ ختم اور معدوم ہو جاتا ہے۔

سوال: تو نے اپنے بعض مکتوبات[1] میں لکھا ہے کہ مقامِ رضا، مقامِ محبت اور مقامِ حُب سے بالاتر ہے۔ اور یہاں (اس مکتوب میں) یہ تحریر ہے کہ مقامِ محبت مقامِ رضا سے بالا ہے۔ ان دونوں کے درمیان موافقت اور مطابقت کس طرح پر ہے ———— (جواب).. مقامِ محبت اور مقامِ حُب اُس مقامِ محبت اور مقامِ حُب سے وراء ہے کیونکہ وہ مقام اجمالاً و تفصیلاً نسبتوں اور اعتبارات پر مشتمل ہے اگرچہ اس محبت کو محبتِ ذاتی اور اس حب کو حبِ ذات تصور کرتے ہیں کیونکہ اس مقام میں شیون و اعتبارات کے ملاحظہ سے قطع نظر نہیں ہوتی بخلاف اس مقام کے کہ تمام نسبتوں اور اضافات سے معرا ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا —— اور یہ جو بعض مکتوبات[2] میں درج ہوا ہے کہ مقامِ رضا سے بالا کوئی قدم گاہ نہیں ہے البتہ خاتم الرسل علیہ و علیٰ آلہ کل الصلوات و التسلیمات کے لئے ہے۔ دراصل یہ اس مقام سے مراد ہے جو آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ ہی تمام امور کی حقیقتوں کو بہتر جانتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ ظاہری کراہت و ناپسندیدگی باطن کی رضا کے منافی نہیں ہے اور ظاہری تلخی حقیقی حلاوت کی نفی کرنے والی نہیں ہے کیونکہ عارفِ کامل کی ظاہر اور اس کی صورت کو بشریت کی صفات پر ہی چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ اس کے کمالات کی پردہ پوشی رہے اور ابتلا و آزمائش پیدا کرے اور حق باطل سے ملا جلا رہے۔ عارف کامل کی اس ظاہر صورت کو اس کے باطن اور حقیقت کے ساتھ وہی نسبت ہے جو کپڑے کو پہننے والے شخص کے ساتھ نسبت ہوتی ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ کپڑے کو اس شخص کے ساتھ کس قدر نسبت حاصل ہے (یعنی کپڑا ایک الگ چیز ہے اور پہننے والا ایک علیحدہ حیثیت رکھتا ہے) یہی حال عارف کی صورت کا اس کی حقیقت کے مقابلے میں ہے، لیکن اکثر نادان عارف کی اس صورت کو اپنی طرح بے حقیقت خیال کرتے ہیں، اسی بنا پر وہ (اہل اللہ کا) انکار کر دیتے ہیں اور ان کے فیوض سے بے بہرہ رہ جاتے ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ الْعُلٰی۔ (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات العلیٰ کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا)۔

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۲ [2] دفتر دوم مکتوب ۷

نور محمد تہاری[1] کی طرف صادر فرمایا ــــ ان کے عریضے کے جواب میں جو انہوں نے مختلف احوال کے وارد ہونے کے بارے میں لکھا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ؛ مکتوب شریف جو کثرت سے وارد ہونے والے احوال پر مشتمل تھا موصول ہوا اور وضاحت سے آگاہی ہوئی ــــ جاننا چاہئے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ جس طرح عالم میں داخل نہیں اسی طرح عالم سے خارج بھی نہیں ہے اور جس طرح عالم سے منفصل نہیں اسی طرح عالم کے ساتھ متصل بھی نہیں ہے۔ وہ سبحانہٗ تعالیٰ موجود ہے لیکن یہ تمام صفات، دخول و خروج، اتصال و انفصال اس سبحانہٗ سے مسلوب ہیں لہذا اس سبحانہٗ کو ان چہارگانہ صفات سے خالی تلاش کرنا چاہئے اور ان صفات سے باہر اس تعالیٰ کو پانا چاہئے۔ اگر ان صفات میں سے کسی صفت کی کچھ بھی آمیزش موجود ہے تو وہ ظلال و مثال میں گرفتار ہے، بلکہ بیچونی و بیچگونی کی صفات کے ساتھ جس میں ظلیت کا شائبہ تک نہ ہو اس تعالیٰ کو تلاش کرنا چاہئے اور اس مرتبہ کے ساتھ بیچونی کا اتصال پیدا کرنا چاہئے اور یہ دولت (شیخ کامل کی) صحبت کا نتیجہ ہے، جو کہنے اور لکھنے میں نہیں آسکتا۔ اور اگر لکھا جائے تو کون سمجھے اور کون پائے۔ لہذا اپنے کام میں سرگرم رہیں اور ملاقات کے وقت تک اپنے احوال کی کیفیات کو تحریر کرتے رہیں۔ والسلام

حق تعالیٰ کی حقیقت

پیرزادہ خواجہ محمد عبد اللہ[2] سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان سوالات کے جواب میں صادر فرمایا جو انہوں نے بطورِ خاص توحید اور عین الیقین کے متعلق دریافت کئے تھے اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد جناب مخدوم زادہ کو واضح ہو کہ آپ کا صحیفہ شریفہ موصول ہوا، اس کے مطالعہ سے بہت فرحت حاصل ہوئی۔ اس میں نسبتِ حضور کے شمول

[1] آپ کے نام چھ مکتوبات ہیں اور تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۰ پر گزر چکا۔ [2] آپ کے نام سات مکتوبات ہیں اور تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۶۶ پر ملاحظہ

اور غلبہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہوا تھا بہت نیک و مبارک ہے۔ یہ دولت جو آپ کو تین ماہ میں میسر ہوئی ہے دوسرے سلسلوں میں اگر دس سال میں بھی میسر ہو جائے تو نعمتِ عظمیٰ شمار کرتے ہیں اور امرِ عظیم تصور کرتے ہیں لہٰذا اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ چونکہ معلوم ہے کہ آپ کی فطرت بلند ہے اور اس قسم کے احوال (کی تعریف و تحسین) عُجب وغیرہ سے مبرا ہے اس لئے اس نعمت کا اظہار کیا گیا ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابراہیم آیت ۷) (اگر تم شکر کرو گے تو تم کو بہت زیادہ (نعمتیں) دوں گا) نصِ قاطع ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "توحید کی ابتدا کا ظہور شروع ہو گیا ہے" یہ دولت بھی مبارک ہو۔ اس (نئی وارد ہونے والی نعمت) کو ادب کے ساتھ قبول فرمائیں۔ لیکن اس حال کے غلبہ میں آدابِ شرعیہ کی بہت زیادہ رعایت فرمائیں اور بندگی کے حقوق کما حقہ بجا لائیں ـــــــ اور جاننا چاہیئے کہ یہ شعبدہ صدق و صحت کے اندازہ پر محبوب کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے ہے کیونکہ محب جو کچھ دیکھتا اور جانتا ہے محبوب کے علاوہ نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ جانتا ہے اور جو کچھ بھی لذت و ذوق حاصل کرتا ہے اس کو محبوب ہی کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ایسی صورت میں محب کا مشہود کثرت ہے لیکن وحدت کے عنوان کے ساتھ۔ لہٰذا اس مقام میں فنا متحقق نہیں ہوتی، کیونکہ شہودِ واحد کے غلبہ سے فنا میں کثرت کے شہود کا کلیتہً اٹھ جانا ہے۔ اور اس کو بھی کثرتِ ممکنات کے عدم شہود کی نسبت سے فنا کہتے ہیں۔ ورنہ حقیقتِ فنا اس وقت متحقق ہوتی ہے جب کہ اسما و صفات اور شیون و اعتبارات کی کثرت بھی مکمل طور پر نظر سے پوشیدہ ہو جائے اور ذاتِ مجرد تعالیٰ کی احدیت کے علاوہ کوئی چیز ملحوظ و منظور نہ رہے ـــــــ سیر الی اللہ کے تمام ہونے کی حقیقت اس مقام میں جلوہ گر ہوتی ہے اور اسی مقام میں ظلال کی گرفتاری سے کلیتہً خلاصی کی صورت بنتی ہے، اس وقت معاملہ اصل الاصول سے پڑتا ہے اور دال سے مدلول کی طرف پہنچا تا ہے اور علم سے عین کی طرف اور گوش سے آغوش تک عروج حاصل ہو جاتا ہے اور وصلِ عریاں متحقق ہوتا ہے پھر ایسا ایسا اور ایسا ایسا۔ اس کے آگے وہ مقام ہے کہ جس کو رمز و اشارہ کے بغیر بیان نہیں کیا جا سکتا اور وہ بھی مبہم طریقے پر سر کو آستین میں چھپائے ہوئے۔ (غرض) اس مقام کے بارے میں لب کشائی نہیں کی جا سکتی۔

مخدوم زادہ نے ہم سے عین الیقین کے بارے میں وضاحت طلب کی ہے اور چاہتے ہیں کہ اس عین (الیقین) کو علم میں سمو دیا جائے۔ کام مشکل ہے (فقیر) کیا کرے اور کیا کہے اور کس طرح اس کو ظاہر کرے

اور اس کو معقول بنائے۔ امید ہے کہ مخدوم زادہ از راہ کرم ہمیں معذور قرار دیں گے اور طلبِ علم سے طلبِ حال کی طرف آئیں گے ۔۔۔۔۔ دو سوال جو مخدوم زادہ نے کئے ہیں وہ ان کی بلند فطرتی کی خبر دیتے ہیں۔

ایک سوال تو بطرزِ خاص عین الیقین کے بارے میں تھا جو بیان کیا جا چکا۔ اور دوسرا سوال متشابہاتِ قرآنی کی تاویل کے بیان سے متعلق ہے جو علمائے راسخین کے علم کا حصہ ہے ۔۔۔۔۔ دوسرے سوال کا جواب پہلے سوال کے جواب سے بھی زیادہ دقیق اور پوشیدہ تر ہے اور پوشیدہ رکھنے کے لائق ہے اور ظہور و اظہار کے منافی ہے ۔۔۔۔۔ متشابہات کی تاویل کا علم ان معاملات سے کنایہ ہے جو رسولوں علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے لیکن امتیوں میں سے اقلِ قلیل افراد کو تبعیت اور وراثت کی بنا پر اس علم سے تھوڑا سا حصہ عطا کیا گیا ہے اور اس دنیا میں ان کے جمال سے صرف نقاب اٹھا دیتے ہیں۔ لیکن امید ہے کہ عالمِ آخرت میں امتیوں کا ایک جمِ غفیر بھی اتباع کی وجہ سے اس دولت سے بہرہ مند ہوگا ۔۔۔۔۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں بھی ان قلیل کے علاوہ بعض لوگوں کے لئے جائز ہے کہ اس دولت سے مشرف کر دیں لیکن حقیقتِ معاملہ کا علم نہ دیں اور تاویل کو منکشف نہ کریں۔ مختصر یہ کہ جائز ہے کہ تاویلِ متشابہات بعض کو حاصل ہو لیکن نہیں جانیں کہ کیا حاصل ہے کیونکہ متشابہات جن کا تعلق معاملات کے کنایات سے ہے، جائز ہے کہ معاملہ تو حاصل ہو جائے اور اس معاملہ کا علم میسر نہ ہو۔ اور یہ مطلب (میں نے) اپنے منتسبین میں سے ایک فرد میں مشاہدہ کیا ہے پھر دوسروں کی رسائی کہاں ہو سکتی ہے۔ آپ کے سوال نے اس معاملے کے بارے میں امیدوار کر دیا ہے: رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (تحریم آ ۸) (اے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارے نور کو کامل کر دے اور ہم کو بخش دے بیشک تو ہر شے پر قادر ہے) والسلام

## مکتوب ۳۶
### سی و ششم

خواجہ محمد تقی[1] کی طرف صادر فرمایا ۔۔۔۔۔ امامت کی بحث اور مذہب اہلِ سنت وجماعت اور مخالفین کے مذاہب کی حقیقت اور اس بیان میں کہ اہلِ سنت میانہ روی پر ہیں اور اس افراط و تفریط کے بیان میں جو روافض اور خوارج نے اختیار کی ہے اور آں سرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اہلِ بیت کی مدح و ثنا میں اور اس کے مناسب بیان میں۔

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ۳۶، ۵۸، ۶۰ اسی دفتر دوم میں ہیں، حالات معلوم نہ ہو سکے۔ اندازہ ہوتا ہے آپ امرائے سلطنت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد واضح ہو کہ اہل اللہ کی محبت اور روابط و الفت رکھنا اور اس طائفہ عالیہ کی باتیں سننے کی رغبت کرنا اور اس پاکیزہ طبقہ کے اوضاع و اطوار کی طرف میلان رکھنا اللہ جل سلطانہٗ کی اعلیٰ نعمتوں میں سے ہے اور اس تعالیٰ کی عظیم دولت ہے۔ مخبرِ صادق علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) لہذا ان کا محب ان کے ساتھ ہے اور حریم قرب کے حرم میں ان کا طفیلی ہے۔

توفیق آثار سعادت اطوار فرزندی خواجہ شرف الدین حسین نے ظاہر کیا ہے کہ یہ اوصافِ حمیدہ (جن کا اوپر ذکر ہوا) متفرق تعلقات کے باوجود آپ کے اندر جمع ہیں۔ اور یہ پسندیدہ معانی بے فائدہ گرفتاریوں کے باوجود آپ میں موجود ہیں: لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ (اس پر اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے)۔ آپ کی اصلاح و درستی ایک کثیر جماعت کی اصلاح و درستی کا موجب ہے اور آپ کی فلاح و کامیابی پر بکثرت لوگوں کی فلاح و کامیابی موقوف ہے۔

مشار الیہ (خواجہ شرف الدین حسین) نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ آپ میری باتوں سے آشنا ہیں اور میرے علوم کو سننے کی رغبت رکھتے ہیں۔ اس لئے چند کلمات آپ کی خدمت میں لکھ دیئے جائیں تو بہتر ہے۔ لہذا اُن کی فرمائش کو قبول کرتے ہوئے یہ چند کلمات لکھے جاتے ہیں ——

چونکہ اس زمانے میں امامت کی بحث کا بہت چرچا ہے اور ہر شخص اپنے ظن و تخمین کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔ لہذا ضروری ہوا کہ اس بحث سے متعلق چند فقرے لکھے جائیں اور مذہب اہل سنت و جماعت اور مخالفین کے مذاہب کی حقیقت کو بیان کیا جائے۔

اے شرافت کے نشان والے! اہلِ سنت وجماعت کی علامات میں سے شیخین (حضرت ابوبکر و عمرؓ) کی فضیلت اور ختنین (حضرت عثمان و علیؓ) کی محبت ہے یعنی تفضیلِ شیخین جب ختنین کی محبت کے ساتھ جمع ہو جائے تو یہ اہلِ سنت وجماعت کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور شیخین کی فضیلت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے جیسا کہ اکابرِ ائمہ نے اس کو نقل کیا ہے۔ ان میں سے ایک امام شافعیؒ ہیں۔ اور شیخ ابوالحسن اشعریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی افضلیت بقیہ تمام امت پر قطعی ہے —— اور خود حضرت امیر (علیؓ) سے بھی تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ اپنی خلافت و مملکت کے زمانے میں جمِ غفیر کے روبرو فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ اس امت میں سب سے بہتر ہیں جیسا کہ امام ذہبیؒ نے کہا ہے۔

اور امام بخاریؒ نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت امیر (علیؓ) نے فرمایا کہ پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بہترین انسان ابوبکرؓ پھر ان کے بعد عمرؓ اور ان کے بعد ایک اور آدمی۔ اس پر ان کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ نے دریافت کیا کہ پھر آپ؟۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک مرد ہوں۔

مختصر یہ کہ شیخین کی فضیلت، ثقہ اور معتبر راویوں کی کثرت کے باعث اس حد تک شہرت اور تواتر کو پہنچ گئی ہے کہ اس کا انکار کرنا جہالت کی وجہ سے ہے یا از راہِ تعصب —— اور عبد الرزاق جو اکابرِ شیعہ میں سے ہے اس نے انکار مجال اور جرأت نہ پائی تو بے اختیار فضیلتِ شیخین کا قائل ہو گیا اور کہا کہ "جب خود حضرت علیؓ نے شیخین کو اپنے اوپر فضیلت دی ہے تو میں بھی حضرت علیؓ کے قول کے مطابق حضرت علیؓ پر شیخین کو فضیلت دیتا ہوں، اگر وہ فضیلت نہ دیتے تو میں بھی فضیلت نہ دیتا۔ یہ گناہ کی بات ہے کہ میں حضرت علیؓ کی محبت کا دعویٰ کروں اور پھر ان کی مخالفت بھی کروں۔"

اور چونکہ حضرت ختنین (حضرت عثمانؓ و علیؓ) کی خلافت کے زمانے میں فتنہ و فساد کا بہت ظہور ہوا اور لوگوں کے احوال و معاملات میں بہت زیادہ اختلال پیدا ہو گیا نیز لوگوں کے دلوں میں اس کی وجہ سے بیحد کدورت پیدا ہو گئی اور مسلمانوں کے درمیان عداوت و کینہ نے غلبہ پالیا تو ضرورۃً ختنین کی محبت بھی اہل سنت وجماعت کی شرائط میں سے شمار ہونے لگی تا کہ کوئی جاہل اس آہ سے اصحاب خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بدگمانی نہ کرے اور پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کے ساتھ بغض و عداوت نہ رکھے۔ لہٰذا حضرت امیرؓ کی محبت بھی اہل سنت وجماعت کی شرط ہوئی، اور جو کوئی ان سے محبت نہ کرے وہ اہلِ سنت وجماعت سے خارج ہے اور اس کا نام خارجی ہے اور جو کوئی حضرت امیرؓ کی محبت میں افراط سے کام لے اور حد سے زیادہ ان کی محبت میں غلو اختیار کرے اور اصحابِ حضرت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں سب و شتم کی زبان کھولے اور صحابہ، تابعین اور سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقے کو ترک کرے وہ رافضی کہلاتا ہے ——

—— پس اہل سنت وجماعت (حضرت علیؓ کی) محبت میں اس افراط و تفریط سے جو روافض اور خوارج نے اختیار کی ہے متوسط ہیں اور اس میں شک نہیں کہ حق میانہ روی میں ہے اور افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں —— چنانچہ امام احمد حنبلؒ نے حضرت امیرؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "اے علیؓ تم کو حضرت عیسیٰؑ سے بہت مشابہت ہے کہ یہودی ان کے دشمن ہو گئے حتیٰ کہ

ان کی والدہ ماجدہ (حضرت مریمؑ) پر بہتان تراشی کی، اور نصاریٰ نے ان کی محبت و دوستی میں اس درجہ غلو کیا کہ ان (حضرت عیسیٰ) کو اس مرتبے پر اتارا جو ہرگز ان کے لئے مناسب نہ تھا اور ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا ـــــ اس کے بعد حضرت امیرؓ نے فرمایا کہ دو گروہ میرے معاملے میں بھی ہلاک ہوں گے۔ ایک وہ جو میری محبت میں حد سے زیادہ بڑھ گیا اور جو (وصف) مجھ میں نہیں ہے وہ ثابت کرتا ہے اور دوسرا وہ جو مجھ سے دشمنی رکھتا ہے اور عداوت کی وجہ سے مجھ پر بہتان تراشی کرتا ہے۔" پس خوارج کے حال کو آپ نے یہود کے حال سے تشبیہ دی اور روافض کے حال کو نصاریٰ سے، کہ ان میں سے دونوں حدِ اعتدال سے دُور جا پڑے ہیں ـــــ وہ شخص بہت بڑا جاہل و نادان ہے جو اہلِ سنت وجماعت کو محبانِ حضرت امیرؓ سے نہیں سمجھتا اور حضرت امیر کی محبت کو رافضیوں کے لئے مخصوص کرتا ہے۔ حضرت امیرؓ کی محبت رفض نہیں بلکہ خلفائے ثلاثہ سے اظہار بیزاری اور برا بھلا کہنا رفض ہے اور صحابہ کرام سے بیزار ہونا مذموم اور لائقِ ملامت ہے ـــــ امام شافعیؒ فرماتے ہیں

لَوْ کَانَ رَفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ　　فَلْیَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّیْ رَافِضٗ

(اگر محبتِ آلِ محمدی ہے رفض　　تو رافضی ہوں جنّ و انس سب گواہ رہیں)

یعنی آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت رفض نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں اور اگر اسی محبت کو رفض کہتے ہیں تو پھر رفض مذموم نہیں ہے۔ کیونکہ رفض کی برائی دوسروں پر تبرّیٰ کے باعث ہوتی ہے نہ کہ ان (اہلِ بیت) کی محبت کی وجہ سے۔ لہذا محبانِ اہلِ بیتِ رسول علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات ہی اہلِ سنت ہیں، اور حقیقت میں اہلِ بیت کا گروہ بھی یہی حضرات ہیں ـــ

ـــــ شیعہ جو اہلِ بیتِ رسول علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اہلِ بیت کے گروہ میں شامل کرتے ہیں، اگر اہلِ بیت کی محبت پر ہی اکتفا کرلیں اور دوسروں (یعنی صحابہ) پر تبرّی نہ کریں اور آنحضرت علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب کی تعظیم و توقیر بجالائیں اور ان کے اختلافات و تنازعات کو نیک نیتی پر محمول کریں تو وہ اہلِ سنت میں داخل ہوں گے اور خوارج و روافض سے باہر ہو جائیں گے۔ کیونکہ اہلِ بیت سے محبت نہ رکھنا خروج ہے (یعنی خارجی ہونا ہے) اور صحابہؓ پر تبرا کرنا رفض ہے۔ اور تمام اصحاب کرام کی تعظیم و توقیر کے ساتھ اہلِ بیت سے محبت رکھنا تسنّن (اہلِ سنت) بنتا ہے ـــــ مختصر یہ کہ خروج اور رفض کی بنیاد

پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کے اصحاب سے بغض رکھنے پر ہے اور تسنن کی بنیاد آنحضرت علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کے صحابہ کی محبت پر ہے ــــــــ عقلمند منصف ہرگز بُغضِ صحابہ کو ان کی محبت پر ترجیح نہیں دے سکتا اور پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کی دوستی کی وجہ سے سب کو دوست رکھے گا۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ (رواہ الترمذی) (جس نے ان (صحابہؓ) کو دوست رکھا اس نے میری محبت کی وجہ سے ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا)۔

اب ہم اصل بات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہلِ سنت وجماعت کے حق میں اہلِ بیت کی محبت نہ ہونے کا گمان کس طرح کیا جاسکتا ہے جبکہ یہ محبت ان بزرگوں کے نزدیک جزوِ ایمان ہے اور خاتمہ کی سلامتی کو اسی محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ کیا ہے ــــــــ اس فقیر کے والد بزرگوار (مخدوم شیخ عبد الاحدؒ) جو علمِ ظاہری اور علمِ باطنی کے عالم تھے، اکثر اوقات اہلِ بیت کی محبت کی ترغیب دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو سلامتیٔ خاتمہ میں بہت بڑا دخل ہے لہٰذا اس کی بہت زیادہ رعایت رکھنی چاہئے۔ ان کے مرضِ موت میں یہ فقیر حاضر تھا اور جب ان کا معاملہ آخر اختتام کو پہنچا اور اس جہان کا شعور بہت کم ہوگیا تو فقیر نے اس وقت ان کو یہ بات یاد دلائی، اور اس (اہلِ بیت کی) محبت کے بارے میں استفسار کیا تو (والد بزرگوار نے) اسی بے خودی کے عالم میں فرمایا کہ "میں اہلِ بیت کی محبت میں غرق ہوں"۔ اس وقت میں خدائے عزوجل کا شکر بجالایا ــــــــ اہلِ بیت کی محبت اہلِ سنت وجماعت کا سرمایہ ہے۔ مخالفین (اہلِ سنت وجماعت) اس معنی سے غافل ہیں اور ان کی متوسط و معتدل محبت سے ناواقف ہیں۔ (مخالفین نے) خود ہی افراط کی جانب کو اختیار کیا ہوا ہے پھر افراط کے ماسوا کو تفریط خیال کرکے خروج کا حکم لگادیا ہے اور خارج کا مذہب قرار دیدیا ہے اور یہ نہیں سمجھا کہ افراط و تفریط کے درمیان ایک حدِ وسط بھی ہے جو مرکزِ حق اور جائے صدق ہے کہ وہ اہلِ سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کا حصہ ہے۔

تعجب ہے کہ خوارج کو اہلِ سنت ہی نے قتل کیا اور اہلِ بیت کے دشمنوں کی بیخ کنی بھی انہوں نے کی ہے۔ اس وقت روافض کا نام ونشان بھی نہ تھا اور اگر تھا بھی تو نہ ہونے کے برابر، مگر یہ لوگ اپنے

زعمِ فاسد کی وجہ سے اہلِ بیت سے محبت کرنے والوں کو رفضہ تصور کرتے ہیں اور اہلِ سنت کو روافض کہتے ہیں ——— عجب معاملہ ہے کہ کبھی اہلِ سنت کو خوارج میں سے شمار کرتے ہیں کیونکہ وہ افراطِ محبت نہیں رکھتے اور کبھی ان بزرگوں میں نفسِ محبت محسوس کرکے ان کو روافض جانتے ہیں، لہٰذا وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اہلِ سنت وجماعت کے اولیائے عظام کو جو اہلِ بیت کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور آلِ محمد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی محبت کا اظہار کرتے ہیں روافض خیال کرتے ہیں، اور اہل سنت وجماعت میں سے بہت سے اُن علمائے کرام کو جو اس محبت میں افراط سے روکتے ہیں اور حضرات خلفائے ثلٰثہ کی تعظیم وتوقیر میں کوشش کرتے ہیں "خارجی" جانتے ہیں۔ ان کی ان نامناسب حرکتوں پر افسوس ہزار افسوس! اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنْ اِفْرَاطِ تِلْکَ الْمَحَبَّۃِ وَمِنْ تَفْرِیْطِھَا (محبت کی اس افراط وتفریط سے ہم اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتے ہیں) ——— یہ افراطِ محبت ہی کا نتیجہ ہے کہ خلفائے ثلٰثہ پر تبرٰی کو حضرتِ امیر (علیؓ) کی محبت کی شرط قرار دیتے ہیں۔

انصاف سے کام لینا چاہئے کہ یہ کس قسم کی محبت ہے جس کے حصول کی شرط پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں سے بیزاری اور حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کے اصحاب پر طعن وتشنیع ہو۔ اہلِ سنت کا گناہ یہی تو ہے کہ وہ اہلِ بیت کی محبت کے ساتھ ساتھ آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے تمام صحابہؓ کی تعظیم وتوقیر بھی بجالاتے ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی ان کے تنازعات ومخالفتوں کے باوجود برائی سے یاد نہیں کرتے اور صحبتِ پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کی وجہ سے اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے مصاحبین کی عزت وتکریم کی بنا پر اُن سب کو ہوا وتعصب سے دُور جانتے ہیں اور نیز اہلِ حق کو حق پر اور اہلِ باطل کو باطل پر کہتے ہیں، لیکن اُن کی غلطی کو ہوا وہوس سے دُور جانتے ہوئے رائے واجتہاد کے حوالے کرتے ہیں ——— روافض اہلِ سنت وجماعت سے اس وقت خوش ہوں گے جب اہلِ سنت بھی ان کی طرح دوسرے اصحاب کرام سے بیزاری کا اظہار کریں اور ان اکابرِ دین کے ساتھ بدگمانی اختیار کریں۔ اسی طرح خوارج کی خوشنودی بھی اہلِ بیت کی عداوت اور آلِ محمد علیہ وعلیہم الصلوات والبرکات کے بغض پر وابستہ ہے، رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ (آلعمران آیت ۳) (اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہدایت عطا فرمانے کے بعد ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کیجیو اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بیشک تو بہت بڑا عطا کرنے والا ہے)۔

اہلِ سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے اکابر کے نزدیک پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب آپس کی جنگ اور جھگڑوں کے زمانے میں تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک جماعت نے دلیل اور اجتہاد کی وجہ سے حضرت امیرؓ کی جانب حق ہونا معلوم کر لیا تھا، اور دوسری جماعت بھی دلیل اور اجتہاد کی بنا پر دوسری جانب حق جانتی تھی، اور تیسرا گروہ توقف میں رہا اور اس نے کسی جانب کو بھی دلیل کے ساتھ ترجیح نہ دی ــــ لہذا پہلے گروہ پر اپنے اجتہاد کے موافق حضرت امیرؓ کی جانب مدد واجب ہو گئی، اور دوسرے گروہ پر حضرت امیرؓ کے مخالف جانب مدد لازم ہوئی جو ان کے اجتہاد کا تقاضا تھا اور تیسرے گروہ کے لئے توقف لازم ہوا اور اس نے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا خطا سمجھا لہذا تینوں گروہوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے تقاضے کے مطابق عمل کیا اور جو کچھ ان پر لازم و واجب تھا اس کو بجا لائے، ان پر ملامت کی کیا گنجائش ہے اور طعن و تشنیع کس طرح مناسب ہے۔

امام شافعیؒ (کیا خوب) فرماتے ہیں اور نیز حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے بھی منقول ہے:
تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَيْدِيَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا اَلْسِنَتَنَا (یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا لہذا ہم کو چاہئے کہ اپنی زبانوں کو بھی اُن سے پاک رکھیں) ــــ اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ کسی ایک کو حق پر اور دوسرے کو خطا پر کہنے کے لئے بھی لب کشائی نہیں کرنی چاہئے اور تمام (صحابہؓ) کو نیکی کے ساتھ یاد کرنا چاہئے ــــ اور اسی طرح حدیث نبوی علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام میں آیا ہے: اِذَا ذُكِرَ اَصْحَابِيْ فَاَمْسِكُوْا (طبرانی) (جب میرے اصحاب (کے اختلاف) کا ذکر ہو تو سکوت اختیار کرو) یعنی جب میرے اصحاب کا ذکر ہو اور ان کی لڑائی جھگڑوں کا تذکرہ آجائے تو تم احتیاط کرو اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دو ــــ لیکن جمہور اہلِ سنت اُس دلیل کی بنا پر جو ان پر ظاہر ہو گئی ہے اس بات پر ہیں کہ حضرت امیرؓ حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر۔ لیکن یہ خطا چونکہ خطائے اجتہادی ہے اس لئے ملامت و طعن سے دُور ہے اور تشنیع و تحقیر سے پاک و مبرا ہے ــــ حضرت امیرؓ سے منقول ہے کہ آپؓ نے فرمایا "ہمارے بھائی ہم سے باغی ہو گئے، یہ لوگ نہ تو کافر ہیں اور نہ فاسق، کیونکہ ان کو تاویل کی گنجائش حاصل ہے جو ان کو کفر و فسق سے بچاتی ہے" ــــ لہذا اہلِ سنت اور روافض دونوں حضرت امیرؓ کے ساتھ جنگ کرنے والوں کو خطا کار سمجھتے ہیں اور دونوں ہی حضرت امیرؓ کے حق پر ہونے کے قائل ہیں لیکن اہلِ سنت

لفظ خطا کے اطلاق سے زیادہ جو تاویل پر مبنی ہے حضرت امیرؓ سے لڑنے والوں کے حق میں کچھ تجویز نہیں کرتے اور اپنی زبان کو ان کے خلاف طعن و تشنیع سے محفوظ رکھتے ہیں، اور حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے حقِ صحبت کی حفاظت کرتے ہیں کیونکہ آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا بَعْدِیْ (رواہ الترمذی) (میرے اصحاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کو نشانہ (ملامت) نہ بناؤ۔ یعنی آپؐ نے یہ کلمہ تاکید کی غرض سے تکرار کے ساتھ فرمایا کہ میرے اصحاب کو اپنی ملامت کے تیر کا نشانہ نہ بنانا ——— اور نیز یہ بھی فرمایا: اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ (رواہ رزین) (میرے صحابی ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کسی کی بھی پیروی اختیار کرو گے ہدایت پاؤ گے) ——— اور تمام صحابہ کرام کی تعظیم و توقیر کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ لہٰذا تمام صحابہؓ کو معزز و مکرم جاننا چاہئے اور ان کی لغزشوں کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہئے۔ یہ ہے اس مسئلہ میں اہلِ سنت کا مذہب ———

اور روافض اس بارے میں بہت زیادہ غلو کرتے ہیں اور حضرت امیرؓ کے ساتھ جنگ کرنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں، اور طرح طرح کے طعن و تشنیع اور مختلف گالیوں سے اپنی زبان کو آلودہ کرتے ہیں۔ اس سے اگر اُن کا مقصد حضرت امیرؓ کی جانب حق ظاہر کرنا اور ان کے ساتھ جنگ کرنے والوں کی خطا کا اظہار ہے تو بھی جو کچھ اہلِ سنت نے اختیار کیا ہے وہ کافی ہے اور انصاف و اعتدال کی حد پر ہے ——— اکابرِ دین پر طعن و تشنیع کرنا دیانت و دینداری سے دور ہے جو کہ روافض نے اختیار کیا ہوا ہے اور اصحابِ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے سب و شتم کو اپنا دین و ایمان تصور کر رکھا ہے۔ عجب دین ہے کہ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے جانشینوں کو گالیاں دینا ان کا جزوِ اعظم ہے ——— بدعتیوں کے تمام گروہ جنھوں نے جو بھی بدعات اختیار کر رکھی ہیں اہلِ سنت سے جدا ہو گئے ہیں اور ان کے درمیان خوارج و روافض کے تمام فرقے معاملے سے دُور اور حق سے بعید جا پڑے ہیں اور وہ جماعت جو اکابرِ دین کے سب و طعن کو اپنے ایمان کا جزوِ اعظم تصور کرتی ہے، ان کو حق سے کیا حصہ ملے گا ——— روافض کے بارہ ۱۲ فرقے ہیں وہ سب کے سب اصحابِ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب کی تکفیر کرتے ہیں اور خلفائے راشدینؓ کو گالیاں دینا عبادت جانتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اوپر لفظِ رفض کے اطلاق سے کنارہ کرتے ہیں اور اپنے

علاوہ دوسروں کو رافضی جانتے ہیں کیونکہ احادیث میں رافضیوں کے حق میں بہت وعید آئی ہے۔
کاش کہ وہ رفض کے معنی سے بھی اجتناب کرتے اور پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کے اصحاب پر تبرا نہ کرتے ——— جیسا کہ ہندوستان کے ہندو بھی اپنے آپ کو ہندو کہلواتے ہیں اور لفظ کفر کے استعمال سے پرہیز کرتے ہیں اور اپنے آپ کو کافر نہیں جانتے۔ اور دار الحرب کے رہنے والوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ انھوں نے غلط سمجھا ہے بلکہ یہ دونوں قسمیں کفار کی ہیں اور کفر کی حقیقت سے متحقق ہیں۔ ان لوگوں (رافضیوں) نے شاید پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اہلِ بیت کو اپنی طرح تصور کر لیا ہے اور ان کو بھی حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے دشمن خیال کرتے ہیں اور اس گروہ (شیعہ) نے تقیہ کے مطابق جو ان کا مسلک ہے اہلِ بیت کے اکابر کو بھی منافق اور دھوکہ باز خیال کر لیا اور اعتقاد کیا ہوا ہے کہ حضرت امیرؓ نے تیس ۳۰ سال تک تقیہ کے طور پر خلفائے ثلاثہ کے ساتھ منافقانہ صحبت رکھی اور ناحق ان کی تعظیم و توقیر کرتے رہے ——— عجب معاملہ ہے کہ اگر اہلِ بیتِ رسول کی محبت رسول علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی محبت کی وجہ سے ہے تو ان کو چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ بھی دشمنی رکھیں اور اہلِ بیت کے دشمنوں کی نسبت ان پر سبّ و لعنت زیادہ کریں ———
——— ابو جہل کے بارے میں جو رسول علیہ وعلی آلہ الصلوات والتحیات کا دشمن ہے اور اس نے آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو طرح طرح کی تکالیف اور بے شمار زیادتیاں پہنچائی ہیں لیکن ہرگز کسی نے نہیں سنا کہ اس گروہ (شیعہ) میں سے کسی نے اس پر لعنت کی ہو یا گالی دی ہو، اور اس کی برائیاں کرنے میں زبان کھولی ہو ——— اور حضرت ابوبکر صدیقؓ جو رسول اللہ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے نزدیک تمام مردوں سے زیادہ محبوب تھے (شیعہ) اپنے زعمِ فاسد کی بنا پر اُن کو دشمنِ اہلِ بیت تصور کر کے سبّ و شتم کی زبان دراز کرتے اور نامناسب باتیں اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ کیا دیانت اور دینداری ہے خداوند جل شانہٗ نہ کرے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور تمام صحابہ کرامؓ، اہلِ بیتِ رسول علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے دشمن ہوں اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عداوت رکھیں ——— یہ بے انصاف کاش کہ دشمنانِ اہلِ بیت پر لعن طعن کرتے اور (اس مذموم فعل کے لئے) اکابر صحابہؓ کے اسمائے گرامی کا تعین نہ کرتے اور بزرگانِ دین سے بدگمانی پیدا نہ کرتے، اس صورت میں اُن کی مخالفت جو اہلِ سنت کے ساتھ ہے دور ہو جاتی۔ کیونکہ

اہلِ سنت بھی اہلِ بیت کے دشمنوں کے دشمن ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کرنے کے قائل ہیں ـــــــ

یہ اہلِ سنت کی خوبی ہے کہ شخصِ معین کو جو طرح طرح کے کفر میں مبتلا ہو اسلام اور توبہ کے احتمال کی وجہ سے دوزخی نہیں کہتے اور لعنت کا اطلاق اس پر تجویز نہیں کرتے، اور عام کافروں پر لعنت کرنا جائز سمجھتے ہیں لیکن کسی کافرِ معین پر اس وقت تک لعنت کرنا تجویز نہیں کرتے جب تک کہ اس کا سوءِ خاتمہ دلیلِ قطعی سے معلوم نہ ہو جائے۔ لیکن روافض بے تحاشا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر لعن کرتے ہیں اور اکابر صحابہؓ پر سب و شتم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔

اس بحث میں ۲ دو مقامات ایسے ہیں جن میں اہلِ سنت اور مخالفین کے درمیان بہت بڑا اختلاف ہے ـــــــ پہلا مقام یہ ہے کہ اہلِ سنت وجماعت چاروں خلفاء کی خلافت کو حق اور درست ہونے کے قائل ہیں اور چاروں کو خلفاءِ برحق جانتے ہیں، کیونکہ حدیثِ صحیح میں جن مغیبات (غیب کی خبروں) کی نسبت خبر دی گئی ہے اس میں آیا ہے: اَلْخِلَافَۃُ بَعْدِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَۃً[1] (میرے بعد خلافت (کی مدت) تیس سال ہے)۔ اور یہ مدت حضرت امیرؓ کی خلافت پر تمام ہو جاتی ہے۔ لہذا اس حدیث کے مصداق چاروں خلفاء ہیں۔ اور خلافت کی ترتیب بھی برحق ہوئی ـــــــ

اور مخالفین، خلفائے ثلٰثہ کی حقیقتِ خلافت کا انکار کرتے ہیں اور ان کی خلافت کو غصب و غلبہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حضرت امیرؓ کے علاوہ کسی کو امام برحق نہیں مانتے، اور اُس بیعت کو جو حضرت امیرؓ سے خلفائے ثلٰثہ کے ہاتھ پر واقع ہوئی تھی تقیہ پر محمول کرتے ہیں اور حضرت خیر الانام علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے درمیان آپس کی صحبت و محبت کو منافقانہ صحبت خیال کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے باہمی روادارانہ تعلقات کو مکر و فریب سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں حضرت امیرؓ کے ساتھی و دوست ان کے مخالفوں کے ساتھ تقیہ کے طور پر منافقانہ صحبت رکھتے تھے اور جو کچھ ان کے دل میں ہوتا تھا اس کے خلاف اپنی زبان سے ظاہر کرتے تھے۔ اور مخالفین بھی چونکہ ان کے گمان میں حضرت امیرؓ اور ان کے ساتھیوں کے دشمن تھے اس لئے ان کے ساتھ بھی منافقانہ دوستی رکھتے تھے اور دشمنی کو دوستی کے لباس میں ظاہر کرتے تھے۔ لہذا ان (روافض) کے خیال میں حضرت پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے تمام اصحاب منافق اور فریبی تھے اور جو کچھ ان کے باطن میں ہوتا تھا اس کے خلاف ظاہر کرتے تھے۔ پس ان کے نزدیک اس امت کا بدترین گروہ (نعوذ باللہ) اصحاب کرامؓ ہوئے

---

[1] رواہ احمد، ترمذی اور ابوداؤد۔

اور سب سے زیادہ بُری صحبت و مجلس (نعوذ باللہ) حضرت خیر البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ہوئی - اور جس صحبت سے اس قسم کے اخلاق ذمیمہ پیدا ہوئے وہ تمام زمانوں میں سب سے بُرا زمانہ اصحاب کرامؓ کا زمانہ ہونا چاہیئے جو کہ نفاق و عداوت اور بغض و کینہ سے پُر تھا۔ حالانکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے کلام مجید میں ان (صحابہؓ) کے حق میں فرماتا ہے: رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ (فتح آیۃ ۲۹) (آپس میں شفیق و مہربان ہیں) اللہ سبحانہ ان (شیعوں) کے بُرے عقائد سے ہم کو بچائے۔

یہ لوگ جب اس امت کے سابقین کو (اصحاب کرامؓ مع حضرت امیرؓ) اس قسم کے اخلاقِ ذمیمہ سے متصف کرتے ہیں تو ان کے بعد آنے والوں میں کیا نیکی پائیں گے۔ ان لوگوں نے شاید ان آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کو جو حضرت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی فضیلت اور اُن علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصحابِ کرامؓ کی فضیلت اور اس امت کی خیریت (کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ) کے بارے میں وارد ہوئی ہیں نہیں دیکھا، یا اگر دیکھا ہے تو ان پر ایمان نہیں رکھتے۔ قرآن و احادیث، اصحاب کرامؓ کی تبلیغ سے ہم تک پہنچے ہیں، جب اصحابِ کرام مطعون ہوں گے تو وہ دین جو ان کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے وہ بھی مطعون اور ناقابلِ اعتماد ہوگا۔ نعوذ باللہ سبحانہ من ذالک۔

شاید اس گروہ (شیعہ) کا مقصود دین کو جھٹلانا اور آپ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی شریعت کا انکار ہے۔ ظاہر میں اہلِ بیتِ رسول کی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور حقیقت میں آپ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی شریعت کو جھٹلاتے ہیں۔ کاش کہ وہ حضرت امیرؓ اور ان کے ساتھیوں کو تسلیم کرنے اور تقیہ کے داغ سے جو اہلِ مکر و نفاق کی صفات میں سے ہے ان کو داغدار نہ کرتے۔ حضرت امیر کے موافقوں میں سے یا ان کے مخالفین میں سے جو جماعت تیس (۳۰) سال تک آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ منافقانہ مجلس و صحبت رکھے اور مکر و فریب سے زندگی گزارے تو اُس کے درمیان کیا خوبی ہوگی اور یہ لوگ کس طرح اعتماد کے لائق ہوں گے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو لوگ طعن کرتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ ان کے طعن میں نصف احکامِ شرعیہ مطعون ہو جاتے ہیں، کیونکہ علماءِ مجتہدین نے فرمایا ہے کہ احکامِ شرعیہ میں تین ہزار احادیث وارد ہوئی ہیں یعنی تین ہزار احکامِ شرعیہ جو سنت سے ثابت ہیں ان تین ہزار میں سے پندرہ سو (یعنی نصف تعداد) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ثابت ہوئے ہیں۔ لہٰذا اُن پر

طعن کرنا نصف احکامِ شرعیہ پر طعن کرنا ہے ـــــــ اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرنے والے آٹھ سو سے زیادہ اصحاب کرامؓ اور تابعین ہیں جن میں سے ایک حضرت ابنِ عباسؓ ہیں، اور حضرت ابن عمرؓ بھی ان ہی سے روایت کرتے ہیں اور اسی طرح حضرت جابرؓ ابن عبداللہ اور حضرت انس بن مالکؓ بھی ان (حضرت ابوہریرہؓ) کے راویوں میں سے ہیں۔

اور وہ حدیث جو حضرت ابوہریرہؓ کے طعن میں حضرت امیرؓ سے نقل کرتے ہیں وہ سراسر جھوٹ اور بہتان و افترا ہے جیسا کہ علماء نے اس کی تحقیق کی ہے۔ اور آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ابوہریرہؓ کے فہمِ علم کے بارے میں "حدیثِ دعا" علماء میں مشہور و معروف ہے:

قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ حَضَرْتُ مَجْلِسًا لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَّبْسُطُ مِنْكُمْ رِدَاءَهٗ حَتّٰى اُفِيْضَ فِيْهِ مَقَالَتِيْ فَيَضُمُّهَا اِلَيْهِ ثُمَّ لَا يَنْسَاهَا فَبَسَطْتُ بُرْدَةً كَانَتْ عَلَيَّ فَاَفَاضَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهٗ فَضَمَمْتُهَا اِلٰى صَدْرِيْ فَمَا نَسِيْتُ بَعْدَ ذٰلِكَ شَيْئًا (رواہ الشیخان عن ابی ہریرہؓ) (حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی اپنی چادر بچھائے تاکہ میں اس میں اپنا فیض دم کر دوں پھر وہ اس کو بدن سے لگالے تو وہ کوئی چیز نہ بھولے گا۔ پس میں نے اپنی چادر جو میرے اوپر تھی بچھادی، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا فیض اس میں دم کر دیا پھر میں نے چادر کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگالیا اس کے بعد (حافظہ اتنا قوی ہوگیا) کہ کوئی بات نہ بھولا)۔

لہٰذا صرف اپنے گمان کی وجہ سے دین کے ایک بزرگ شخص کو حضرت امیرؓ کا دشمن جان کر اس کے حق میں سبّ و طعن اور لعن جائز رکھنا انصاف سے دُور ہے۔ یہ تمام گلکاریاں افراطِ محبت کی وجہ سے ہیں لیکن قریب ہے کہ ایسے لوگ ایمان کے حلقہ سے اپنا سر باہر نکال لیں۔ اور اگر بالفرض حضرت امیرؓ کے حق میں تقیہ جائز بھی رکھا جائے تو حضرت امیرؓ کے ان اقوال کے بارے میں کیا کہیں گے جو اُن سے شیخین کی افضلیت میں تواتر کے ساتھ منقول ہیں، اور اسی طرح ان کلماتِ قدسیہ کے بارے میں کیا کہیں گے جو آپ نے اپنی خلافت و مملکت کے زمانے میں خلفاءِ ثلٰثہ کی خلافت کے حق ہونے میں صادر فرمائے ہیں ـــــــ کیا تقیہ صرف یہی ہے کہ اپنی خلافت کے حق ہونے کو پوشیدہ رکھے اور خلفائے ثلٰثہ کی خلافت کا باطل ہونا ظاہر نہ کرے ـــــــ

لیکن خلفائے ثلثہ کی خلافت کے برحق ہونے کا اظہار کرنا اور شیخین کی افضلیت کا بیان کرنا اس تقیہ سے ماورا ایک علیحدہ امر ہے جس کے صدق و صواب کے علاوہ کوئی صورت نہیں بنتی، اور تقیہ کی تاویل سے بھی اس کی تردید زائل نہیں ہوتی ———— اور اسی طرح صحاح کی وہ حدیثیں جو شہرت کی حد کو پہنچ چکی ہیں بلکہ معنی کے اعتبار سے متواتر ہو گئی ہیں اور وہ حضرات خلفائے ثلثہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں نیز ان میں سے ایک جماعت کو جنت کی بشارت بھی دیدی گئی ہے تو ان احادیث کا کیا جواب دیں گے۔ چونکہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں تقیہ جائز نہیں اس لئے کہ پیغمبران علیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے تبلیغ لازم ہے اور اسی طرح اس باب میں جو آیاتِ قرآنی نازل ہوئی ہیں ان بھی تقیہ متصور نہیں۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ان (روافض) کو انصاف کی توفیق دے۔ ———— اربابِ معقول جانتے ہیں کہ تقیہ جبانت (بزدلی) کی قسم سے ہے۔ حضرت اسداللہ (شیرِ خدا یعنی حضرت علیؓ) سے بزدلی کی صفت کو منسوب کرنا نامناسب ہے۔ بشریت کے تقاضے کی بنا پر ایک ساعت یا دو ساعت، ایک روز یا دو روز کے لئے تقیہ کی تجویز کی جائے تو بھی (کسی درجے میں) گنجائش ہے لیکن مسلسل تیس سال تک اس بزدلی کی صفت کو شیرِ خدا میں ثابت کرنا اور تقیہ پر قائم رکھنا بہت زیادہ مکروہ و نازیبا ہے اور گناہِ صغیرہ پر اصرار کرنا گناہِ کبیرہ کہا گیا ہے، تو پھر اربابِ مخالف اور اہلِ نفاق کی صفات میں سے کسی صفت پر اصرار کرنا کس طرح روا ہوگا۔ کیا اچھا ہوتا کہ وہ اس امر کی قباحت کو سمجھ لیتے۔

یہ لوگ شیخین کی تقدیم و تعظیم[۱] سے اس لئے بھاگتے ہیں کہ اس میں حضرت امیرؓ کی اہانت لازم آتی ہے لہذا (بدرجۂ مجبوری) تقیہ کو اختیار کر لیا ہے۔ اگر تقیہ کی صفت کی برائی کو جو اربابِ نفاق کی صفات میں سے ہے سمجھ لیتے تو اس کو ہرگز جائز نہ رکھتے۔ اور دو بلاؤں میں سے آسان کو اختیار کرتے، بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ شیخین کی تقدیم و تعظیم[۱] میں حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی خلافت کا برحق ہونا خود اُن کے حال پر شاہد ہے اور ان کی ولایت کا درجہ اور ہدایت و ارشاد کا مرتبہ بھی بحال رہتا ہے۔ اور تقیہ کے اثبات میں اُن کی تنقیص اور توہین لازم آتی ہے کیونکہ یہ صفت اربابِ نفاق کے خصائص میں سے ہے اور اربابِ مکر و فریب کے لوازمات میں سے ہے

---

۱، ۲ یعنی شیخین کو خلافت میں مقدم جاننا اور ان کی تعظیم کرنا۔

**مقامِ دوم** یہ کہ اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب کے اختلافات اور لڑائی جھگڑوں کو نیک معانی پر محمول کرتے ہیں اور ہوا و تعصب سے دُور جانتے ہیں کیونکہ ان کے نفوس حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کی صحبت میں پاک ہو چکے تھے اور ان کے سینے عداوت و کینے سے صاف ہو گئے تھے۔ حاصل کلام یہ کہ چونکہ ان (اصحاب) میں سے ہر ایک صاحبِ رائے اور صاحبِ اجتہاد تھا اور ہر مجتہد کو اپنی رائے کے موافق عمل کرنا واجب ہے اس لئے ضرورتاً بعض امور میں اختلافِ آرا کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت ومنازعت ناگزیر ہو گئی اور ہر ایک کے لئے اپنی رائے پر عمل کرنا درست ہوا۔ پس ان کی آپس میں یہ مخالفت، حق کی موافقت کے لئے تھی نہ کہ نفسِ امارہ کی خواہش کے لئے ــــــــ۔

اور مخالفینِ اہلِ سنت، حضرت امیرؓ کے ساتھ جنگ کرنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں اور ان لڑنے والوں کے حق میں طرح طرح سے طعن وتشنیع کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بعض امورِ اجتہادیہ میں صحابۂ کرام نے آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات سے اختلاف کیا ہے اور آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے کے خلاف حکم کیا ہے۔ اور ان کا یہ اختلاف مذموم اور قابلِ ملامت نہ تھا، اور نزولِ وحی کے باوجود اس کی ممانعت نہ آئی تو حضرت امیرؓ کے ساتھ بعض امورِ اجتہادیہ میں مخالفت کرنا کس طرح کفر ہو گا اور ان کے مخالف کیوں مطعون اور قابلِ ملامت ہوں گے۔

حضرت امیرؓ کے ساتھ جنگ کرنے والے اہلِ اسلام کا ایک جمِ غفیر ہیں جن میں جلیل القدر اصحاب بھی شامل ہیں، ان میں بعض وہ بھی ہیں جن کو (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے) جنت کی بشارت مل گئی ہے ان کی تکفیر وتشنیع کرنا کوئی معمولی بات نہیں: كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ (کہف ۱۸ آیت ۵) (بہت بُری بات ہے جو ان کے منھ سے نکل رہی ہے)۔ تقریباً نصف دین اور شریعت کی انھوں نے ہی تبلیغ کی ہے (اور امت تک پہنچایا ہے) اگر ان ہی پر طعن کیا جائے گا تو نصف دین سے اعتبار واعتماد اُٹھ جائے گا۔ اور یہ بزرگوار کس طرح قابلِ طعن ہو سکتے ہیں جبکہ ان میں سے کسی ایک کی روایت کو بھی کسی نے رد نہیں کیا، نہ کسی امیر نے اور نہ کسی وزیر نے۔

صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے اور شیعہ بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ فقیر نے احمد تبتی سے جو اکابرِ شیعہ میں سے تھا سُنا ہے وہ کہتا تھا کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے

زیادہ صحیح کتاب بخاری ہے۔ اس کتاب میں حضرت امیرؓ کے موافقین کی روایات بھی ہیں اور حضرت امیرؓ کے مخالفین کی روایتیں بھی، مخالفت اور موافقت کی بنا پر کسی روایت کو مرجوح و راجح نہیں سمجھا گیا۔ چنانچہ (امام بخاریؒ جس طرح) حضرت امیرؓ سے روایت کرتے ہیں حضرت معاویہؓ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ اگر حضرت معاویہؓ اور ان کی روایت میں طعن و تشنیع کا شائبہ بھی ہوتا تو (امام بخاریؒ) ہرگز ان کی روایت کو اپنی کتاب میں درج نہ کرتے۔ اور اسی طرح سلف میں جو احادیث کے نقاد اور صراف گذرے ہیں کسی نے بھی اس وجہ سے حدیث کی روایت میں فرق نہیں کیا اور نہ حضرت امیرؓ کی مخالفت کو نشانۂ طعن بنایا۔

جاننا چاہیئے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ حضرت امیرؓ تمام اختلافی امور میں حق پر ہوں اور ان سے اختلاف کرنے والے خطا پر۔ اگرچہ محاربہ (ان جنگوں) میں حضرت امیرؓ حق پر تھے کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ صدر اول کے اختلافی مسائل میں علماء، و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے حضرت امیرؓ کے مذہب کے علاوہ دوسرا مذہب اختیار کیا ہے اور اُن حضرت امیرؓ کے مذہب کے مطابق حکم نہیں کیا۔ اگر حق حضرت امیرؓ کی جانب ہی متعین ہوتا تو یہ حضرات اس کے برخلاف فیصلہ نہ کرتے ——— (مثلاً) قاضی شریحؒ نے جو تابعین میں سے ہیں اور صاحب اجتہاد ہوئے ہیں حضرت امیرؓ کے مذہب کے مطابق فیصلہ نہیں کیا اور حضرت امام حسن علیہ الرضوان کی گواہی کو اُن (حضرت امیرؓ) کے صاحبزادے ہونے کی وجہ سے ان (حضرت امیرؓ) کے حق میں قبول نہیں کی —— لہذا مجتہدین نے قاضی شریحؒ کے قول پر عمل کیا ہے اور بیٹے کی شہادت کو باپ کے حق میں جائز نہیں رکھا ——— اس قسم کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں حضرت امیرؓ کے علاوہ دوسرے صحابۂ کرامؓ کے اقوال جو حضرت امیرؓ کی رائے کے مخالف ہیں اختیار کئے گئے ہیں جو انصاف سے تحقیق کرنے والے پر پوشیدہ نہیں ہیں ان کی تفصیل طویل ہے۔ پس حضرت امیرؓ کی مخالفت پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں، اور ان سے اختلاف کرنے والوں پر طعن و ملامت کرنا بھی روا نہیں۔

فضائل و مناقب حضرت عائشہ صدیقہؓ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حبیب رب العالمینؐ کی محبوبہ تھیں اور لب گور تک آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی منظورِ نظر اور مقبولِ خاطر رہی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرضِ موت کے ایام بھی ان ہی کے حجرۂ مبارکہ میں بسر فرمائے اور ان ہی کی آغوش میں آپؐ نے جان شیریں

جان آفریں کے سپرد کی اور ان ہی کے حجرۂ مقدسہ میں مدفون ہوئے ـــــ اس شرف و فضیلت کے علاوہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عالمہ و مجتہدہ بھی تھیں۔ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام نے نصف دین کا بیان ان کے حوالے فرمایا تھا۔ اور اصحاب کرامؓ مشکلاتِ احکام میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور ان ہی سے پیچیدہ و مشکل مسائل کا حل طلب کیا کرتے تھے۔ اس قسم کی (فضیلتوں والی) صدیقہ و مجتہدہ کو حضرت امیرؓ سے ایک (اجتہادی) اختلاف کے باعث مطعون کرنا اور ناشائستہ چیزوں کو ان کی طرف منسوب کرنا نہایت نامناسب اور بیہودہ حرکت ہے۔ اور پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان رکھنے والے سے بعید ہے۔ حضرت امیرؓ اگر حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد اور چچازاد بھائی ہیں تو حضرت صدیقہؓ آنحضرت علیہ وعلیٰ جمیع اہل بیتہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجۂ مطہرہ اور آپ کی محبوبہ و مقبولہ ہیں علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔

اب سے چند سال پہلے فقیر کی عادت تھی کہ (بغرض ایصالِ ثواب) طعام پکواتا تھا تو اہلِ عبا (اہلِ بیت) کی ارواح پاک کے لئے مخصوص کرتا تھا اور آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حضرت امیرؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات امامینؓ کو شامل کر لیتا تھا علیہم الصلوات والتسلیمات۔ ایک رات فقیر نے خواب میں دیکھا کہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں، فقیر نے سلام عرض کیا تو آپؐ فقیر کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور چہرۂ مبارک دوسری طرف کر لیا۔ اسی اثناء میں فقیر سے فرمایا کہ "میں عائشہؓ کے گھر میں کھانا کھاتا ہوں جس کسی کو میرے لئے طعام بھیجنا ہو وہ عائشہ کے گھر بھیج دے۔" اس وقت فقیر کو معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ شریف نہ فرمانے کا باعث یہ ہے کہ فقیر اس طعام میں حضرت عائشہؓ کو شریک نہ کرتا تھا۔ بعد ازاں حضرت صدیقہؓ بلکہ تمام ازواجِ مطہرات کو جو تمام اہلِ بیت ہیں شریک کر لیا کرتا تھا اور تمام اہلِ بیت کو وسیلہ بناتا تھا۔

پس وہ آزار و ایذا جو حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت صدیقہؓ کی راہ سے پہنچتی ہے وہ اس آزار و ایذا سے زیادہ ہے جو حضرت امیرؓ کی راہ سے پہنچتی ہے۔ صاحبِ انصاف عقلمندوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ـــــ ہاں یہ بات اس صورت میں ہے جب کہ حضرت امیرؓ کی محبت و تعظیم حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت و تعظیم اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی قرابت کے واسطے سے ہو۔ اگر کوئی شخص حضرت امیرؓ کی محبت مستقل طور پر

اختیار کرے اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اس میں داخل نہ کرے تو وہ بحث سے خارج ہے اور مخاطبت کے لائق نہیں۔ ایسے شخص کی غرض و غایت دین کا ابطال اور شریعت کو منہدم کرنا ہے۔ ایسا شخص چاہتا ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے توسط کے بغیر ایسی راہ اختیار کرے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تعلق ہو کر حضرت علیؓ کی طرف مائل ہو۔ اور یہ عین کفر اور محض زندقہ ہے اور حضرت علیؓ بھی ایسے شخص سے بیزار ہیں اور اس کے اس فعل سے ان کو تکلیف پہنچتی ہے ———

——— پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب سے دوستی اور آپؐ کے خسروں (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) اور دامادوں (حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ) سے دوستی آپ پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات کی دوستی کے واسطے سے ہے اور ان کی تعظیم و تکریم آپ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی تعظیم و تکریم کے واسطے کی وجہ سے ہے، چنانچہ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ[1] (جس نے ان (صحابہؓ) سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی)۔ اور اسی طرح جو شخص ان سے دشمنی کرتا ہے وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے ان سے دشمنی کرتا ہے۔ جیسا کہ آپ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ[1] (جس نے ان (صحابہؓ) سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا)۔ یعنی جو محبت میرے اصحاب کے ساتھ متعلق ہے وہ وہی محبت ہے جو میرے تعلق کی وجہ سے ہے۔ اور اسی طرح جو بغض ان (صحابہ) سے متعلق ہے وہ وہی بغض ہے جو میرے تعلق کی وجہ سے ہے۔

مناقب و فضائل حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما

حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو اصحابِ کبار اور عشرۂ مبشرۂ جنت میں سے ہیں، ان کی شان میں طعن و تشنیع کرنا نامناسب ہے اور اُن پر کی ہوئی لعنت و پھٹکار خود لعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ وہ صحابی ہیں کہ جب حضرت فاروقؓ نے اپنے بعد خلافت کو چھ[6] شخصوں کے مشورے پر چھوڑا تو ان میں حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی شامل کیا اور جب ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے کوئی واضح دلیل نہ پائی تو طلحہؓ و زبیرؓ نے اپنے اختیار سے اپنا حقِ خلافت چھوڑ دیا۔ اور ہر ایک نے تَرَكْتُ حَظِّيْ (میں نے اپنا حصہ ترک کیا) کہہ دیا۔ اور یہ وہی طلحہؓ ہیں جنہوں نے آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بے ادبی کی بنا پر اپنے باپ کو قتل کر دیا اور اس کے

[1] ابن عساکر، بروایت ابو نضرۃ۔ حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے رجالِ حدیث ثقہ ہیں اور یہ حدیث متعدد طرق سے حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ تشیید المبا

سر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس فعل پر ان کی تعریف آئی ہے ـــــــ اور یہ وہی زبیرؓ ہیں جن کے قاتل کے لئے مخبر صادق علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے اور فرمایا قَاتِلُ زُبَیْرٍ فِی النَّارِ (زبیر کا قاتل دوزخ میں ہے)۔ حضرت زبیرؓ پر لعن طعن کرنے والے قاتل سے کم نہیں ہیں۔ بہت ڈرو بہت ڈرو، پھر بہت ڈرو بہت ڈرو۔

پس اکابر دین اور بزرگوارانِ اسلام پر طعن و مذمت کرنے سے بہت ڈرنا چاہئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کلمۂ اسلام بلند کرنے کی خاطر اور حضرت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امداد میں سر توڑ کوششیں کی ہیں اور رات دن خفیہ و علانیہ دین کی تائید کے لئے اپنے اموال خرچ کئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے خویش واقارب، مال و اولاد، ازواج، گھر بار، وطن، کھیتی باڑی، باغ و درخت، کنوؤں اور نہروں سب کو چھوڑ دیا اور رسول علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات کو اپنی ذات پر ترجیح دی، اور اپنے اموال و اولاد کے مقابلے میں آپؐ کی محبت کو اختیار کیا ـــــــ یہ وہ لوگ ہیں جو آپؐ کی شرفِ صحبت سے مشرف ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں برکاتِ نبوت سے مالامال ہوئے، وحی کا مشاہدہ نصیب ہوا، ملائکہ کے حضور سے بھی مشرف ہوئے اور خوارق و معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، حتیٰ کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین ہوگا اور ان کو یقین کی وہ دولت نصیب ہوئی جو آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوئی، حتیٰ کہ دوسروں کا اُحد پہاڑ جتنا سونا خیرات کرنے کا ثواب ان (صحابہؓ) کے ایک یا آدھا مُد جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا ـــــــ

ـــــــ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ تعریف کرتا ہے:
رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (مائدہ آیت ۱۱۹) (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے)
ذٰلِكَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْكُفَّارَ (فتح آیت ۲۹) (ان کے یہ اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی تو کسانوں کو بھلی معلوم ہو اور کفار غیظ و غضب میں آئیں) ـــــــ

(اس آیت میں) اللہ تعالیٰ نے ان (صحابہ) پر غصہ اور غضب کرنے والوں کو کفار فرمایا ہے۔ لہٰذا جس طرح مومن کفر سے ڈرتے ہیں اسی طرح ان (صحابہ) پر غیظ و غضب کرنے سے بھی ڈرنا چاہئے۔ واللہ سبحانہ الموفق۔

وہ حضرات جن کو آں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ اس قسم کی نسبت حاصل رہی ہو اور رسول علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کے مقبول ومنظور نظر ہو گئے ہوں اگر وہ بعض امور میں ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت اور لڑائی جھگڑا کریں اور اپنی اپنی رائے واجتہاد کے موافق عمل کریں تو ان پر طعن واعتراض کی مجال نہیں بلکہ ایسے مقام میں ان کا آپس میں اختلاف کرنا اور اپنی رائے کے علاوہ غیر کی تقلید نہ کرنا ہی حق وصواب ہے۔ ـــــــــ امام ابو یوسفؒ کے لئے اجتہاد کا درجہ حاصل ہونے کے بعد امام ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کی تقلید کرنا خطا ہے اور اپنی رائے کی تقلید صواب ودرست ہے ـــــــ امام شافعیؒ کسی صحابی کے قول کو خواہ وہ حضرت صدیق ہوں یا حضرت امیرؓ اپنی رائے پر مقدم نہیں کرتے اور اپنی رائے کے موافق عمل کرنا صواب وبہتر جانتے ہیں خواہ وہ صحابی کے قول کے مخالف ہی ہو ـــــــ جب امت کے مجتہد کے لئے صحابہ کی آراء سے مخالفت کی گنجائش ہے تو اگر صحابہ کرامؓ آپس میں ایک دوسرے کی رائے سے مخالفت ظاہر کریں تو وہ کیوں مطعون ہوں گے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ جب اصحاب کرامؓ نے اجتہادی امور میں آں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے خلاف کیا ہے اور آں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی رائے مبارک کے خلاف حکم دیا ہے، اور باوجود (زمانہ) نزول وحی کے ان کے خلاف مذمت نہیں آئی اور نہ ان کے اختلاف پر مخالفت وارد ہوئی، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے ـــــــ اگر یہ اختلاف حق تعالیٰ کے نزدیک ناپسند اور نامقبول ہوتا تو حق تعالیٰ جل شانہٗ کی جانب سے اس کو منع کر دیا جاتا اور اختلاف کرنے والوں پر وعید نازل ہوتی ـــــــ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو لوگ گفتگو کے دوران آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرتے تھے تو ان کو کس سختی کے ساتھ اس سے منع کیا گیا اور اس بلند آواز کرنے پر وعید نازل ہوئی۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (حجرات آیت ۲ [۴۹]) (اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور ان سے اس طرح گفتگو نہ کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہو ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی)۔

(جنگ) بدر کے قیدیوں کے بارے میں زبردست اختلاف واقع ہو گیا تھا، حضرت فاروقؓ اور سعد بن معاذ نے ان قیدیوں کے قتل کا فیصلہ کیا تھا، اور دوسرے حضرات نے ان کی خلاصی اور فدیہ کا حکم دیا۔ اور آں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کے نزدیک بھی ان کی رہائی اور فدیہ کی رائے مقبول تھی۔ اس کے علاوہ بھی اختلافات کے بہت سے واقعات اسی قسم سے ہیں ــــــ

اور ایک اختلاف وہ ہے جو کاغذ کے لانے میں کیا گیا کہ آں سرور علیہ وعلی آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے اپنی مرض موت میں کاغذ طلب فرمایا تھا تاکہ اصحاب کے لئے آپ کچھ لکھیں ــ ایک جماعت نے کہا کہ کاغذ لانا چاہئے اور دوسری جماعت نے کاغذ لانے سے منع کر دیا۔ حضرت فاروقؓ اسی جماعت میں سے تھے جو کاغذ لانے کے لئے رضامند نہ ہوئے تھے، اور فرمایا حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ (ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے) ــــــ طعن کرنے والوں نے اس راہ سے بھی حضرت فاروقؓ پر طعن کیا اور طعن و تشنیع کی زبان درازی۔ حالانکہ حقیقت میں یہ موقع طعن کا نہیں کیونکہ حضرت فاروقؓ نے جان لیا تھا کہ وحی کا زمانہ منقطع ہو چکا ہے اور احکام سماوی مکمل ہو چکے ہیں، لہٰذا اب رائے اور اجتہاد کے علاوہ احکام کے اثبات میں گنجائش نہیں۔ اس وقت آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ تحریر فرمائیں گے وہ امور اجتہادیہ میں سے ہوگا جس میں دوسروں کو بھی بحکم فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارِ (پس اے اہل بصیرت! عبرت حاصل کرو) شرکت کی اجازت ہے۔ لہٰذا انھوں نے اسی میں بہتری سمجھی کہ اس درد و تکلیف کے وقت میں آپ کو مزید تکلیف نہ دی جائے اور دوسروں کی رائے و اجتہاد پر کفایت کرنی چاہئے۔ حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید جو قیاس و اجتہاد کا ماخذ ہے مجتہدین کے لئے کافی ہے وہاں سے احکام کا استنباط کر لیا جائے گا ــــــ

کتاب اللہ کے ذکر کی خصوصیت اس وجہ سے بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت فاروقؓ نے قرآن سے معلوم کر لیا ہوگا کہ وہ احکام جن کو آپ لکھوانا چاہتے ہیں ان کا ماخذ کتاب اللہ ہے نہ کہ سنت کہ سنت کا ذکر بھی کیا جاتا۔ لہٰذا حضرت فاروقؓ کا (کاغذ لانے سے) منع کرنا شفقت و مہربانی کی وجہ سے تھا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درد و بے چینی کی تکلیف میں مزید تکلیف نہ کریں ــ نیز آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے (کاغذ لانے کا) حکم بجا لانا بھی استحسان کے طور پر تھا نہ کہ وجوب کے طور پر، تاکہ دوسرے حضرات استنباط کی زحمت سے بچ جائیں ــ اور اگر (کاغذ لانے کا)

اِیْتُوْنِیْ لانے کا حکم وجوب کے طور پر ہوتا تو اس کے پہنچانے میں مبالغہ اور تاکید فرماتے اور صرف اختلاف کی بنا پر اس سے صرفِ نظر نہ کرتے۔

سوال: حضرت فاروقؓ نے اس وقت کہا تھا اَھَجَرَ اِسْتَفْھِمُوْہُ (یعنی تکلیف کی زیادتی کی وجہ سے کچھ فرمانا چاہتے ہیں اس کی تحقیق کر لی جائے) اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: حضرت فاروق نے شاید اس وقت یہ سمجھا ہو کہ آنحضرتؐ سے یہ کلام تکلیف اور شدتِ درد کی وجہ سے بلا قصد و بے اختیار نکل گیا ہے جیسا کہ لفظ اَکْتُبُ (میں لکھدوں) سے وہم ہوتا ہے کیونکہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی کچھ نہ لکھا تھا ــــــ اور نیز اسی طرح آپؐ نے فرمایا: لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ (تم ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہوگے) جبکہ دین کامل ہو چکا ہے اور نعمت تمام ہو چکی ہے اور رضائے حق تعالیٰ بھی اس سے وابستہ ہو گئی ہے، اس کے بعد گمراہی کی کیا صورت ہوگی اب ایک ساعت میں کیا لکھیں گے جو گمراہی کو دفع کر دے گی۔ جو کچھ کہ تیئیس[۲۳] سال کے عرصے میں لکھا گیا ہے کیا وہ کافی نہیں ہے اور کیا وہ گمراہی کو دور نہیں کر سکتا کہ ایک ساعت میں شدتِ مرض کے باوجود کچھ لکھیں جو گمراہی کو دور کر دے ــــــ اسی سبب سے حضرت فاروقؓ نے سمجھا ہوگا کہ یہ کلام بتقاضائے بشریت بلا قصد آپ کی زبانِ مبارک سے جاری ہو گیا ہے، لہٰذا اس معنی کی تحقیق کر لو اور از سرِ نو دوبارہ دریافت کرو ــــــ اسی اثنا میں اختلافی گفتگو کی آوازیں بلند ہو گئیں تو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اُٹھ جاؤ اور مخالفت کی باتیں نہ کرو کہ پیغمبر کے سامنے جھگڑا کرنا مستحسن نہیں ہے۔" پھر اس کے بعد آپ نے کوئی کلام نہیں فرمایا اور دوات و کاغذ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

جاننا چاہئے کہ امورِ اجتہادیہ میں صحابہ کرامؓ اور آں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے کے درمیان جو اختلاف ہوا اگر اس میں عِیَاذًا بِاللہِ سُبْحَانَہٗ ہوا و تعصب کا شائبہ بھی ہوتا تو وہ ان کو اہلِ ارتداد کے زمرہ میں کھینچ لے جاتا اور اہلِ اسلام کے حلقہ سے خارج کر دیتا کیونکہ آں سرور علیہ و علیہم الصلوات والتحیات کے ساتھ سوءِ ادب اور سوءِ معاشرت کفر ہے۔ اَعَاذَنَا اللہُ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہ ہم کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے) ــــــ بلکہ یہ اختلاف امر فاعتبروا کی بجا آوری کی بِنا پر ہے، کیونکہ ہر وہ شخص جو اجتہاد کا درجہ رکھتا ہو تو احکامِ اجتہادیہ میں اس کو دوسروں کے اجتہاد اور رائے کی

تقلید کرنا خطا اور منہی عنہ ہے (یعنی اس سے منع کیا گیا ہے) ہاں نازل شدہ احکامات میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں اور ان میں تقلید کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے اور ان پر ایمان لانا اور ان کے تابع ہونا واجب ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قرنِ اول کے اصحاب کرامؓ تکلفات سے بری اور عبارتوں کی آرائش سے مستغنی تھے۔ ان کی ہمہ تن کوشش باطن کی اصلاح میں ہوتی تھی اور ان کا ظاہر ان کی نظر میں بے وقعت اور غیر ملحوظ تھا، اس زمانے میں آداب کی رعایت حقیقت و معنی کے اعتبار سے ہوتی تھی، صورت و لفظ کے اعتبار سے نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی بجا آوری ان کا کام تھا اور آں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی نامرضیات سے پرہیز ان کا شیوہ تھا۔ انھوں نے اپنے باپ، ماں، اولاد، اور ازواج سب کو آں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات پر قربان کر دیا تھا اور کمال اعتقاد اور اخلاص کی وجہ سے آں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کے لعابِ مبارک تک کو زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے بلکہ "آبِ حیات" کی طرح اس کو پی جاتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد کرانے کے بعد آپ کے خونِ مبارک کو کمالِ اخلاص کی وجہ سے پی جانے کا قصہ مشہور و معروف ہے ——— اگر اس قسم کی کوئی عبارت جو سوءِ ادب کا وہم پیدا کرتی ہو تو اس زمانے والوں کے نزدیک وہ جھوٹ اور فریب سے پُر ہے۔ آں سرور علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ان بزرگوں سے صادر ہونے والی باتوں کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہئے اور عبارت کے اصل مطلب کو دیکھنا چاہئے، الفاظ خواہ کسی قسم کے ہوں ان کو ملحوظ نہ رکھنا چاہئے سلامتی کا طریقہ یہی ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ۔

سوال: جب احکامِ اجتہادیہ میں خطا کے احتمال کی گنجائش ہے تو تمام احکامِ شرعیہ میں جو آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہیں ان پر کس طرح وثوق و اعتبار کیا جائے؟

جواب: احکامِ اجتہادیہ بھی آخر کار آسمان سے نازل شدہ احکام کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں کیونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو خطا پر قائم رکھنا جائز نہیں ہے لہٰذا احکامِ اجتہادیہ میں مجتہدوں کے اجتہاد اور ان کے اختلاف کے ثابت ہونے کے بعد حق جل و علا کی طرف سے حکم نازل ہو جاتا ہے جو صواب کو خطا سے جدا کر دیتا ہے اور حق و باطل میں امتیاز پیدا کر دیتا ہے۔ پس آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں بھی نزولِ وحی کے بعد جس سے

صواب اور خطا میں تمیز ہوتی ہے احکامِ اجتہادیہ بھی قطعی الثبوت کو پہنچ گئے تھے اور ان میں خطا کا احتمال نہیں رہتا تھا لہذا تمام احکام جو آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ثبوت کو پہنچ چکے ہیں قطعی ہیں اور خطا کے احتمال سے محفوظ ہیں کیونکہ وہ ابتداءً وانتہاءً وحی سے قطعی ثابت شدہ ہیں ـــــ ان احکام کے استنباط واجتہاد کا مقصود یہ تھا کہ مجتہدوں اور مستنبطوں کو درجاتِ کرامت حاصل ہوں اور مخطی (خطا کرنے والا) اور مصیب (صواب کو پہنچنے والا) اپنے اپنے تفاوتِ درجات کے اعتبار سے ثواب حاصل کریں۔ لہذا احکامِ اجتہادیہ میں بھی مجتہدوں کے درجے بلند ہوئے اور نزولِ وحی کے بعد ان احکام کی قطعیت بھی ثابت ہو گئی۔ ہاں زمانۂ نبوت کے گزر جانے کے بعد احکامِ اجتہادیہ ظنّی ہیں جو عمل کرنے میں مفید ہیں لیکن اعتقاد کے لئے مثبت نہیں کہ ان کا انکار کرنے والا کافر ہو جائے۔ لیکن اگر مجتہدین کا اجماع ان احکام پر منعقد ہو جائے تو اس صورت میں وہ (احکام) اعتقاد کے لئے بھی مثبت ہوں گے۔

**خاتمہ**: ہم اس مکتوب کو ایک عمدہ خاتمہ کے ساتھ ختم کرتے ہیں جس میں اہلِ بیتِ رسول علیہ وعلی آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والبرکات والتحیات کے فضائل درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) لابن عبد اللہ المعروف بہ) ابن عبد البرؒ سے روایت ہے کہ آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَنْ اَحَبَّ عَلِیًّا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَ عَلِیًّا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ وَمَنْ اٰذٰی عَلِیًّا فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللہَ (کتاب الاستیعاب) (جس نے حضرت علیؓ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے حضرت علیؓ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے علیؓ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے حق تعالیٰ کو ناراض کیا)۔

(۲) حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللہَ اَمَرَنِیْ بِحُبِّ اَرْبَعَۃٍ وَاَخْبَرَنِیْ اَنَّہٗ یُحِبُّھُمْ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللہِ سَمِّھِمْ لَنَا قَالَ عَلِیٌّ مِّنْھُمْ یَقُوْلُ ذٰلِکَ ثَلٰثًا وَّاَبُوْ ذَرٍّ وَّالْمِقْدَادُ وَسَلْمَانُ (اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں سے محبت کرنے کا حکم فرمایا ہے اور یہ بھی خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ بھی ان کو دوست رکھتا ہے (صحابہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کو بھی ان کے نام بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا علیؓ ان میں سے ہے، اور اس کلمہ کو تین بار فرمایا۔ اور ابو ذر غفاریؓ، مقدادؓ اور سلمانؓ (فارسی) (ترمذی وحاکم اور حاکم نے اس کی بریدہؓ سے تصحیح کی ہے)

(۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا: اَلنَّظَرُ اِلٰی عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ (حضرت علیؓ کی طرف دیکھنا عبادت ہے) (طبرانی وحاکم باسناد حسن)

(۴) حضرت براءؓ (بن عازب) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ حضرت حسنؓ آپ کے شانوں پر تھے اور اسی حال میں آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ (اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ) (بخاری مسلم)

(۵) حضرت ابوبکرہ ثقفیؓ (مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے اور حضرت حسنؓ آپ کے پہلو میں بیٹھے تھے، اس حال میں آنحضرتؐ نے لوگوں کی طرف ایک بار دیکھا پھر حضرت حسنؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا: اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ وَّلَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یُّصْلِحَ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (بیشک یہ میرا بیٹا سردار ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا) (بخاری)۔

(۶) حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ حضرت حسنؓ وحسینؓ آپ کی دونوں رانوں پر تھے تو آپؐ نے فرمایا: ھٰذَانِ ابْنَایَ وَابْنَا بِنْتِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا (یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت فرما اور اس شخص سے بھی محبت کر جو ان دونوں سے محبت رکھے) (ترمذی)۔

(۷) حضرت انسؓ (بن مالک) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اہلِ بیت میں سے آپ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا حسنؓ وحسینؓ سے (ترمذی)

(۸) مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِّنِّیْ فَمَنْ اَغْضَبَھَا اَغْضَبَنِیْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ یُرِیْبُنِیْ مَا اَرَابَھَا وَیُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاھَا (حضرت فاطمہؓ میرے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے پس جس کسی نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جو چیز فاطمہؓ کو بری معلوم ہوتی ہے وہ مجھے بھی بری لگتی ہے اور جو چیز اس کو تکلیف دیتی ہے وہ مجھے بھی تکلیف دیتی ہے اور بری لگتی ہے (بخاری ومسلم)

(۹) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بیشک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے

حضرت علیؓ سے فرمایا: فَاطِمَۃُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْكَ وَاَنْتَ اَعَزُّ عَلَیَّ مِنْھَا (فاطمہؓ مجھے تجھ سے زیادہ عزیز ہے اور تو اس سے زیادہ مجھے عزیز ہے)۔ (حاکم)

(۱۰) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بیشک عائشہؓ کی باری کے دن لوگ ہدیے اور تحفے بھیجا کرتے تھے جس سے ان کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی رضاجوئی ہوتا تھا۔ نیز آپ (حضرت عائشہؓ) فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات دو گروہوں میں منقسم تھیں ایک گروہ وہ تھا جس میں حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ حضرت صفیہؓ اور حضرت سودہؓ تھیں اور دوسرے گروہ میں حضرت ام سلمہؓ اور باقی ازواجِ مطہرات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھیں۔ پس حضرت ام سلمہؓ کے گروہ نے حضرت ام سلمہؓ سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عرض کریں کہ آپؐ لوگوں سے فرمائیں کہ جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھیجنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ وہ ہدیہ وہاں بھیج دیا کرے جہاں حضور تشریف فرما ہوں۔ چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے یہ بات آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کر دی۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: لَا تُؤْذِیْنِیْ فَاِنَّ الْوَحْیَ لَمْ یَاْتِنِیْ وَاَنَا فِیْ ثَوْبِ امْرَاَۃٍ اِلَّا عَائِشَۃَ (اے ام سلمہؓ! اس بارے میں مجھے تکلیف نہ دے کیونکہ مجھ پر حضرت عائشہؓ کے بستر کے علاوہ کسی اور کے بستر پر وحی نازل نہیں ہوئی)۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اللہ سبحانہٗ کی بارگاہ میں آپ کو تکلیف دینے سے توبہ کرتی ہوں ——— اس کے بعد ان ازواجِ مطہرات نے حضرت فاطمہؓ کو بلایا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ یہی بات حضرتؐ کی خدمت میں عرض کریں۔ تو آپؐ نے جواب میں فرمایا: یَا بُنَیَّۃُ اَلَا تُحِبِّیْنَ مَا اُحِبُّ قَالَتْ بَلٰی قَالَ فَاَحِبِّیْ ھٰذِہٖ (اے میری بیٹی! کیا تو اس کو محبوب نہیں رکھتی جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ (حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا جی ہاں تو آپؐ نے فرمایا تو بھی اس (عائشہؓ) سے محبت رکھ)۔ (بخاری و مسلم)۔

(۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے کسی پر رشک نہیں آیا البتہ حضرت خدیجہؓ پر رشک آتا ہے حالانکہ میں نے ان کو دیکھا نہیں، لیکن آنحضرتؐ اکثر ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور بسا اوقات آپ بکری ذبح کرتے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو بھیجتے تھے۔ تو میں آپ سے بہت دفعہ کہتی کہ

شاید دنیا میں خدیجہؓ سے بڑھ کر کوئی عورت نہیں ہوئی؟ تو آپؐ فرماتے کہ خدیجہؓ میں یہ یہ خوبیاں تھیں نیز اسی سے میرے اولاد ہوئی۔ (بخاری و مسلم)

(۱۲) حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا: اَلْعَبَّاسُ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ (عباسؓ مجھ سے ہے اور میں اس سے)۔ (ترمذی)

(۱۳) حضرت ابی سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی مَنْ اٰذَانِیْ فِیْ عِتْرَتِیْ (اللہ تعالیٰ اس شخص پر سخت غضبناک ہو جو میری عترت (اہلِ بیت) کے بارے میں میری تکلیف کا باعث ہو)۔ (دیلمی)

(۱۴) حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا خَیْرُكُمْ خَیْرُكُمْ لِاَهْلِیْ مِنْ بَعْدِیْ (تم میں سے اچھا وہ شخص ہے جو میرے بعد میرے اہلِ بیت کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے)۔ (حاکم)

(۱۵) حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ صَنَعَ اِلٰی اَهْلِ بَیْتِیْ بِرًّا كَافَاْتُهٗ عَلَیْهَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (جس شخص نے میری اہلِ بیت کے ساتھ احسان کیا میں اس کو قیامت کے دن اس کا بدلہ دوں گا)۔ (ابنِ عساکر)۔

(۱۶) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا: اَثْبَتُكُمْ عَلَی الصِّرَاطِ اَشَدُّكُمْ حُبًّا لِاَهْلِ بَیْتِیْ وَلِاَصْحَابِیْ (تم میں سے پل صراط پر سب سے زیادہ ثابت قدم وہ ہوگا جس کو میرے اہل بیت اور میرے صحابہ کے ساتھ محبت ہوگی (ابن عدی و دیلمی) ۵

۵　الٰہی بحقِ بنی فاطمہؓ　　کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی در قبول　　من و دست و دامانِ آلِ رسول
(خدایا بحقِ بنی فاطمہؓ　　بس ایماں پر ہو مرا خاتمہ
دعا میری رد ہو کہ ہو گی قبول　　مجھے بس ہے دامانِ آلِ رسول)

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمْ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْكِرَامِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی سَآئِرِ عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ اَجْمَعِیْنَ

ان مکتوباتِ شریفہ (یعنی اس دفتر دوم) کے جامع فقیر حقیر عبد الحی[1] کے نام صادر فرمایا - کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے فضائل اور اس کے مناسب بیان ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حضرت رب جل سلطانہٗ کے غضب کو ٹھنڈا کرنے والی اس کلمہ سے زیادہ کوئی چیز نفع بخش نہیں۔ جب یہ کلمۂ طیبہ آگ میں داخل ہونے کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے تو دوسرے قسم کے غضب کو جو اس سے کم ہیں ان کو بطریقِ اولیٰ تسکین دیتا ہے، اور کیوں تسکین نہ دے جبکہ بندہ بار بار اس کلمۂ طیبہ سے ماسوائے حق کی نفی کر کے سب سے منہ پھیر لیتا ہے اور معبودِ برحق ہی کو اپنا قبلۂ توجہ بنا لیتا ہے۔ غضب کا سبب مختلف توجہات تھیں جن میں بندہ گرفتار تھا جب وہ دُور ہو گئیں تو غصہ بھی جاتا رہا۔ اس معنی کو عالمِ مجاز میں بھی مشاہدہ کر سکتے ہیں ــــــ (مثلاً) جب کوئی مالک اپنے غلام سے ناراض ہوتا اور اس پر غصہ کرتا ہے تو غلام اپنی حسنِ فطرت کی بنا پر اپنی تمام توجہ دوسروں سے ہٹا کر مالک کی طرف لگا دیتا ہے اور ہمہ تن اپنے مالک کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس وقت ناچار غلام کے حق میں مالک کی شفقت و محبت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا غضب و آزار دُور ہو جاتا ہے۔

(یہ فقیر) اس کلمۂ طیبہ کو رحمت کے اُن ننانوے (۹۹) خزانوں کی کنجی محسوس کرتا ہے جن کو آخرت کے لئے ذخیرہ کیا گیا ہے، اور جانتا ہے کہ ظلماتِ کفر اور کدوراتِ شرک کو دُور کرنے کے لئے کلمۂ طیبہ سے بڑھ کر شفاعت کرنے والی دوسری کوئی چیز نہیں۔ جس کسی نے اس کلمہ کی تصدیق کی ہو اور اس سے ایمان کا ذرہ حاصل کر لیا ہو پھر اگر وہ کفر کی رسوم اور شرک کے رذائل میں مبتلا ہو جائے تو بھی امید ہے کہ اس کلمہ کی شفاعت سے عذاب سے باہر اور دائمی عذابِ دوزخ سے نجات پائے گا جس طرح اس امت کے کبیرہ گناہوں کی سزا کے دفع کرنے میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نافع اور کارگر ہے (اسی طرح کلمۂ طیبہ کی شفاعت بھی)

(اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ "اس امت کے کبیرہ گناہ" یہ اس لئے کہ چونکہ اممِ سابقہ میں

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۷۷ پر گزر چکا ہے۔

کبیرہ گناہوں کا ارتکاب بہت کم ہوا ہے بلکہ رسوماتِ کفر اور رذائلِ شرک کی آمیزش بھی کم پائی جاتی ہے لہذا شفاعت کی سب سے زیادہ محتاج یہی امت ہے۔ امم سابقہ میں ایک جماعت کفر پر مصر تھی اور دوسری جماعت اخلاص کے ساتھ ایمان لے آئی تھی اور اوامر کی بجا آوری کرتی تھی۔ لیکن یہ امت گناہوں سے پُر ہونے کی وجہ سے ہلاک ہو جاتی اگر کلمۂ طیبہ جیسا (اہم کلمہ) ان کی شفاعت کرنے والا نہ ہوتا اور حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات جیسے شفاعت کی شان والے نہ ہوتے: اُمَّۃٌ مُّذْنِبَۃٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ (یہ امت گنہگار ہے اور پروردگار بخشنے والا ہے) ——— حق جل وعلا (قیامت کے دن) جسقدر عفو و بخشش اس امت کے حق میں کام لائے گا معلوم نہیں کہ تمام گذشتہ امتوں میں سے کسی کے حق میں کام لائے۔ گویا کہ ننانوے (۹۹) رحمتیں اس گنہگار امت کے لئے ذخیرہ کی گئی ہیں۔

ع کہ مستحق کرامت گناہگار انند (کرم کے مستحق ہیں سب گنہگار)

چونکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ عفو و مغفرت کو پسند کرتا ہے اور عفو و مغفرت کے لئے بھی اس امتِ پُر تقصیر کے برابر کوئی اور مقام و محل نہیں لہذا لازمی طور پر یہ امت "خیر الامم" قرار پائی اور کلمۂ طیبہ جو اُن کی شفاعت کرنے والا ہے "افضل الذکر" ہوا، اور اُن کی شفاعت کرنے والے پیغمبر نے "سید الانبیاء" علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کا خطاب پایا۔ اُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ وَّکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (فرقان آیت ۲۵) (یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بہت مہربان ہے)۔ ہاں ارحم الراحمین کے شایاں یہی ہے اور اکرم الاکرمین ایسا ہی ہونا چاہئے۔

ع باکریماں کارہا دشوار نیست: وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا (نساء آیت ۳۰) (اور یہ سب اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے) ——— رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (آل عمران آیت ۱۴۷) اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کام میں ہمارے حد سے بڑھنے کو بھی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما)۔

نیز اس کلمہ کے فضائل میں سے بھی کچھ سنو! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم وبارک نے ارشاد فرمایا ہے: مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ (مشکوٰۃ) (جس نے (صدق دل سے) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا وہ جنت میں داخل ہوگیا) ——— کوتاہ نظر تعجب کرتے ہیں کہ صرف ایک مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے کس طرح جنت میں داخلہ میسر ہو جائے گا لیکن وہ لوگ اس کلمۂ طیبہ کی

برکات سے واقف نہیں ہیں ——— اس فقیر کو محسوس ہوا ہے کہ اگر تمام عالم کو بھی صرف ایک مرتبہ کلمۂ طیبہ (صدق دل سے) پڑھ لینے پر بخش دیں اور بہشت میں بھیج دیں تو بھی گنجائش ہے ——— اور یہ بھی مشہود ہوتا ہے کہ اس کلمۂ مقدسہ کی برکات کو اگر تمام عالم پر تقسیم کر دیں تو ہمیشہ کے لئے سب کو کافی ہوں گی اور سب کو سیراب کر دیں گی۔ پھر ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اس کلمۂ طیبہ کے ساتھ کلمۂ مقدسہ "محمد رسول اللہ" بھی جمع ہو جائے اور تبلیغ توحید کے ساتھ انتظام پا جائے اور رسالت ولایت کے ساتھ مل جائے ——— ان دونوں کلموں (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ) کا مجموعہ ولایت و نبوت کے کمالات کا جامع ہے اور ان دونوں سعادتوں کا پیشوائے راہ ہے۔ یہی کلمہ ہے جو ولایت کو ظلماتِ ظلال سے پاک کرتا ہے اور نبوت کو بلند سے بلند درجے تک پہنچاتا ہے: اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا مِنْ بَرَکَاتِ ھٰذِہِ الْکَلِمَۃِ الطَّیِّبَۃِ وَثَبِّتْنَا عَلَیْھَا وَاَمِتْنَا عَلٰی تَصْدِیْقِھَا وَاحْشُرْنَا مَعَ الْمُصَدِّقِیْنَ لَھَا وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّۃَ بِحُرْمَتِھَا وَبِحُرْمَۃِ مُبَلِّغِیْھَا عَلَیْھِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ وَالْبَرَکَاتُ (یا اللہ! تو ہم کو اس کلمۂ طیبہ کی برکات سے محروم نہ رکھ اور ہم کو اس پر ثابت قدم رکھ اور ہم کو اس کی تصدیق کے ساتھ موت نصیب فرما اور اس کی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ ہمارا حشر کرنا اور ہمیں اس کی حرمت اور اس کی تبلیغ کرنے والے علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کے طفیل جنت میں داخلہ نصیب فرمائیو)

اور نیز جب نظر اور قدم عاجز رہ جاتے ہیں اور ہمت کے بال و پر جواب دیدیتے ہیں اور معاملہ غیبِ صرف کے ساتھ پڑتا ہے، اس مقام میں کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے سہارے کے بغیر پاؤں نہیں چل سکتے، اور اس کلمۂ مقدسہ کی آغوش کے بغیر اس مسافت کو طے نہیں کیا جا سکتا اس کلمۂ طیبہ مقدسہ کو ایک مرتبہ پڑھنے والا اس کلمۂ طیبہ مقدسہ کی حقیقت کی امداد و اعانت سے ایک قدم میں اس مسافت کو طے کر لیتا ہے اور اپنی ذات سے دُور اور حق جل و علا کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ ——— اور اس مسافت کا ہر جزو عالمِ امکانی تمام دائروں سے کئی گنا زیادہ ہے۔ لہٰذا اس بیان سے اس (کلمۂ طیبہ) کے ذکر کی فضیلت کو سمجھ لینا چاہیئے کہ تمام دنیا اس (کلمۂ طیبہ) کے مقابلے میں کوئی مقدار نہیں رکھتی اور کچھ بھی محسوس نہیں ہوتی۔ کاش کہ (ان دونوں کے درمیان وہی نسبت ہوتی جو) ایک قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کلمہ طیبہ کی عظمت کا ظہور اس کے پڑھنے والے کے درجات کے اعتبار سے ہے جسقدر پڑھنے والا بلند درجہ ہوگا

اسی قدر اس کلمۂ مقدسہ کی عظمت کا ظہور بھی زیادہ ہوگا ؎

یَزِیۡدُكَ وَجۡهُهٗ حُسۡنًا اِذَا مَا زِدۡتَّهٗ نَظَرًا

(بڑھتا جائے گا اس کا حسن بہت تم زیادہ جو اس کو دیکھو گے)

معلوم نہیں کہ اس دنیا میں رہ کر کوئی آرزو اس کے برابر ہو کہ کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اس کلمۂ طیبہ کی تکرار سے لذت پائی جائے اور محظوظ ہوا جائے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ تمام آرزوئیں میسر نہیں ہوا کرتیں اور غفلت اور (حقوق کی ادائیگی کے لئے) مخلوق سے میل جول رکھنے کے بغیر بھی چارہ نہیں۔ رَبَّنَا اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (تحریم آیۃ ۶۶) (اے ہمارے رب! تو ہمارے لئے ہمارے نور کو کامل کر دے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔ سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ وَسَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ہ (صٰفّٰت ۳۷ آیۃ ۱۸۰ تا ۱۸۲)

(پاک ذات ہے تیرے رب کی جو بڑی عزت والا ہے اور پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو رسولوں پر اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام عالموں کا پروردگار ہے)۔

## مکتوب ۳۸

سی و ہشتم

حاجی محمد یوسف[1] کشمیری کی طرف صادر فرمایا — اس بیان میں کہ اہل اللہ کے باطن کو دنیا کے ساتھ رائی برابر بھی تعلق نہیں ہوتا اگرچہ بظاہر وہ دنیا اور اسباب دنیا میں مشغول ہوں اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔ خدائے جل سلطانہ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جس کے باطن میں رائی برابر بھی دنیا کی محبت ہو، یا اس کے باطن کو کسی قدر دنیا کے ساتھ تعلق موجود ہو، یا کسی مقدار میں اس کا باطن دنیا سے مکدر ہو ——— باقی رہا اس کا ظاہر جو اگرچہ باطن کی منزلوں سے دور پڑا ہوا ہے اور آخرت سے دنیا میں آگیا ہے اور لوگوں کے ساتھ اختلاط پیدا کر لیا ہے تاکہ وہ مناسبت حاصل ہو جائے جو افادہ و استفادہ کی شرط ہے، لہٰذا اگر وہ دنیا کی کوئی بات کرے اور اسباب دنیاوی کو اختیار کر لے تو اس کی گنجائش ہے اور یہ کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ اچھی بات ہے تاکہ مخلوق کے

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۵ پر گزر چکا ہے۔

حقوق معطل نہ ہوجائیں اور افادہ و استفادہ کا راستہ بند نہ ہوجائے لہذا ایسے شخص کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہے اور جو نما گندم فروش کا حکم رکھتا ہے۔ ظاہر بین لوگ اپنی طرح اس کو گندم نما جو فروش تصور کرتے ہیں اور اس کے ظاہر کو اس کے باطن کے مقابلے میں بہتر سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ یہ بظاہر دنیا سے بے تعلق دکھائی دیتا ہے لیکن باطناً (دنیا میں) گرفتار ہے: رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ (اعراف آیت ۸۹) (اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے)۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ الْعُلٰی۔

سید عبد الباقی سارنگپوری[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اصحاب یمین، اصحاب شمال اور سابقین حضرات کے بیان میں جنھوں نے ایک قدم شمال میں اور دوسرا یمین میں رکھا اور سبقت کی گیند اصل کے میدان میں لے گئے اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔ جاننا چاہئے کہ اصحاب شمال (جن کے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال ہوگا) حجب ظلمانی (تاریک پردوں) والے لوگ ہیں، اور اصحاب یمین حجب نورانی (نورانی پردوں) والے حضرات ہیں، اور سابقین وہ حضرات ہیں جو (ظلمانی و نورانی) دونوں حجابوں سے باہر نکل گئے ہیں اور ایک قدم شمال پر دوسرا قدم یمین پر رکھ کر سبقت کی گیند اصل کے میدان میں لے گئے ہیں اور ظلال امکانی اور ظلال وجوبی سے بھی وراء ہوگئے ہیں اور انھوں نے اسم و صفت اور شان و اعتبار سے سوائے ذات تعالیٰ و تقدس کے اور کچھ نہیں چاہا۔

اصحاب شمال کفر و شقاوت والے ہیں۔ اور اصحاب یمین، اہل اسلام اور ارباب ولایت ہیں۔ اور سابقین بالاصالت (اصل میں) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں اور یا وہ حضرات ہیں جن کو تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرما دیں۔ یہ دولت تبعیت (اتباع) کے طور پر زیادہ تر انبیاء علیہم الصلوات

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ لیکن عاجز کا خیال ہے کہ میر سید باقر سارنگپوری دفتر اول مکتوب ۲۶۴ اور آپ دونوں ایک ہی صاحب ہیں باقی اور باقر لکھنے میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا نقل در نقل میں کاتب کی غلطی سے ایک نام کے دو حضرات ہوگئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

والتسلیمات والتحیات کے اکابر اصحاب ہیں ہے اور قلت وندرت (شاذونادر) کے طور پر غیر اصحاب ہیں بھی متحقق ہے، اور حقیقت میں یہ شخص بھی اصحاب کے زمرے میں داخل ہے اور انبیا علیہم الصلوٰت والبرکات کے کمالات کے ساتھ ملحق ہے۔ شاید ایسے ہی شخص کے حق میں آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے لَا یُدْرٰی اَوَّلُهُمْ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُهُمْ (ترمذی) (نہیں معلوم کہ ان میں اول کے (لوگ) بہتر ہیں یا آخر کے) ——— اگرچہ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ (سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے) لیکن اُس (اپنے زمانے) کو قرون کے اعتبار سے بہتر فرمایا ہے اور اِس (آخری زمانے) کو اشخاص کے اعتبار سے۔ واللہ سبحانہ اعلم ——————— لیکن اہلِ سنت کا اجماع انبیا علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے بعد شیخین (حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ) کی فضیلت پر ہے۔ ایسا کوئی شخص نہیں جو حضرت ابوبکرؓ پر سبقت لے گیا ہو، اس امت کے سابقوں کے سابق (سب سے زیادہ سبقت لیجانے والے) اور اس امت کے پہلوں کے پہلے بھی آپ (حضرت ابوبکرؓ) ہی ہیں، اور حضرت فاروقؓ اُن ہی کے توسّل سے اس افضلیت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور ان ہی کے توسط سے دوسروں کی نسبت سربلند ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ (شروع میں) حضرت فاروقؓ کو "خلیفۂ صدیقؓ" کہا کرتے تھے اور خطبہ میں بھی رسول اللہ کے خلیفہ کے خلیفہ کہتے تھے۔ اس معاملہ کے شہسوار حضرت صدیقؓ ہیں اور حضرت فاروقؓ ان کے ردیف (پیچھے بیٹھنے والے) ہیں۔ پس کیا ہی اچھا ردیف ہے کہ جو اپنے شہسوار سے مرافقت (رفیقِ سفر) کرے اور اور اس کے خاص اوصاف میں اس کا شریک ہو۔

اب ہم اصل بات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سابقین حضرات، یمین وشمال کے احکام سے خارج ہیں اور ظلمانی ونورانی معاملات سے بالاتر ہیں۔ ان کا اعمال نامہ کتابِ یمین وکتابِ شمال سے وراء ہے اور ان کا محاسبہ اصحابِ یمین واصحابِ شمال کے محاسبہ سے بھی وراء وبلند ہے، اور ان کے ساتھ کاروبار کا معاملہ بھی سب سے علیحدہ ہے اور ان کے ناز وانداز بھی جدا ہیں۔ اصحابِ یمین، اصحابِ شمال کی طرح ان کے کمالات کو کیا سمجھ سکتے ہیں، اور اربابِ ولایت عام مومنین کی طرح ان کے اسرار کو کیا پاسکتے ہیں۔ حروف مقطعاتِ قرآنی ان کی اسرارِ شان کے رموز ہیں اور متشابہاتِ قرقانی ان کے درجاتِ وصول کے خزانے ہیں، اصل کے وصول نے ان کو ظل سے فارغ کر دیا ہے اور اربابِ ظلال کو ان کے حریم خاص سے دُور کر دیا ہے۔ یہی حضرات مقربین ہیں اور رَوْحٌ وریحان (راحت وخوشبو) ان کی شایانِ نصیب ہے،

یہی حضرات ہیں جو فزعِ اکبر (قیامت کی ہولناکی) سے غمگین نہیں ہوں گے اور دوسروں کی طرح قیامت کے دہشتناک واقعات سے بیقرار نہیں ہوں گے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُّحِبِّیْھِمْ فَاِنَّ الْمَرْءَ مَعَ مَنْ اَحَبَّ بِصَدَقَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَعَلَیْھِمْ وَعَلٰی اٰلِ کُلٍّ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ وَالْبَرَکَاتُ (اے اللہ! تو حضرت سید المرسلین علیہ وعلی آلہ وعلیہم وعلی آل کل الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کے طفیل ہم کو ان کے محبوں میں شمار فرما کیونکہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے)۔

# مکتوب ۴۰ چہلم

مولانا بدر الدین[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ حجابات کا اٹھنا شہود کے اعتبار سے ہے نہ کہ وجود کے اعتبار سے، اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔ حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے اسماء، وصفات اور شیون واعتبارات کے حجابات کا اٹھنا دو قسم پر ہے۔ ایک وہ خرق ہے جو شہود کے اعتبار سے ہے اور دوسرا خرق وجود کے اعتبار سے ـــــــ خرقِ وجودی ممتنع ومحال ہے۔ البتہ خرقِ شہودی ممکن ہے بلکہ واقع ہے اگرچہ وہ بھی اقلِ قلیل (بہت کم) اور اخص خواص حضرات کا حصہ ہے ـــــــ اور یہ جو حدیث شریف میں وارد ہے: اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّظُلْمَۃٍ لَوْ کُشِفَتْ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْھِہٖ مَا انْتَھٰی اِلَیْہِ بَصَرُہٗ مِنْ خَلْقِہٖ (فتوحات مکیہ، مشکوٰۃ اور اشعۃ اللمعات) (بیشک اللہ تعالیٰ کے لئے نور اور ظلمات کے ستر ہزار پردے ہیں اگر وہ اٹھا دیئے جائیں تو اس کے چہرے کے انوار جہاں تک مخلوق میں اس کی نگاہ پہنچتی ہے ہر شے کو جلا دیں) ـــــــ اس کشف وخرق سے مراد خرقِ وجودی ہے جو نا ممکن اور محال ہے۔

اور جو کچھ اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں حضرت ذات تعالیٰ وتقدس سے تمام حجابوں کے رفع ہونے کی نسبت لکھا ہے تو اس ازالہ سے مراد خرقِ شہودی ہے جس طرح کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کسی شخص کو ایسی بینائی عطا فرمائے کہ وہ پردوں کے ماوراء چھپی ہوئی اور پوشیدہ اشیاء کو دیکھ لے۔ جس طرح یہاں حجابوں اور پردوں کا دور ہونا شہود کے اعتبار سے ہے اسی طرح وہاں بھی ـــــــ لہٰذا معلوم ہوا کہ

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۸۹ پر گذر چکا ہے۔

جو کچھ اس فقیر نے جوازِ خرق کی نسبت لکھا ہے وہ خبرِ عدمِ جوازِ خرق کے منافی نہیں وہ خرق دوسرا ہے اور یہ خرق اور۔ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ (بقرہ آیت ۱۴۷) (پس تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ)۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ الْعُلٰی (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات العلیٰ کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)۔

## مکتوب ۴۱ چہل و یکم

شیخ فرید تھانیسری[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ مراتب نہایت النہایت سے آگے ایک اور مرتبہ پیش آتا ہے جس کا ہر ذرہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ معلوم ہوتا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اللہ سبحانہ کی عنایت اور اس کے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے صدقہ میں عروج کے وقت میں نہایت النہایت کے مراتب سے آگے ایک ایسا مرتبہ پیش آیا کہ اس مقام کا ہر ذرہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ معلوم ہوا۔ لہذا اگر اس مقام کے ایک ذرہ کا سلوک طے کر لیا جائے تو گویا دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ مسافت طے ہو جاتی ہے۔ پس اس مسافر کا کیا حال ہوگا جو اس مرتبہ کی طویل مسافت کو طے کر چکا ہو۔ لہذا معلوم ہوا کہ دائرہ امکان کے مراتب وجوب کی اس سے اوپر کے مراتب کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں۔ کاش کہ قطرہ کو دریائے محیط ہی کی نسبت ہوتی۔ پس لازمی طور پر اپنے پاؤں کی قوت سے اپنے آپ کو دوست کے کوچہ میں نہیں پہنچا سکتے اور اپنی آنکھ سے اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَاهُ (بادشاہ کے عطیوں کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں)۔

## مکتوب ۴۲ چہل و دوم

خواجہ جمال الدین حسین ولد مرزا حسام الدین احمد[2] کی طرف صادر فرمایا ــــ اس بیان میں کہ صوفیوں کی

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے مزید حالات معلوم نہ ہو سکے ــــ [2] آپ کے نام چھ مکتوبات ہیں۔ دفتر اول میں ۱۱۳-۱۷۷-۲۲۳۔ دفتر دوم میں مکتوب ۴۲۔ دفتر سوم میں ۵۶-۸۱۔

سیر کا آفاق و انفس میں منحصر ہونے اور ان دو سیروں میں تخلیہ و تجلیہ ثابت کرنے کے بیان میں اور حضرت ایشاں (مجدد صاحب) قدس سرہ الاقدس اس معنی سے منع فرماتے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت سے نہایت النہایت کو انفس و آفاق کے باہر ثابت کرتے ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سَیِّدِ المرسلین وعلیٰ الہ الکرام واصحابہ العظام من یومنا ھذا الی یوم القیام ــــ فرزند عزیز! اللہ تعالیٰ تم کو دارین کی سعادت نصیب فرمائے۔ ہوش کے کانوں سے سنو! جب سالک نیت کو درست کرنے اور آرزوؤں سے خلاصی پانے کے بعد ذکر الٰہی جل سلطانہ میں مشغول ہوتا ہے اور ریاضاتِ شاقّہ اور مجاہداتِ شدیدہ اختیار کرتا ہے اور تزکیہ حاصل کر لیتا ہے اور اس کے اوصافِ رذیلہ اخلاقِ حسنہ سے بدل جاتے ہیں اور اس کو توبہ و انابت (رجوعِ حق جل وعلا) میسر ہو جاتی ہے اور دنیا کی محبت اس کے دل سے باہر نکل جاتی ہے اور صبر و توکل اور رضا حاصل ہو جاتے ہیں، اور اپنے حاصل شدہ معانی و مطالب کو تدریج و ترتیب کے ساتھ عالمِ مثال میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو بشریت کی کدورتوں اور کمینہ خصلتوں سے پاک و مصفی پاتا ہے تو اس وقت اس کی سیر آفاقی تمام ہو جاتی ہے۔

صوفیہ کے ایک گروہ نے اس مقام میں احتیاط سے کام لیا ہے اور انسان کے ساتوں لطیفوں میں سے ہر لطیفے کو عالمِ مثال میں ان کے مناسب انوار میں سے کسی نور کی صورت قرار دی ہے اور ہر لطیفے کی صفائی کی علامت ان مثالی انوار میں سے کسی نور کے ظہور کی علامت مقرر کی ہے اور اس سیر کو لطیفۂ قلب سے شروع کر کے بتدریج و ترتیب لطیفۂ اخفیٰ تک جو منتہائے لطائف ہے پہنچایا ہے مثلاً سالک کے قلب کی صفائی کی علامت اس کے قلب کو سرخ نور کی صورت میں ظاہر ہونا قرار دیا ہے۔ اور صفائیِ روح کی علامت زرد نور کی صورت کو قرار دیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ سیر آفاقی کا حاصل یہ ہوا کہ سالک اپنے اوصاف کی تبدیلی اور اپنے اخلاق کے تغیر کو عالمِ مثال کے آئینوں میں مشاہدہ کرے اور اپنی ظلمتوں اور کدورتوں کا زوال بھی اس عالم میں محسوس کرے تاکہ اس کو اپنی صفائی کا یقین اور اپنے تزکیہ کا علم حاصل ہو جائے۔ اور جب سالک اس سیر میں ہر گھڑی ہر ساعت اپنے احوال و اطوار کو عالمِ مثال میں جو کہ جملہ آفاق سے ہے مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس عالم میں ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں منتقل ہوتا ہوا دیکھتا ہے تو گویا اس کو

یہ سیر آفاق میں ہوئی ۔ اگرچہ یہ سیر حقیقت میں سالک کی اپنے نفس میں سیر ہے اور اس کے اپنے اوصاف و اخلاق میں حرکتِ کیفی ہے ، لیکن جب دور بینی کی وجہ سے اس کا مطمحِ نظر آفاق ہے تو کہ انفس، اس لئے یہ سیر بھی آفاق کی طرف منسوب ہے ۔ (مشائخ نے) اس سیر کے تمام ہونے کو جو سیرِ آفاق کی طرف منسوب ہے سیرِ الی اللہ کی تکمیل ہونا قرار دیا ہے اور فنا کو اس سیر کے ساتھ وابستہ کر کے اس کو سلوک سے تعبیر کیا ہے ۔

ـــــــ اس کے بعد جو سیر واقع ہوتی ہے اس کو سیرِ انفسی کہتے ہیں اور سیرِ فی اللہ بھی کہتے ہیں اور اس مقام میں بقا باللہ کا　　اثبات کرتے ہیں اور اسی مقام میں سلوک کے بعد جذبے کا حصول جانتے ہیں ـــــــ چونکہ سالک کے لطائف سیر اول (یعنی سیر آفاقی) میں تزکیہ پا لیتے ہیں اور بشری کدورتوں سے نجات حاصل کر کے یہ قابلیت پیدا کر لیتے ہیں کہ اسمِ جامع جو اس (سالک) کا رب ہے اس کے ظلال و عکوس ان لطائف کے آئینوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور یہ لطائف اس اسمِ جامع کی جزئیات کے تجلیات و ظہورات کے وارد ہونے کی جگہ بن جاتے ہیں جو اسی اسمِ جامع کی جزئیات ہیں ـــــــ اس سیر کو سیرِ انفسی اس لئے کہتے ہیں کہ انفس ان اسماء کے ظلال اور عکوس کا آئینہ بن گیا ہے نہ کہ اس لئے کہ سالک کی سیر نفس میں ہے جیسا کہ سیرِ آفاقی میں گذر چکا ہے کہ آئینہ داری کے اعتبار سے اس کو سیرِ آفاقی کہا گیا ہے نہ کہ اس لئے کہ یہ سیر آفاق میں ہے، اس سیر میں فی الحقیقت انفس کے آئینوں میں اسماء کے ظلال کی سیر ہے لہذا اس سیر کو سیرِ معشوق در عاشق کہتے ہیں ؎

آئینہ صورت از سفر دُور ست　　کاں پذیرائے صورت از نور ست

(آئینہ دیکھو گے کیا تم دُور سے　　اس میں آتا ہے نظر بس نور سے)

اس سیر کو سیرِ فی اللہ اس اعتبار سے بھی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے کہ سالک اس سیر میں "متخلِّق باَخلاقِ اللہ" (اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق و متصف) ہو جاتا ہے اور ایک عادت سے دوسری عادت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، کیونکہ مظہر کو ظاہر کے بعض اوصاف سے حصہ ضرور ملتا ہے اگرچہ اجمالی طور پر ہی ہو، تو گویا حق تعالیٰ کے اسماء میں سیر متحقق ہو گئی ۔ اس مقام کی تحقیق کی نہایت اور اس کلام کی تصحیح یہی ہے ـــــــ صاحبِ مقام کا کیا حال ہو گا اور کلام سے متکلم کی کیا مراد ہو گی، کیونکہ ہر شخص اپنی فہم اور دریافت کے اندازے کے مطابق بات کرتا ہے، اور (بعض اوقات) اپنے کلام سے جو کچھ ارادہ و معنی مراد ہوتے ہیں سننے والا اسی کلام سے کچھ اور معنی و مطلب سمجھتا ہے ۔

یہ حضرات (مشائخ) سیر انفسی کو بے تکلف سیر فی اللہ کہتے ہیں اور نہایت بے باکی کے ساتھ اس کو بقا باللہ کا نام دیتے ہیں اور مقامِ وصل و اتصال خیال کرتے ہیں۔ اور یہ اطلاقات اس فقیر پر بہت گراں گزرتے ہیں لہٰذا مجبوراً اس کی تصحیح و توجیہ میں حیلے اور تکلف اختیار کرتے پڑتے ہیں جس کا کچھ حصہ ان (مشائخ) کے کلام سے ماخوذ ہے اور کچھ حصہ افاضہ والہام کے طریقے سے حاصل ہوا ہے گویا سیر آفاقی میں بُری خصلتوں سے نجات حاصل ہوگئی تھی اور اس سیر انفسی میں اخلاقِ حمیدہ کی جِلا ہوگئی، کیونکہ تخلیہ (بری خصلتوں سے خالی ہونا) مقامِ فنا کے مناسب ہے اور تجلیہ (نیک صفات سے آراستہ ہونا) مقامِ بقا کے مناسب ہے۔ اور (ان کے نزدیک) اس سیرِ انفسی کی نہایت (انتہا) معلوم نہیں اگرچہ اس (کے طے کرنے) کے لئے سالک کو عمرِ ابدی بھی میسر ہو تو بھی (ان مشائخ نے) اس سیر کے تمام نہ ہونے کا حکم کیا ہے اور کہا ہے کہ محبوب کے اخلاق و اوصاف کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ لہٰذا لا محالہ (ہمیشہ) سالکِ متخلق کے آئینے میں اس محبوب کی صفتوں میں سے کسی ایک صفت کی تجلی ہوگی ـــــ اور اس کے کمالات میں سے کسی ایک کمال کا ظہور ہوگا لہٰذا (اس سیر کا) انقطاع کہاں اور اس کی نہایت کیسے جائز قرار دی جائے گی ؎

ذرہ گر بس نیک ور بس بد بود گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

(ذرہ چھوٹا ہو یا بڑا، وہ اگر تگ و دو بھی کرے، رہے گا وہیں)

اور اس فنا و بقا کو جو کہ سیر آفاقی اور سیر انفسی سے حاصل ہوئی ہے ولایت کے نام سے اطلاق کرتے ہیں اور کمال کی انتہا کو بس یہیں تک جانتے ہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی سیر واقع ہو جائے تو وہ ان کے نزدیک سیرِ رجوعی ہے جس کو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اسی طرح سیر چہارم کہ جس کو سیر فی الاشیاء باللہ کہا ہے اس کا تعلق بھی نزول (رجوع) کے ساتھ ہے۔ اور (مشائخ نے) ان دونوں سیروں کو تکمیل وارشاد کے لئے مقرر کیا ہے، چنانچہ پہلی دو سیریں نفسِ ولایت کے حاصل کرنے اور کمال کے لئے ہیں۔

اور مشائخ کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جن ستر ہزار پردوں کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّ ظُلْمَۃٍ (بیشک اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں) تو یہ (پردے) سیر آفاقی میں اٹھ جاتے ہیں۔ کیونکہ ساتوں لطیفوں میں سے ہر لطیفہ دس ہزار پردوں کو زائل کر دیتا ہے اور جب وہ سیر مکمل ہو جاتی ہے تو سب کے سب حجابات بھی اُٹھ جاتے ہیں

اور سالک سیرِ فی اللہ کے ساتھ متحقق ہو کر مقامِ وصل میں پہنچ جاتا ہے ـــــ یہ ہے اربابِ ولایت کی سیر و سلوک کا حاصل اور ان کے کمال و تکمیل کا نسخۂ جامعہ ـــــ اور اس بارے میں جو کچھ اس فقیر پر محض فضل و کرمِ خداوندی جل سلطانہٗ سے ظاہر کیا گیا ہے اور جس راستے پر چلایا گیا ہے اس نعمت کے اظہار اور عطیہ کا شکر ادا کرنے کے طور پر اس کو تحریر کرتا ہے فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ۔

اللہ تعالیٰ تم کو نیکی کی توفیق دے اور سیدھے راستے پر چلائے۔ جاننا چاہئے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ بے مثل اور بے کیف ہے جس طرح وہ آفاق سے وراء ہے انفس سے بھی وراء ہے، لہٰذا سیرِ آفاقی کو سیر الی اللہ کہنا اور سیرِ انفسی کو سیرِ فی اللہ کا نام دینا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ ہر دو سیرِ آفاقی و انفسی سیر الی اللہ میں داخل ہیں، اور سیرِ فی اللہ وہ سیر ہے جو آفاق و انفس سے کئی منزلیں دور ہے اور ان سب سے وراء الوراء ہے ـــــ عجب معاملہ ہے کہ انھوں نے سیرِ فی اللہ کو سیرِ انفسی قرار دیدیا ہے اور سیر کو بے نہایت کہا ہے اور عمرِ ابدی کے ساتھ بھی اس کے طے کرنے کو جائز قرار نہیں دیا، جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا۔ اور چونکہ انفس بھی آفاق کی طرح دائرۂ امکان میں داخل ہے لہٰذا اس صورت میں دائرۂ امکان کو طے کرنا ممکن نہیں۔ پس اس سے دائمی مایوسی اور خسارۂ سرمدی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا، نہ کبھی دائمی فنا متحقق ہوگی اور نہ کبھی بقا متصور ہوگی۔ تو پھر وصل و اتصال کیسے ہوگا اور قرب و کمال کس طرح حاصل ہوگا۔

سبحان اللہ! جب بزرگ حضرات پانی کو چھوڑ کر سراب پر کفایت کریں اور "الی اللہ" کو "فی اللہ" خیال کریں اور امکان کو وجوب تصور کریں اور چون کو بے چون کے ساتھ تعبیر کریں تو چھوٹوں اور پست فطرت لوگوں سے کیا گلہ کیا جائے اور کیا شکایت کی جائے ـــــ کیا مصیبت ہے کہ ان حضرات نے کس اعتبار سے انفس کو حق جل و علا کہا ہے کہ اس کی سیر کو باوجود حد و نہایت کے بے نہایت خیال کیا ہے۔ اور سالک کے آئینے میں اسماء و صفاتِ واجبی جل سلطانہٗ کا وہ ظہور جس کو انھوں نے اس سیرِ انفسی میں قرار دیا ہے وہ ظہور دراصل اسماء و صفات کے ظلال میں سے ایک ظل کا ظہور ہے نہ کہ عین اسماء و صفات کا ظہور، جیسا کہ اس مکتوب کے آخر میں اس معنی کی تحقیق میں انشاء اللہ تعالیٰ تحریر کیا جائے گا۔

میں کیا کروں اور کس طرح علم و تمیز کے باوجود اس بے ادبی کو حق تعالیٰ و تقدس کی جناب میں جائز رکھوں، اور اس بلند و برتر ہستی کے ملک میں اس سبحانہٗ کے غیر کو کس طرح شریک کروں۔ اگرچہ ان

اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے حقوق اپنے ذمہ جانتا ہوں کیونکہ میں مختلف طور و طریقے سے ان ہی حضرات کا تربیت یافتہ ہوں لیکن حضرت واجب الوجود جل سلطانہٗ کے حقوق ان سب کے حقوق سے بڑھ کر ہیں اور اس بزرگ و برتر ہستی کی تربیت دوسروں کی تربیت سے بلند و بالا ہے، اس بلند و بالا ہستی کی حسنِ تربیت کی وجہ سے اس بھنور سے نجات پائی ہے، اور اس ذات تعالیٰ کے ملک مقدس میں کسی دوسرے کو اس کا شریک نہیں کیا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت فرمائی اور ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا)۔ (اعراف آیت ۴۳)

وہ حق تعالیٰ بے مثل و بے کیف ہے اور جو کچھ بھی چونی و چندی کے داغ سے داغدار ہے وہ اس ذات تعالیٰ و تقدس کی جناب سے دور ہے لہذا آفاق کے آئینوں اور انفس کی جلوہ گاہوں میں اس سبحانہٗ کی گنجائش نہیں، اور جو کچھ ان مظاہر کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے وہ بھی چند و چوں کا مظہر ہے پس آفاق و انفس سے گذر کر اس سبحانہٗ کو ماورائے آفاق و انفس تلاش کرنا چاہیئے۔ اور جس طرح دائرۂ امکان میں خواہ وہ آفاق ہو یا انفس اس ذات حق سبحانہٗ کی گنجائش نہیں، اسی طرح اس تعالیٰ کے اسماء و صفات کی بھی اس میں گنجائش نہیں، بلکہ جو کچھ وہاں ظاہر ہوتا ہے وہ اس ذات تعالیٰ و تقدست کے اسماء و صفات کے عکوس اور ان کے شبہ و مثال ہیں۔ بلکہ اسماء و صفات کی ظلیت و مثالیت بھی آفاق و انفس سے باہر ہے۔ اس جگہ تعبیہ (آراستہ کرنا) اور نقشِ قدرت سے زیادہ کچھ نہیں کیسا ظہور اور کہاں کی تجلی؟ کیونکہ اس سبحانہٗ کے اسماء و صفات بھی اس ذات تعالیٰ کی مانند بے چون و بے چگونہ اور بے شبہ و بے نمونہ ہیں۔ جبتک (سالک) آفاق و انفس سے باہر نہیں نکل جاتا اس ذات تعالیٰ کے اسماء و صفات کی ظلیت کے معانی کو نہیں جان سکتا تو پھر اس ذات تعالیٰ و تقدس کے اسماء و صفات تک کس طرح وصول حاصل کر سکتا ہے۔

عجیب معاملہ ہے، اگر میں اپنے یقینی مکشوفات و معلومات کو بیان کروں تو مشائخ کے مذاق کے موافق اور ان کے انکشافات کے مطابق نہ ہوں گے، پھر میری بات کا کون یقین کرے گا اور کون قبول کرے گا، اور اگر بیان نہ کروں اور پوشیدہ رکھوں تو میں حق کو باطل کے ساتھ ملا دینے والا ہو جاؤں گا، اور جن امور کا حق تعالیٰ و تقدس پر اطلاق جائز نہیں اس کے اطلاق کی

گنجائش پیدا ہو جائے گی، لہذا مجبوراً جو کچھ حق ہے اور جناب قدس تعالیٰ و تقدس کے شایانِ شان ہے اس کا اظہار کرتا ہوں، اور جو کچھ اس سبحانہٗ و تعالیٰ کی جنابِ قدس کے نامناسب ہے اس کی نفی کرتا ہوں اور دوسروں کے خلاف ہونے سے نہیں ڈرتا اور نہ اس کا غم کرتا ہوں۔ دوسروں کی مخالفت کا خوف اس وقت متحقق ہوتا ہے جب مجھے اپنے معاملے میں تذبذب اور شک ہو اور اپنا مکشوف مشتبہ ہو۔ لیکن جب (کارکنانِ قضا و قدر) سفیدیٔ صبح کی طرح حقیقتِ کار کو ظاہر کر دیں اور چودھویں رات کے چاند کی طرح اصل معاملہ واضح ہو جائے اور ظلال سے پوری طرح گذر کر شبہ و مثال سے بلند و بالا لے جائیں تو شک و شبہ کہاں ہو اور تذبذب کس طرح ہو سکتا ہے ـــــــــ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ احوال کے درست ہونے کی علامت صاحبِ حال کو اپنے کمال پر یقین حاصل ہونا ہے۔ اور اسی طرح تذبذب و اشتباہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے جبکہ حق تعالیٰ کی عنایت بے غایت سے ان بزرگوں کے مقررہ احوال پر تفصیل کے ساتھ اطلاع میسر ہو چکی ہے اور توحید و اتحاد اور احاطہ و سریان کے معارف مکشوف ہو گئے اور ان مکشوف و مشہود کی حقیقت بھی حاصل ہو چکی ہے اور ان کے علوم و معارف کے دقائق واضح ہو کر انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ مدت تک اسی مقام میں ٹھہرا رہا ہوں اور ان کے قلیل و کثیر سے اِلّا ماشاء اللہ تعالیٰ واقف ہو چکا ہوں۔ آخر الامر فضلِ خداوندی جل سلطانہٗ سے ظاہر ہوا کہ یہ تمام شعبدے ظلال کے ہیں اور شبہ و مثال کی گرفتاری ہے، مطلوبِ (حقیقی) ان سب سے وراء الوراء ہے اور مقصود ان سب سے ماسواء ہے، تو (یہ فقیر) ناچار ان سب سے منہ موڑ کر جنابِ قدس کی طرف متوجہ ہو گیا اور جو کچھ کہ چندی و چونی کے داغ سے داغدار ہے اس سے پاک و مبرا ہو گیا۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (انعام آیۃ ۷۹) (بیشک میں نے سب سے منہ موڑ کر اپنا رُخ اس کی طرف کر لیا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں)۔

اگر معاملہ اس طرح کا نہ ہوتا تو میں مشائخ کے خلاف ہرگز لب کشائی نہ کرتا اور ظن و تخمین کی بِنا پر ان کی مخالفت نہ کرتا۔ اور اسی طرح اگر یہ اختلاف واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ کی ذات و صفات سے متعلق نہ ہوتا اور اس تعالیٰ کی تقدیس و تنزیہ کی نسبت گفتگو نہ ہوتی تو ہرگز (میری طرف سے) ان اکابرین کے مکشوف کے خلاف کچھ وقوع میں نہ آتا، اور ان کے علوم کی مخالفت میں کلام نہ کرتا، کیونکہ میں کمینہ تو ان کی دولتوں کے خرمنوں کا خوشہ چیں ہوں اور ان ہی کی نعمتوں کے دسترخوان کا

پس خوردہ کھانے والا ایک رذیل ہوں۔

میں مکرر اس بات کا اظہار کرتا ہوں کہ یہ وہ مشائخ ہیں جنھوں نے طرح طرح کی تربیت سے میری پرورش کی ہے اور مختلف قسم کے کرم واحسان سے مجھ کو فائدہ پہنچایا ہے، لیکن کیا کروں کہ خداوند جل سلطانہٗ کے حقوق ان کے حقوق سے بالاتر ہیں۔ جب اس بزرگ و برتر کی ذات و صفات کے متعلق بحث آجاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بعض امور کا اطلاق اس تعالیٰ کی جنابِ قدس کے شایانِ شان نہیں ہے تو اس مقام میں خاموشی اختیار کرنا اور دوسروں کی مخالفت سے ڈرنا دین ودیانت سے دور ہے اور مقامِ بندگی اس کو برداشت نہیں کرتی۔

علماء کا مشائخ رحمہم اللہ سبحانہٗ کے ساتھ مسئلۂ توحید وغیرہ امورِ خلافیہ میں نظر واستدلال کی وجہ سے اختلاف ہے۔ اور اس فقیر کا ان سے اختلاف کشف وشہود کی راہ سے ہے۔ علماء ان امور کی قباحت کے قائل ہیں اور یہ فقیر بشرطِ عبور ان امور کے حُسن کا قائل ہے۔ وحدتِ وجود کے مسئلہ میں شیخ علاؤ الدولہ کا اختلاف علماء کے طریقے پر مفہوم ہوتا ہے اور ان کی نظر قبح کی طرف ہے اگرچہ یہ (برائی) کشف کی راہ سے آئی ہے کیونکہ صاحبِ کشف اس کو برا نہیں جانتے لہذا یہ مسئلہ احوالِ غریبہ کا متضمن ہے اور معارفِ غریبہ پر مشتمل ہے ——— خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس مقام میں ٹھہرجانا مستحسن نہیں ہے اور ان احوال ومعارف پر اکتفا کرنا زیبا نہیں ہے۔

**سوال:** اس صورت میں مشائخ باطل پر ہوئے اور حق ان کے مکشوف ومشہود سے ماورا ہوا۔

**جواب:** باطل وہ ہوتا ہے جس میں صدق کی کوئی جگہ نہ ہو، اور جس کا ہم ذکر کررہے ہیں ان احوال ومعارف کا منشا حق سبحانہٗ کے ساتھ "غلبۂ محبت" ہے اور اس تعالیٰ کی محبت کا ایسے طور پر غلبہ ہے کہ ان کی نظرِ بصیرت میں ماسوا کا نام ونشان باقی نہ رہے اور غیر وغیریت کے اسم ورسم کو محو ولاشے کرڈالے، اس وقت مجبوراً سکر اور غلبۂ حال کی وجہ سے ماسوا کو معدوم سمجھے گا اور سوائے حق تعالیٰ کے کسی چیز کو موجود نہیں دیکھے گا ——— یہاں باطل کیا چیز ہے اور کس کا بطلان ہے۔ اس مقام میں حق کا غلبہ ہے اور باطل کا بطلان ہے۔ ان بزرگوں نے حق جل وعلا کی محبت میں اپنے آپ کو اور اپنے علاوہ غیر کو ترک کردیا ہے اور اپنا اور اپنے غیر کا کوئی نام ونشان نہیں چھوڑا۔ ممکن ہے کہ باطل ان کے سایے سے بھاگ جائے۔ یہاں سب حق ہی حق ہے اور حق کے لئے ہے۔ علمائے ظاہر میں

ان کی حقیقت کو کیا سمجھیں اور غیر ان کی ظاہری مخالفت سے کیا سمجھ سکیں اور ان کے کمالات سے کیا حاصل کر سکیں ـــــ گفتگو اس امر میں ہے، کہ ان احوال و معارف کے علاوہ بھی کچھ کمالات ایسے ہیں جن کے سامنے یہ احوال و معارف دریائے محیط کے قطرہ کی حیثیت رکھتے ہیں ؎

آسماں نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالی ست پیشِ خاکِ تود

(آسماں عرش سے تو نیچا ہے اس زمیں سے مگر وہ اونچا ہے)

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو کچھ (انھوں نے) حجابات کے زائل ہونے کے بارے میں کہا ہے کہ سیر آفاقی میں حجاباتِ ظلمانی و نورانی مکمل طور پر اٹھ جاتے ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے ـــــ اس فقیر کے نزدیک یہ بات خدشہ والی ہے بلکہ اس کے خلاف ثابت ہو اور مشہود ہوا ہے کہ ظلمانی حجابات کا اُٹھ جانا امکان کے تمام مراتب طے کرنے پر موقوف ہے جو سیر آفاقی و سیر انفسی کے ساتھ میسر آجاتا ہے۔ لیکن حجاباتِ نورانی کا اٹھنا واجب تعالیٰ و تقدس کے اسماء و صفات کی سیر کے ساتھ مربوط ہے، حتیٰ کہ (سالک کی) نظر میں نہ اسم باقی رہے نہ صفت، اور نہ شان باقی رہے نہ اعتبار۔ اس وقت تمام حجاباتِ نورانی اُٹھ جاتے ہیں اور وصلِ عریانی سے مشرف ہو جاتا ہے، اگرچہ یہ وصل بہت ہی کم کسی کو حاصل ہوتا ہے اور ایسا واصل بہت زیادہ عزیز الوجود ہے ـــــ ـــــ پس سیر آفاقی میں معلوم نہیں کہ نصف حجاباتِ ظلمانی زائل ہو گئے ہوں حجاباتِ نورانی کے وہاں اٹھنے کی کیا صورت ہو ـــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ظلمانی حجابات کے مراتب مختلف ہیں جو اشتباہ کا سبب بن جاتے ہیں کیونکہ نفسانی حجابات ظلمت میں حجاباتِ قلبی سے زیادہ ہیں۔ پس تھوڑی تاریکی والا شخص اگر خود کو نورانیت کے عنوان سے ظاہر کرے اور ظلمانی (حجابات) نورانی (حجابات کی شکل میں) متخیل ہوں ورنہ حقیقت میں ظلمانی ظلمانی ہے اور نورانی نورانی ـــــ تیز نگاہ والا (شخص) ایک کو دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہیں ہونے دیتا اور شک و شبہ کا سبب معلوم کر کے ظلمت پر نور کا حکم نہیں لگاتا: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

اور وہ طریقہ جس کے سلوک سے اس فقیر کو مشرف کیا گیا ہے ایک ایسی راہ ہے جو جذبہ و سلوک کی جامع ہے اور جہاں تخلیہ و تحلیہ باہم جمع ہیں اور تصفیہ و تزکیہ آپس میں ملے ہوئے ہیں، اور اس مقام میں

سیرِ انفسی سیرِ آفاقی کو متضمن ہے، عین تصفیہ میں تزکیہ ہے اور عین تجلیہ میں تخلیہ۔ اور (وہاں) نفسِ جذبہ سلوک کو فراہم کرتا ہے اور انفس آفاق کو شامل ہے لیکن تقدمِ ذاتی خاص تجلیہ و جذبہ کے لئے ہے اور تصفیہ کو تزکیہ پر ذاتی سبقت ہے اور ملحوظِ نظر انفس ہے نہ کہ آفاق۔ پس لازمی طور پر یہ راستہ سب سے زیادہ قریب ہوا اور وصول سے نزدیک تر۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ طریقہ یقینی طور پر موصل ہے اور اس میں عدمِ وصول کا احتمال مفقود ہے۔ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے استقامت کا سوال اور فرصت طلب کرنی چاہیئے ——— اور یہ جو میں نے کہا کہ یہ طریقہ یقیناً موصل ہے اس لئے کہا ہے کہ اس راہ کا اول قدم جذبہ ہے جو وصول کی دہلیز ہے اور دوسرے مقام ٹھہر جانے کے مواقع یا سلوک کی منازل ہیں یا ایسے جذبات کے مقامات ہیں جو سلوک کو متضمن نہیں۔ اور اس طریقے میں دونوں موانع اُٹھ جاتے ہیں کیونکہ سلوک طفیلی ہے جو جذبہ کے ضمن میں حاصل ہو جاتا ہے۔ لہذا یہاں نہ سلوک خالص ہے اور نہ جذبہ مذموم جو راستے کا مانع ہو ——— یہی وہ طریقہ ہے جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شاہراہ ہے۔ یہ بزرگوار (انبیاء علیہم السلام) اسی راستے سے اپنے اپنے مراتبِ درجات کے مطابق وصول کی منازل تک پہنچے ہیں اور آفاق و انفس کو ایک قدم میں طے کر کے دوسرا قدم آفاق و انفس سے ماوراء رکھا ہے اور معاملے کو سلوک و جذبہ سے بھی بالا لے گئے ہیں کیونکہ سلوک کی انتہا سیرِ آفاقی کی نہایت تک ہے اور جذبے کی انتہا سیرِ انفسی کی نہایت تک۔ اور جب سیرِ آفاقی و انفسی اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو سلوک و جذبہ کا معاملہ تکمیل پا گیا اس کے بعد نہ سلوک ہے نہ جذبہ۔ یہ معنی ہر مجذوب سالک اور ہر سالک مجذوب کی فہم کے لائق نہیں کیونکہ ان کے نزدیک آفاق و انفس سے ماوراء کوئی قدم گاہ نہیں ہے۔ اگر بالفرض عمرِ ابدی بھی پائیں تو سیرِ انفسی میں صرف کر دیں گے، اس کے باوجود اس کو تمام نہیں کر سکیں گے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

ذرہ گر بس نیک ور بس بد بود  گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

(ذرہ چھوٹا ہو یا بڑا، وہ اگر  تگ و دو بھی کرے، رہے گا وہیں)

جیسا کہ اوپر گذرا ——— ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ ذات کی تجلی، متجلی لہ کی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے۔ لہذا متجلی لہ نے اپنی صورت کے علاوہ حق کے آئینے میں کچھ نہیں دیکھا اور اس نے حق کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ممکن ہے کہ اس کو دیکھ سکے۔

جاننا چاہیئے کہ میرے پیروں اور خدا کی طرف میری رہنمائی کرنے والوں نے جن کے وسیلے سے میں نے اس راہ میں آنکھ کھولی ہے اور جن کے توسط سے اس بارے میں لب کشائی کی ہے اور طریقت میں "الف" "با" کا سبق انہی سے لیا ہے اور مولویت کا ملکہ بھی ان ہی کی توجہ شریفہ سے حاصل کیا ہے اگر مجھ میں علم ہے تو ان ہی کے طفیل سے، اور اگر معرفت ہے تو بھی ان ہی کی التفات کا اثر ہے۔ میں نے اندراج النہایۃ فی البدایۃ کا طریقہ ان ہی بزرگوں سے سیکھا ہے اور ان ہی سے قیومیت کی جہت میں انجذاب کی نسبت اخذ کی ہے اور ان کی ایک نظر سے میں نے وہ کچھ دیکھا ہے کہ لوگوں کو چلّوں میں بھی دیکھنا نصیب نہیں ہوتا، اور ان کے ایک کلام سے میں نے وہ کچھ پایا ہے جو دوسرے سالہا سال میں بھی حاصل نہیں کر سکتے ؎

آنکہ بہ تبریز یافت یک نظر شمس دین — طعنہ زند بر دہہ سخرہ کند بر چلّہ
(شمس تبریزؒ کی نظر سے ملا — وہ جو چلّوں میں اور دہوں میں نہیں)

کیا خوب کہا ہے جس نے کہا ہے ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند — کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را
(راہِ پنہاں سے نقشبندی بزرگ — قافلے کو حرم میں لاتے ہیں)

(ان نقشبندی بزرگوں نے) اپنی عالی فطرت اور بلند ہمتی کی وجہ سے طریقت کی ابتدا سیر انفسی سے قرار دی ہے اور سیرِ آفاقی کو اسی سیر کے ضمن میں قطع کیا ہے۔ "سفر در وطن" سے ان بزرگوں کی مراد یہی سیر ہے۔ ان بزرگوں کا طریقہ سب طریقوں سے زیادہ اقرب اور وصول سے نزدیک تر ہے اور دوسروں کی سیر کی انتہا ان بزرگوں کی سیر کی ابتدا میں ہے اسی لئے انھوں نے فرمایا ہے کہ "ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں" ——— مختصر یہ کہ ان بزرگوں کا طریقہ دوسرے تمام مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم جمیعہم کے طریقوں سے بہت عالی ہے اور ان کی حضور و آگاہی کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ان میں سے اکثر کی حضور و آگاہی سے بالاتر ہے اسی لئے انھوں نے فرمایا ہے "نسبتِ ما فوق ہمہ نسبتہا ست" (ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بلند و بالا ہے)۔ اور اس نسبت سے ان کی مراد یہی حضور و آگاہی ہے۔ لیکن چونکہ اولیا کی ولایت کو جذبہ و سلوک سے بالا اور آفاق و انفس سے ماوراء کوئی قدم گاہ نہیں ہے اس لئے مجبوراً ان بزرگوں نے آفاق و انفس سے باہر کی خبر نہیں دی اور جذبہ و سلوک

سے ما وراء کلام نہیں کیا۔ چنانچہ یہ حضرات کمالاتِ ولایت کے اندازے کے مطابق فرماتے ہیں "فنا و بقا کے بعد اہل اللہ جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے اندر دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں اپنے اندر پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت خود ان کے وجود میں ہے: وَفِیٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (ذاریات آیت ۲۱) اور خود تمہارے نفسوں میں (نشانیاں) ہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے)۔

اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ان بزرگوں نے اگرچہ انفس سے باہر کی خبر نہیں دی لیکن گرفتارِ انفس بھی نہیں ہیں اور چاہتے ہیں کہ انفس کو بھی آفاق کی طرح لا کے تحت لائیں اور غیریت کی علت کے ساتھ اس کی بھی نفی کریں ـــــ حضرت خواجۂ بزرگ (بہاء الدین نقشبند) قدس سرہٗ فرماتے ہیں" جو کچھ دیکھا گیا، سُنا گیا، جانا گیا، سب غیر ہے اور کلمہ لا کی حقیقت کے ساتھ اس کی نفی کرنی چاہئے"

| | |
|---|---|
| ؎ نقش بندند لے بند بہر نقش نیند | ہر دم از بوالعجبی نقشِ دگر پیش آرند |
| نقشبندانے و لیک از نقش پاک | نقشِ ماہم گرچہ پاک از لوحِ خاک |
| (نقش لاتے ہیں مگر اس کے وہ پابند نہیں | ہے عجب پھر بھی ہے ہر بار نیا نقش ان کا |
| نقشبندی مگر ہیں نقش سے پاک | نقش ایسا کہ ہے وہ پاک اور خاک) |

یہاں ایک سِرّ (راز) ہے۔ جاننا چاہئے کہ غیریت کی نفی کرنا اور بات ہے اور انتفائے غیریت (غیریت کا خود بخود منتفی ہو جانا) دوسری بات ہے۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ اور یہ جو کچھ میں نے کہا ہے کہ "ولایت کے لئے جذبہ و سلوک اور آفاق و انفس کے باہر کوئی قدم گاہ نہیں ہے"۔ (یہ اس لئے کہ) ولایت کے ان چاروں ارکان سے بالاتر کمالاتِ نبوت کے مبادی و مقدمات ہیں جس کے بلند و بالا درخت تک ولایت کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے اکثر اصحاب اور باقی تمام امتوں میں سے بہت کم حضرات ایسے ہیں جو انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت سے مستفید ہوئے ہیں اور جذبہ و سلوک کی اس جامع راہ کے ذریعے دوری کی منازل طے کر کے سلوک و جذبہ سے ماوراء قدم رکھا ہے اور دائرۂ ظلال سے مکمل طور پر باہر نکل کر انفس کو آفاق کی طرح پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اس مقام میں وہ تجلی ذاتی برقی جو دوسروں کے لئے برقِ خاطف (ایک لمحہ چمکنے والی تجلی) کی طرح نصیب ہوتی ہے ان کو دائمی طور پر حاصل ہے۔ بلکہ ان بزرگوں کا معاملہ تو تجلی سے بھی بالا ہے خواہ (وہ تجلی) برقی ہو یا غیر برقی۔ کیونکہ تجلی بھی ایک طرح کی ظلیت چاہتی ہے اور ظلیت کا ایک نقطہ بھی

ان بزرگوں کے لئے کوہِ عظیم کی مانند ہے ——— ان بزرگوں کے کام کی ابتدا جذب و محبتِ الٰہی جلّ سلطانہٗ ہے اور جب خداوند جل سلطانہٗ و عظم شانہٗ کی بے انتہا عنایت سے یہ محبت لحظہ بلحظہ قوت و غلبہ حاصل کرتی جاتی ہے تو لازماً ماسوا کی محبت رفتہ رفتہ روبزوال ہوتی جاتی ہے اور اغیار سے گرفتاری کا تعلق بتدریج اٹھتا جاتا ہے۔ اور جب کسی صاحبِ دولت پر محبتِ خداوندی جل سلطانہٗ غالب آجاتی ہے اور ماسوا کی محبت بالکل زائل ہو کر جناب قدس خداوندی جل سلطانہٗ کی محبت اور گرفتاری اس کی جگہ لے لیتی ہے تو لازمی طور پر رذیل عادتیں اور بُرے اخلاق سب دُور ہو جاتے ہیں اور اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہو کر مقاماتِ عشرہ[1] سے متحقق ہو جاتا ہے اور جو کچھ سیرِ آفاقی سے تعلق رکھتا تھا وہ بے مشقتِ سلوک و تفصیل اور بلا ریاضات و مجاہداتِ شدیدہ کے حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ محبت، محبوب کی اطاعت کا تقاضا پیدا کرتی ہے اور جب محبت کمال کو پہنچ گئی تو اطاعت بھی پورے طور پر حاصل ہو گئی، اور جب محبوب کی اطاعت، قوتِ بشری کے اندازے کے مطابق بدرجۂ اتم حاصل ہو گئی تو مقاماتِ عشرہ بھی میسر ہو گئے، اور اسی سیر محبوبی کے ساتھ جس طرح کہ سیرِ آفاقی حاصل ہو گئی سیرِ انفسی بھی انجام کو پہنچ گئی کیونکہ مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت کرتا ہے)۔

اور جب محبوب آفاق و انفس سے ماوراء ہے تو محب کو بھی معیت کے حکم میں آفاق و انفس سے گزرنا چاہئیے، پس لازماً سیرِ انفسی کو پیچھے چھوڑ کر معیت کی دولت حاصل کرلے گا لہٰذا یہ بزرگ حضرات محبت کی بدولت نہ آفاق سے تعلق رکھتے ہیں نہ انفس سے، بلکہ آفاق و انفس ان کے کاروبار کے تابع ہیں اور سلوک و جذبہ ان کے معاملے کے طفیلی ہیں۔ ان بزرگوں کا سرمایہ محبت ہے جس کے لئے محبوب کی اطاعت لازم ہے، اور محبوب کی اطاعت شریعتِ (مصطفیٰ) علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی بجا آوری پر موقوف ہے جو اس تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین ہے، لہٰذا کمالِ محبت کی علامت کمال درجہ شریعت کی بجا آوری ہوئی۔ اور شریعت کی کمال درجہ بجا آوری علم، عمل اور اخلاص پر وابستہ ہے اور اخلاص بھی ایسا جو تمام اقوال و اعمال میں حاصل ہو اور تمام حرکات و سکنات میں متصور ہو، جو مُخْلَص (بفتحِ لام) کا حصہ ہے، مخلِصاں بکسرِ لام اس معما کو کیا پا سکتے ہیں، وَالْمُخْلِصُوْنَ

---

[1] صوفیہ نے سلوک کی بنیاد دس عادتوں کے حصول پر رکھی ہے جن کو مقاماتِ عشرہ کہتے ہیں وہ یہ ہیں: توبہ[1]، زہد[2]، توکل[3]، قناعت[4]، عزلت[5]، دوام ذکر[6]، توجہ[7]، صبر[8]، مراقبہ[9] اور رضا[10]۔ (ماخوذ از عمدۃ السلوک)

عَلٰی خَطرٍ عَظِیْمٍ (مخلصین بڑے خطرے میں ہیں) آپ نے سنا ہوگا۔

اب ہم پھر اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیر و سلوک اور جذبہ و تصفیہ سے مقصود نفس کو اخلاقِ ردیہ (برے اخلاق) اور اوصافِ رذیلہ (ذلیل عادتوں) سے پاک کرنا ہے کیونکہ انعام دائم کاریں و مدار نفس کے ساتھ گرفتاری اور نفس کی مرادوں کے حصول کی کوشش میں لگے رہتا ہے، لہذا سیرِ انفسی کے بغیر چارہ نہیں اور بری عادتوں کو ترک کرکے اچھی خصلتوں کی طرف جائے بغیر کوئی راستہ نہیں ہے، اور سیر آفاقی مقصود سے خارج ہے، اور کوئی مفید غرض اس سے متعلق نہیں، کیونکہ آفاق کی گرفتاری انفس کی گرفتاری کے واسطے سے ہے۔ کیونکہ انسان جس چیز کو دوست رکھتا ہے وہ اپنے فائدے کے واسطے سے اس کو دوست رکھتا ہے، اگر اولاد و مال کو دوست رکھتا ہے تو بھی اپنے نفع اور فائدے کے لئے دوست رکھتا ہے۔ اور جب سیر انفسی میں حق جل وعلا کی محبت کے باعث اپنی ذات سے محبت و دوستی زائل ہوگئی تو اس کے ضمن میں فرزند و مال کی محبت بھی زائل ہوگئی۔ لہذا سیرِ انفسی ضروری ہوئی اور سیرِ آفاقی بھی طفیلی طور پر اس کے ضمن میں میسر آجاتی ہے۔ لہذا انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی سیر بھی انفس میں منحصر ہوگئی۔ اور (سیر) آفاقی بھی طفیلی طور پر اس کے ضمن میں طے ہوگئی ——— ہاں سیرِ آفاقی بھی اچھی ہے اگر اس کو طے کرنے کی فرصت ملے اور بغیر کسی توقف اور بلا خلل کے انجام پذیر ہوجائے۔ اور اگر اس کو طے کرنے کی مہلت نہ ملے اور وقفوں میں مبتلا کردیں تو قریب ہے کہ سیرِ آفاقی بے معنی ہوکر رہ جائے اور حصولِ مطلوب کے موانع میں داخل ہوجائے ——— سیرِ انفسی جسقدر بھی طے ہوجائے غنیمت ہے کیونکہ یہ بدی سے نیکی کی طرف جانا ہے۔ اس سیر کو انجام تک پہنچانا اور انفس کے دائرے سے باہر نکلنا عظیم نعمت ہے۔ کیا ضروری ہے کہ (سالک) انفس کی تلوینات (گوناگوں کیفیات) کو آفاق کے آئینے میں مشاہدہ کرے اور اپنے تغیرات کو آفاق میں معائنہ کرے جیسا کہ مثلاً اپنے صفائے قلب کو مثال کے آئینے میں معلوم کرے اور اسی صفائی کو سرخ نور کی صورت میں بھی دیکھے۔ (بلکہ سالک) اپنی قوتِ باطنہ کو کام میں کیوں نہ لائے اور اس کی صفائی کو اپنی فراست کے سپرد کیوں نہ کردے ——— مثل مشہور ہے کہ بارہ سالہ بچے کو طبیب کی کیا حاجت ہے۔ کیونکہ اپنے صحیح وجدان کی وجہ سے اپنے تغیر احوال کو خود معلوم کرسکتا ہے اور اپنی فراست سے اپنی صحت و مرض کو خود جان سکتا ہے۔

ہاں سیر آفاقی میں علوم و معارف اور تجلیات و ظہورات بہت ہیں لیکن ان سب کا رجوع ظلال کی طرف ہے اور شبہ و مثال سے تسلی ہونے کی بات ہے۔ اگرچہ سیر انفسی بھی ظلال سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسا کہ (میں نے) اپنے رسائل و مکاتیب میں اس کی تحقیق کی ہے ـــــ سیرِ آفاقی ممکن ـــ ہے کہ وہ ظل کے ظل سے متعلق ہو، کیونکہ آفاق، انفس کے لئے ظل کی طرح ہے اور اس کے ظہور کا آئینہ ہے ـــــ جاننا چاہئے کہ انفس کے احوال کو آفاق کے آئینے میں مشاہدہ کرے اور صفا و تجلیہ کو اس مقام سے معلوم کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خواب یا واقعہ میں عالمِ مثال کے اندر اپنے آپ کو بادشاہ دیکھے یا خود کو قطبِ وقت ملاحظہ کرے۔ حالانکہ حقیقت میں نہ وہ بادشاہ ہے نہ قطب۔ بادشاہ یا قطب وہ ہے جو خارج میں اس مرتبہ سے مشرف ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس خواب یا واقعہ دیکھنے والے کی بادشاہ ہونے کی استعداد اور قطب بننے کی قابلیت معلوم ہو جاتی ہے۔ سخت جانبازی کی ضرورت ہے تاکہ معاملہ قوت سے فعل میں آئے اور گوش سے آغوش تک پہنچ سکے ـــــ اور ہم جس بارے میں گفتگو کر رہے ہیں اس میں بھی تزکیہ و تجلیہ سیرِ انفسی کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ جو کچھ سیرِ آفاقی میں دیکھا ہے وہ تزکیہ و تجلیہ کی استعداد اور قابلیت ہے۔ لہذا جب تک خارج میں اپنے آپ کو سیرِ انفسی کے ساتھ مزکی و مطہر نہ دیکھے اور وجدان کے ساتھ اپنے آپ کو مصفی نہ پائے تب تک حقیقت میں وہ فنا سے بے نصیب اور مقاماتِ عشرہ کے ساتھ موصوف ہونے سے بے بہرہ ہے اور اطوارِ سبعہ[1] سے اس کو سوائے پوست کے کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ لہذا مجبوراً سیرِ انفسی داخل سیر الی اللہ ہوئی اور سیرِ الی اللہ کا تمام ہونا جو مقامِ فنا ہے۔ سیرِ انفسی کے تمام ہونے کے ساتھ وابستہ ہے اور سیر فی اللہ جو سیرِ انفسی کے کئی مراحل بعد ہے اس کی صورت سامنے آتی ہے ؎

كَيْفَ الْوُصُوْلُ إِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا　　قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُيُوْفٌ

(کس طرح حاصل کروں محبوب کو　　راہ میں ہیں پُرخطر غار اور پہاڑ)

اے سعادت کے نشان والے! جب سیرِ انفسی میں علمی و حبّی تعلق جو سالک کی ذات سے منسوب تھا زائل ہو گیا اور وہ گرفتاری جو اپنی ذات سے رکھتا تھا اٹھ گئی تو دوسروں کی گرفتاری بھی جو اپنی ذات کے ساتھ گرفتاری کے ضمن میں تھی زائل ہو جاتی ہے کیونکہ دوسروں کی گرفتاریاں خود اپنی گرفتاری کے باعث ہے جیسا کہ اس کی تحقیق اوپر گزر چکی۔ لہذا یہ بات درست ہو گئی کہ سیرِ آفاقی

[1] یعنی عالمِ خلق و عالمِ امر کے ساتوں لطائف کے احوال۔

سیرِ انفسی کے ضمن میں طے ہو جاتی ہے اور سالک اسی ایک سیر سے اپنی ذات کے ساتھ گرفتاری اور دوسروں کے ساتھ گرفتاریوں سے بھی نجات حاصل کر لیتا ہے۔ لہٰذا اس تحقیق کے اندازے کے مطابق سیرِ انفسی اور سیرِ آفاقی کے معنی کی تحقیق بے تکلف واضح ہو گئی کیونکہ حقیقت میں سیر انفس میں ہوتی ہے اور وہی سیر آفاق میں بھی ہے، اور انفس کے تعلقات کو بتدریج قطع کرنا انفس میں سیر ہے اور آفاق کے تعلقات کو قطع کرنا جو کہ سیرِ انفسی کے ضمن میں صورت پذیر ہوتے ہیں آفاق میں سیر ہے بخلاف دوسروں کی سیرِ آفاقی و سیرِ انفسی کے کیونکہ وہ تکلف کی محتاج ہے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا۔ ہاں جہاں کہیں بھی حقیقت ہے وہ تکلف سے آزاد ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے)

سنو ذرا غور سے سنو! سالک کے آئینے میں اسماء و صفاتِ واجبی جل سلطانہٗ کا ظہور جس کو سیرِ انفسی کہتے ہیں اور تجلیہ بعد از تخلیہ سمجھا گیا ہے وہ حقیقت میں اسماء و صفات کا ظہور نہیں ہے اور نہ تجلیہ بعد از تخلیہ ہے بلکہ وہ اسماء و صفات کے ظلال میں سے کسی ظل کے ظہور کا ظہور ہے جو تخلیہ کے حصول کا سبب ہے اور تزکیہ و تصفیہ کو آسان کرنے والا ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ ابتدا اسی (حق تعالیٰ) کی طرف سے ہوتی ہے جو ہدائیت کے مناسب ہے۔ پہلے طالب کے آئینے میں مطلوب کے ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور ہوتا ہے تاکہ طالب کی ظلمات و کدورات زائل ہو جائیں اور اس کو تزکیہ و تصفیہ حاصل ہو جائے۔ ظلمات کے دُور ہونے اور تزکیہ و تصفیہ حاصل ہونے کے بعد جو سیرِ انفسی کی تکمیل ہونے پر وابستہ ہے تخلیہ کی صورت بنتی ہے اور تجلیہ کی استعداد پیدا ہوتی ہے، اور اب اسماء و صفاتِ واجبی جل سلطانہٗ کے ظہور کے لائق ہو جاتا ہے۔ لہٰذا سیرِ انفسی میں وہ تخلیہ حاصل ہوتا ہے جو تزکیہ و تصفیہ سے وابستہ ہے، اور وہ تخلیہ جو سیرِ آفاقی میں متوہم ہوا تھا وہ تخلیہ کی صورت تھی نہ کہ حقیقتِ تخلیہ۔ یہاں تک کہ سیرِ انفسی ہی میں تخلیہ کا حصول و ظہور متصور ہو جائے جیسا کہ مشائخ نے کہا ہے۔

اس بیان سے لازم ہوا کہ ظل کے ساتھ پیوستن (وابستہ ہونا) گسستن (توڑنے) پر مقدم ہے یہاں تک کہ مطلوب کے ظلال میں سے کوئی ظل سالک کے آئینے میں منعکس نہ ہو جائے غیرِ مطلوب سے گسستن متصور نہیں ہو سکتا۔ لیکن اصل کے ساتھ پیوستہ ہونا گسستن کے بعد ہے۔ لہٰذا مشائخ میں سے جس کسی نے پیوستن کو مقدم رکھا ہے اس سے ان کی مراد پیوستنِ ظلی لینی چاہئے اور جس کسی نے گسستن کو پیوستن پر مقدم کیا ہے تو اس سے ان کی مراد اصل کے ساتھ پیوستن ہونا لینی چاہئے تاکہ فریقین کا

جھگڑا الفاظ کی طرف راجع ہو جائے۔

اور شیخ ابوسعید خراز قدس سرہٗ اس مقام میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں "تا نرہی نیابی تا نیابی نرہی، نداتم کدام پیش بود"۔ (یعنی جبتک غیر اللہ سے قطع تعلق نہ کرے گا مقصود حاصل نہ ہوگا اور جبتک مقصود حاصل نہ ہوگا غیر اللہ سے قطع تعلق کرنے میں کامیابی نہ ہوگی، میں نہیں جانتا کہ پہلے کون ہے) معلوم ہوا کہ ظل کی یافت (تعلقات سے) آزاد ہونے سے پہلے ہے اور اصل کی یافت آزاد ہونے کے بعد ہے لہذا اب کوئی شک وشبہ باقی نہ رہا۔ جیسے صبح کے وقت آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے آفتاب کی شعاعوں کے ظلال کا ظہور ہوتا ہے تاکہ عالم کو تاریکیوں سے خالی کر کے صفا بخش دے اور ظلمات کے زوال اور صفائی کے حصول کے بعد نفسِ آفتاب کا طلوع ہے لہذا آفتاب کے ظلو کا ظہور ظلمات کے زوال سے پہلے ہے اور نفسِ آفتاب کا طلوع ظلمات کے زوال کے بعد ہے۔ اسی طرح بادشاہوں کا طلوع وظہور تخلیہ وتصفیہ کے حصول کے بعد زیبا ہے اگرچہ تخلیہ وتصفیہ ان کے مقدمۂ تحشن کے طلوع کے بعد متصور نہیں۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور جھگڑا دور ہو کر شک وشبہ زائل ہو گیا۔ واللہ سبحانہ الملہم

صرف ذوق یافت

مولانا محمد افضل[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس معنی کے بیان میں جیسا کہ صوفیہ کہتے ہیں کہ اس بارگاہ میں ذوقِ یافت ہی ہے نہ کہ یافت بھی۔ اور اندراج النہایت فی البدایۃ کی تحقیق میں جو کہ اس طریقۂ عالیہ کا خاصہ ہے اور دوسرے طریقوں پر اس طریقے کی افضلیت کا بیان اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔ اس طریقۂ عالیہ کے مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارات میں یہ جو آیا ہے کہ "حضرت جل سلطانہٗ کی بارگاہ میں ذوقِ یافت ہے نہ کہ یافت۔" یہ بات اندراجِ نہایت در بدایت کے مقام کے مناسب ہے جو ان بزرگوں کے جذبۂ خاص کا مقام ہے۔ اس مقام میں حقیقت یافت نہیں ہے

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ غالباً مولانا محمد افضل پانی پتی مراد ہیں جو پانی پت کے مشہور علما میں سے تھے انشا، شعر اور علوم حکمیہ میں ممتاز تھے۔ شب وروز درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔

کیونکہ وہ انتہا کے ساتھ مخصوص ہے لیکن چونکہ نہایت کی چاشنی بدایت میں درج کر دی ہے اس لئے ذوقِ یافت وہاں بھی میسر ہے۔ اور جب معاملہ جذبہ سے باہر ہو جاتا ہے اور ابتدا سے نکل کر وسط میں آجاتا ہے تو ذوقِ یافت بھی یافت کی طرح عدم میں پہنچ جاتا ہے اس وقت نہ یافت باقی رہتی ہے نہ ذوقِ یافت۔ اور جب کام نہایت تک پہنچ جاتا ہے تو یافت میسر آجاتی ہے اور ذوقِ یافت مفقود ہو جاتا ہے، اور جب منتہی کے حق میں ذوقِ یافت مفقود ہے تو ناچار اس کی لذت وحلاوت بھی اس کے حق میں کم ہے۔ کیونکہ منتہی ذوق وحلاوت کو پہلے قدم ہی میں چھوڑ چکا ہے اور آخر میں بے حلاوتی اور بے مزگی کے گوشہ میں گمنام ہو گیا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم وبارک مُتَوَاصِلَ الْحُزْنِ دَائِمَ الْفِکْرِ (آپ ہمیشہ غمگین اور متفکر رہتے تھے)۔ (ترمذی شریف)

سوال: جب منتہی کو مطلوب کی یافت حاصل ہو گئی تو ذوقِ یافت کیوں مفقود ہو گیا۔ اور مبتدی جبکہ یافت سے بے بہرہ ہے تو اس کو ذوقِ یافت کہاں سے حاصل ہو گیا؟

جواب: یافت کی دولت منتہی کے باطن کا حصہ ہے جو اپنے ظاہری انقطاعِ تعلق کے بعد اس دولت سے مشرف ہوا ہے اور جب اس کے باطن کو اس کے ظاہر کے ساتھ بہت کم تعلق رہ گیا تو ناچار باطن کی نسبت بھی اس کے ظاہر میں اثر نہیں کرتی، اور جب باطن کی یافت سے ظاہر کو کچھ بھی ذوق حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی لذت حاصل ہوتی ہے پس منتہی کے باطن کو مطلوب کی یافت حاصل لیکن اس کے ظاہر کو اس یافت کا ذوق نہیں ہوتا۔ باقی رہا باطن کا ذوق کہ یافت اس کا حصہ ہے جب اس کا باطن بے چونی سے کچھ بہرہ ور ہو گیا تو اس کا ذوق بھی عالمِ بے چونی سے ہی ہو گا۔ اور ظاہر کے درک میں جو سراسر چون ہے نہیں آئے گا ــــــ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر باطن کے ذوق کی نفی کرتا ہے اور باطن کو بھی اپنی طرح بے حلاوت جانتا ہے کیونکہ چون کا ذوق اور ہے اور بے چونی کا ذوق اور۔ اور جب منتہی کا ظاہر اس کے باطن کے ذوق سے بے خبر ہے تو پھر ظاہر بین عوام، منتہی کے باطن سے کیا خبر پا سکتے ہیں اور سوائے انکار کے ان کے حصہ میں کیا آئے گا کیونکہ وہ ذوق جو ان کی سمجھ میں آتا ہے وہ ظاہر کا ذوق ہے جو عالمِ چون سے متعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سماع، رقص، ہاؤ ہو اور بے قراری وغیرہ جو ظاہری احوال ہیں اور ذوق وشوق کی مختلف شکلیں ہیں ان کے نزدیک بڑے عزیز الوجود اور عظیم القدر ہیں۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اذواق و

مواجید کو ان ہی (مذکورہ امور) میں منحصر جانتے ہیں اور ولایت کے کمالات ان ہی امور کو سمجھتے ہیں ھَدَاھُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ سَوَاءَ الصِّرَاطِ (اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دے)۔

ظاہر کے احوال باطن کے احوال کے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہیں جو چون کو بے چونی کے ساتھ ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ منتہی کا باطن یافت بھی رکھتا ہے اور ذوقِ یافت بھی ــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب وہ ذوق بے چونی کے عالم سے بہرہ ور ہے تو اس لئے ظاہر کے ادراک میں نہیں آسکتا بلکہ ظاہر اس ذوق کی نفی کا حکم کرتا ہے، اگرچہ ظاہر باطن کی یافت پر اطلاع رکھتا ہے لیکن اس یافت کے ذوق کو دریافت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ظاہری نظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ منتہی کو یافت میسر ہے لیکن ذوقِ یافت مفقود ہے ــــــــ اور اس طریقۂ عالیہ کے مبتدی رشید میں فقدانِ یافت کے باوجود ذوقِ یافت ثابت کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان بزرگوں نے ابتدا ہی میں انتہا کی چاشنی درج کر دی تھی اور انعکاس کے طریقے پر نہایت کا پرتو اس مبتدی رشید کے باطن میں داخل کر دیا تھا اور جب مبتدی کا ظاہر اس کے باطن کے ساتھ مربوط ہے اور تعلق کی قوت اس کے ظاہر و باطن کے درمیان ثابت ہے تو لازمی طور پر اس نہایت کا وہ پرتو اور ولایت کی وہ چاشنی مبتدی کے باطن سے اس کے ظاہر میں بھی دوڑ آتی ہے اور اس کے ظاہر کو اس کے باطن کی طرح رنگین بنا دیتی ہے اور بے اختیار ذوقِ یافت اس کے ظاہر میں پیدا کر دیتی ہے، لہٰذا یہ بات درست ہو گئی کہ مبتدی میں حقیقتِ یافت مفقود ہے اور ذوقِ یافت موجود ہے۔

اس بیان سے اس بلند طریقے کے اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم اور ان کی عالی نسبت کی رفعت معلوم ہوتی ہے اور مریدوں اور طالبوں کے حق میں ان حضرات کی حسنِ تربیت اور کمال اہتمام کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ خود رکھتے ہیں پہلے ہی قدم میں مرید رشید کے حوصلے کے مطابق طالبِ صادق کو عطا فرما دیتے ہیں۔ اور ارتباطِ حُبّی کے تعلق کی بنا پر توجہ، التفات اور انعکاس کے ساتھ اس کی تربیت کرتے ہیں ــــــــ دوسرے سلاسل کے بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ان بزرگوں کے قول "اندراج النہایت فی البدایت" سے شبہ میں پڑ گئے ہیں اور اس بات کی حقیقت میں تردد رکھتے ہیں اور اس کو جائز نہیں سمجھتے کہ اس طریقے کا مبتدی دوسرے طریقوں کے منتہی کے برابر ہو ــــ تعجب ہے کہ اس طریقے کے مبتدی کو دوسرے طریقے کے منتہی کے برابر انھوں نے

کہاں سے سمجھ لیا ہے۔ ان بزرگوں سے "اندراج النہایت در بدایت" کے علاوہ اور کچھ وارد نہیں ہوا اور اور یہ عبارت ان کی برابری پر دلالت نہیں کرتی (البتہ اس قول سے) ان کا مقصود یہ ہے کہ اس طریقہ میں شیخ منتہی اپنی توجہ و تصرف سے نہایت کی دولت کی چاشنی بطریقِ انعکاس مبتدی رشید کو عطا فرما دیتا ہے اور اس کی بدایت ہی میں اپنی نہایت کا نمک ملا دیتا ہے۔ برابری کہاں ہے اور شبہ کا کیا مقام ہے اور اس کی حقیقت میں تردد کی کیا گنجائش ہے، اور اندراج ایک بڑی دولت ہے۔ اس طریقے کا مبتدی اگرچہ منتہی کا حکم نہیں رکھتا لیکن نہایت کی دولت سے بے نصیب بھی نہیں ہے۔ اگر بالفرض اس مبتدی کو وصول کے طریقوں کے طے کرنے کی فرصت اور ان منازل کو قطع کرنے کی مہلت نہ دیں تو بھی وہ نہایت کی دولت سے بے نصیب نہیں رہے گا۔ اور وہ نمک کا ایک ذرہ اس کی کُلیّت کو ملیح و نمکین بنا دے گا۔ بخلاف دوسرے طریق والے مبتدیوں کے کہ وہ نہایت سے بہت دُور ہیں اور منازل کے قطع کرنے اور مسافت کو طے کرنے میں زیر بار ہیں۔ افسوس ہزار افسوس! اگر ان کو اس کے طے کرنے کی فرصت نہ دیں اور مسافت کو طے کرنا ان کے حق میں تجویز نہ کریں (تو نہایت افسوس ہے) ــــــــــ اور جب اس طریقے کے مبتدی اور دوسرے طریقے کے مبتدیوں کے درمیان فرق واضح ہو گیا اور اس مبتدی کی فضیلت دوسرے اربابِ بدایت (مبتدی لوگوں) پر واضح ہو گئی تو جاننا چاہئے کہ اس طریقے کے منتہی حضرات اور دوسرے طریقے کے منتہیوں کے درمیان اسی قدر فرق ہے اور اس منتہی کی فضیلت دوسرے طریقوں کے منتہیوں پر اسی قدر ثابت ہے، بلکہ اس طریقۂ عالیہ کی نہایت دوسرے تمام طریقوں کے مشائخ کی نہایات سے وراء الوراء ہے۔ میری اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں، اگر انصاف سے کام لیں تو شاید یقین کر لیں کہ وہ نہایت جس کی بدایت میں نہایت کی آمیزش ہو دوسروں کی نہایات سے ضرور امتیاز رکھتی ہو گی اور ناچار وہ ان نہایتوں کی نہایت ہو گی۔

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست (سال اچھا ہے، بہار گر اچھی)

دوسرے سلسلوں کے متعصب لوگوں کی ایک جماعت ہم سے کہتی ہے کہ ہماری نہایت وصول بحق سبحانہٗ ہے اور تم اس کو اپنی ہدایت کہتے ہو، لہذا حق سے آگے کہاں جاؤ گے اور حق سے آگے تمہاری نہایت کیا ہو گی؟ ــــــــــ ہم کہتے ہیں کہ ہم حق سے حق جل سلطانہٗ کی طرف جاتے ہیں اور ظلیت کے شائبہ سے بھاگ کر اصل الاصل کی طرف دوڑتے ہیں اور تجلیات سے اعراض کر کے متجلی کو

تلاش کرتے ہیں اور ظہورات کو پیچھے چھوڑ کر ظاہر کو باطنوں کے باطن میں ڈھونڈتے ہیں اور چونکہ ابطنیت (زیادہ باطن والا ہوتا) میں مختلف مراتب ہیں اس لئے ایک ابطنیت سے دوسری ابطنیت کی طرف جاتے ہیں اور اس دوسری ابطنیت سے تیسری ابطنیت کی طرف قدم رکھتے ہیں پھر جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے (آگے بڑھتے جاتے ہیں) ——— حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اگرچہ بسیطِ حقیقی ہے لیکن واسع (فراخ) بھی ہے۔ البتہ وہ وسعت نہیں جس میں طول و عرض ہو، کیونکہ یہ امکان کے نشانات اور حدوث کی علامات ہیں، بلکہ اس تعالیٰ کی وسعت اس سبحانہٗ کی طرح بے چون و بے چگونہ ہے، اور جو سیر اس وسعت میں واقع ہوتی ہے وہ بھی بے چون و بے چگونہ ہے اور سیر کرنے والا بھی باوجود اپنی چونی و چندی کے بے چونی و بے چگونی کی قوت کے ساتھ ان منازلِ بے چونی کو قطع کرتا ہے اور چون سے بے چونی کی طرف آجاتا ہے، بے چارہ بے سرو سامان اس حقیقتِ معاملہ کو کیا سمجھے اور عالمِ چون کا گرفتار بے چون کی کیا خبر دے۔ (وہ تو) اپنی نارسائی کو اعتراض سمجھتے ہیں اور اپنی نادانی پر فخر و مباہات کرتے ہیں ؎

بے خردے چند ز خود بے خبر      عیب پسندند بزعمِ ہنر

(بعض احمق جو بے خبر خود ہیں      عیب ہی کو ہنر سمجھتے ہیں)

اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نہایت بلکہ حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتحیات کی نہایت بھی حق سبحانہٗ ہے۔ اور ان اعتراض کرنے والوں کی نہایت ان بزرگ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی نہایت کے ساتھ متحد نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتی، لہذا یہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایک جماعت کو ایسی نہایت حاصل ہو گئی ہو جو ان کی نہایت سے وراء ہو اور ان انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی نہایت سے کم ہو۔ لہذا یہ بات صحیح ہو گئی کہ سب کی نہایت حق سبحانہٗ ہے۔ اور اس جماعتِ صوفیہ کے درمیان ان کے مرتبوں کے درجات کے مطابق فرق ہے ——— باہم یہ کہتے ہیں کہ سب اپنی اپنی نہایت کو وصول بحق جل سلطانہٗ ہی جانتے ہیں لیکن بہت لوگ ایسے ہیں کہ جو حق تعالیٰ کے ظلال و ظہورات ہی کو حق تعالیٰ و تقدس جانتے ہیں حالانکہ ان ظلال و ظہورات کے درجات میں بہت فرق ہے۔ لہذا ان تمام اربابِ نہایات کی نہایات نفس الامر میں حق تعالیٰ و تقدس کا وصول نہیں ہے، بلکہ ان میں سے ہر ایک کی نہایت اس کے اپنے زعم میں حق سبحانہٗ ہے۔ لہذا اگر ایک گروہ کی ابتدا حق تعالیٰ و تقدس کے

ظلال وظہورات ہوں جو دوسرے گروہ کی نہایت ہے تو وہ اپنی نہایت وحقانیت کے زعم میں وصول بحق تعالیٰ ہوا، جو کہ اس ظلال وظہور سے ماوراء ہے۔ پھر یہ بات کیوں بعید معلوم ہوتی ہے اور اس میں انکار واشتباہ کی کیا گنجائش ہے ؎

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعنِ قصور — حاش للّٰہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را

ہمہ شیرانِ جہاں بستہ ایں سلسلہ اند — روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(کوئی ناقص اگر اس سلسلے پر طعن کرے — ذکر اس کا نہ کروں گا میں کبھی شکوے سے

یہ ہے وہ سلسلہ جس میں ہیں بندھے دنیا کے شیر — لومڑی کس طرح توڑے گی اسے حیلے سے)

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (آل عمران آیت ۱۴۷)

(اے پروردگار! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کاموں میں جو ہم سے زیادتیاں ہوئی ہیں ان کو بھی بخش دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہماری مدد فرما) ۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (اور ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلام ہو)

## مکتوب ۴۴
چہل وچہارم

محمد صادق ولد حاجی محمد مومن[1] کی طرف صادر فرمایا —— ان کے استفسار کے جواب میں جو انھوں نے وحدت الوجود کے بارے میں کیا تھا اور اس کو علومِ شرعیہ کے ساتھ مطابقت دینے کے بیان میں ۔ نیز انھوں نے دریافت کیا تھا کہ اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَبْدًا الخ کے کیا معنی ہیں؟ اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) —— آپ نے دریافت کیا تھا کہ صوفیہ وحدتِ وجود کے قائل ہیں اور علماء اس کو کفر وزندقہ جانتے ہیں اگرچہ دونوں گروہ فرقۂ ناجیہ سے ہیں۔ آپ کے نزدیک اس معاملہ کی کیا حقیقت ہے؟ —— اے محبت کے نشان والے! اس بحث کی تحقیق کے لئے فقیر نے اپنے مکتوبات اور رسائل میں تفصیل سے لکھ دیا ہے اور فریقین کے اختلاف کو لفظ کی طرف راجع کیا ہے (یعنی نزاع لفظی قرار دیا ہے) لیکن چونکہ آپ نے دریافت کیا ہے اس لئے سوال کا جواب دیئے بغیر چارہ نہیں ہے لہذا ضرورۃً چند کلمے تحریر کئے جاتے ہیں ——

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔

جاننا چاہئے کہ صوفیائے کرام میں سے جو لوگ وحدتِ وجود کے قائل ہیں اور اشیاء کو عین حق تعالیٰ دیکھتے ہیں، اور "ہمہ اوست" کا حکم لگاتے ہیں، ان کی مراد یہ نہیں ہے کہ اشیا حق جل وعلا کے ساتھ متحد ہیں اور تنزیہ تنزل کرکے تشبیہ بن گیا ہے اور واجب ممکن ہو گیا ہے اور بے چون چون کے ساتھ آگیا ہے کیونکہ یہ سب کفر والحاد اور گمراہی و زندقہ ہے، وہاں نہ اتحاد ہے نہ عینیت اور نہ تنزل ہے نہ تشبیہ، وہ سبحانہٗ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ پس وہ ایسی پاک ذات ہے جو کائنات و موجودات کے حدوثِ اکوان (نئے تغیرات) سے اپنی ذات و صفات اور اسماء میں متغیر نہیں ہوتا۔ وہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنی اسی صرافتِ اطلاق (مطلقِ محض ہونے کی صفت) پر ہے، اور وہ وجوب کی بلندی سے امکان کی پستی کی طرف مائل نہیں ہوا ——— بلکہ "ہمہ اوست" کے معنی یہ ہیں کہ اشیاء نہیں ہیں اور وہ ذات تعالیٰ و تقدس موجود ہے منصور نے جو انا الحق کہا تو اس کی مراد یہ نہیں ہے کہ میں ہی حق ہوں اور حق کے ساتھ متحد ہوں کیونکہ یہ کفر ہے اور اس کے قتل کا موجب ہے، بلکہ اس کے قول کے یہ معنی ہیں کہ میں نہیں ہوں اور حق سبحانہٗ موجود ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صوفیہ اشیاء کو حق تعالیٰ و تقدس کے ظہورات جانتے ہیں اور کسی قسم کے تنزل کی آمیزش اور تغیر و تبدل کے گمان کے بغیر (اشیا کو) اس سبحانہ کی اسماء و صفات کے آئینے خیال کرتے ہیں، جس طرح اگر کسی شخص کا سایہ دراز ہو جائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ سایہ اس شخص کے ساتھ متحد ہے اور عینیت کی نسبت رکھتا ہے، یا وہ شخص تنزل کرکے ظل کی صورت میں ظاہر ہوا ہے بلکہ وہ شخص اپنی صرافت اصالت (خالص اپنی اصل) پر ہے اور ظل اس سے کسی تنزل و تغیر کے بغیر وجود میں آیا ہے۔ البتہ بعض اوقات ان لوگوں کی نظر سے کمال درجہ محبت کے باعث اس سایہ کا وجود پوشیدہ ہو جاتا ہے جنہوں نے اس شخص سے کمال درجہ کی محبت پیدا کر لی ہے اور اس شخص کے سوا ان کو کچھ مشہود نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت یہ کہہ دیں کہ ظل اس شخص کا عین ہے۔ یعنی ظل معدوم ہے اور وہ شخص موجود ہے اور بس ——— اس تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ صوفیہ کے نزدیک اشیا حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں نہ کہ حق جل سلطانہٗ کا عین۔ پس اشیاء حق تعالیٰ سے ہوئیں نہ کہ حق جل شانہٗ ہیں۔ پس ان کے اس کلام "ہمہ اوست" کے معنی "ہمہ از وست" ہوں گے جو کہ علمائے کرام کے نزدیک مختار ہیں، اور علمائے کرام و صوفیۂ عظام کثّرھم اللّٰہ سبحانہٗ الیٰ یوم القیام (اللہ سبحانہ قیامت تک ان کی کثرت فرمائے) کے درمیان حقیقت میں کوئی نزاع ثابت نہیں ہوگا اور دونوں اقوال کا انجام ایک ہی ہوگا۔ فرق صرف

اسقدر ہے کہ صوفیہ اشیا کو حق تعالیٰ کے ظہورات کہتے ہیں اور علما اس لفظ سے بھی اجتناب کرتے ہیں تاکہ حلول و اتحاد کا وہم پیدا ہونے سے بچیں۔

سوال: صوفیہ اشیاء کو ظہورات قرار دینے کے باوجود معدوم خارجی جانتے ہیں اور خارج میں حق سبحانہٗ کے سوا کسی کو موجود نہیں دیکھتے۔ اور علماء اشیا کو موجوداتِ خارجیہ کہتے ہیں۔ لہٰذا فریقین کے درمیان، نزاع معنی میں ثابت ہو گیا۔

جواب: صوفیہ اگرچہ عالم کو معدوم خارجی جانتے ہیں لیکن خارج میں اس کا وجود وہمی ثابت کرتے ہیں اور اس کو ارا رۂ خارجی (دائرۂ خیال سے باہر خارج میں ظہور) کہتے ہیں اور خارجی وہم کی کثرت سے انکار نہیں کرتے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وجودِ وہمی جس نے خارج میں نمود پیدا کیا ہے ان وہمیہ وجودات کی قسم سے نہیں ہے کہ جو زوال وہم کی وجہ سے زائل ہو جائے اور ثبات و استقرار نہ رکھے بلکہ یہ وجودِ وہمی اور نمودِ خیالی چونکہ حق سبحانہٗ کی صنع (کاریگری) سے ہے اور اس تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے نقوش سے ہے اس لئے زوال سے محفوظ اور خلل سے مامون ہے۔ اور اس جہان (دنیا) کا معاملہ اور اُس جہان (آخرت) کا معاملہ (ان ہی وجودوں) پر مربوط ہے۔

سوفسطائی جو کہ عالم کو اوہام و خیالات جانتا ہے اشیا کا زوال وہم و خیال کے زوال سے متعلق سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ اشیاء کا وجود ہمارے اعتقاد کے تابع ہے اور نفسِ امر میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اگر ہم آسمان کے لئے زمین کا اعتقاد کریں تو زمین ہے اور اسی طرح زمین ہمارے اعتقاد میں آسمان ہے اور شیریں چیز کو اگر تلخ سمجھیں تو تلخ ہے اور تلخ ہمارے اعتقاد میں شیریں ہے ـــــــ مختصر یہ کہ یہ بے وقوف صانع مختار جل سلطانہٗ کی ایجاد کا انکار کرتے ہیں اور اشیاء کو اس ذاتِ عالی کے ساتھ مستند نہیں جانتے۔ ضلوا فاضلوا (خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا)۔

پس صوفیہ اشیاء کو خارج میں وجودِ وہمی جو ثبوت و استقرار رکھتا ہے اور وہم کے اُٹھ جانے سے مرتفع نہیں ہوتا ثابت کرتے ہیں اور اس جہان (دنیا) اور اُس جہان (آخرت) کے معاملے کو جو دائمی و ابدی ہے اس وجود کے ساتھ مربوط رکھتے ہیں ـــــ اور علماء اشیا کو خارج میں موجود جانتے ہیں اور احکامِ خارجی و ابدی کو ان اشیا پر مترتب جانتے ہیں۔ اسی طرح اشیاء کے وجود کو حق جل وعلا کے وجود کے پہلو میں ضعیف و نحیف تصور کرتے ہیں اور ممکن کے وجود کو واجب تعالیٰ و تقدس کے وجود کی نسبت سے

نیست ونابود جانتے ہیں۔ لہذا فریقین کے نزدیک خارج میں اشیاء کا وجود ثابت ہوگیا، کیونکہ اِس جہان (دنیا) اور اُس جہان (آخرت) کے احکام ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، اور وہم وخیال کے زوال سے اس کا زوال نہیں ہوتا۔ لہذا ان کا جھگڑا ختم ہوگیا اور اختلاف بھی دُور ہوگیا ———— خلاصۂ کلام یہ کہ صوفیہ اس وجود کو وہمی کہتے ہیں کیونکہ عروج کے وقت میں اشیاء کا وجود ان کی نظر سے پوشیدہ ہوجاتا ہے اور حق جل وعلا شانہ کے وجود کے علاوہ ان کی نظر میں کچھ نہیں رہتا۔ اور علماء اس وجود پر لفظِ "وہم" کا اطلاق کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور وجودِ وہمی نہیں کہتے تاکہ کوئی کوتاہ نظر ان کے زائل ہونے کا حکم نہ کرے اور اس طرح ثواب وعذابِ ابدی سے انکار نہ کر بیٹھے۔

**سوال**: صوفیہ اشیاء کے لئے جو وجودِ وہمی ثابت کرتے ہیں ان کا مقصود یہ ہے کہ یہ وجود باوجودِ ثبات واستقرار نفسِ امری نہیں ہے اور ان کا وجود سوائے وہم کے کچھ نہیں اور ظاہر کے علاوہ ان کا کوئی حصہ نہیں۔ اور علماء ان اشیاء کو خارج میں نفسِ امری کے وجود کے ساتھ موجود جانتے ہیں پس نزاع واختلاف باقی رہا۔

**جواب**: وجودِ وہمی اور نمودِ خیالی جب وہم وخیال کے زوال سے زائل نہیں ہوتا تو وہ نفسِ امری ہوگیا کیونکہ اگر تمام وہم کرنے والوں کے وہم کا زوال ہونا فرض کرلیں تو بھی یہ وجود ثابت رہے گا اور اس کے زائل ہونے سے ہرگز زائل نہیں ہوگا۔ واقع اور نفس الامر کے یہی معنی ہیں۔ البتہ اسقدر ہے کہ یہ نفسِ امری جو وجودِ ممکن میں ثابت کی جاتی ہے وہ اس نفسِ امری کے سامنے جو واجب تعالیٰ کے وجود میں ثابت ہے لاشئے کا حکم رکھتی ہے، اور بالکل ممکن ہے کہ ان کو موہومات (اشیاءِ واہمہ) اور متخیلات (اشیائے خیالیہ) میں شمار کیا جائے۔ جس طرح کہ کلّی مشکک[1] کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ بہت زیادہ تفاوت رکھتے ہیں، یا جیسا کہ ممکن کا وجود واجب تعالیٰ کے وجود کے سامنے لاشے کا حکم رکھتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کو عدمات میں شمار کیا جائے۔ پس حقیقت میں کوئی نزاع نہیں رہا۔

**سوال**: جب تمام اشیاء کا وجود نفسِ امری ہوگیا تو یہ لازم آیا کہ نفسِ امر میں موجودات (اشیاء) متعدد ہوں اور نفس الامر میں ایک موجود نہ ہو۔ اور یہ (امر) وحدتِ وجود کے منافی ہے جو کہ صوفیۂ وجودیہ کے ہاں مقرر ہے۔

---

[1] کلّی دو قسم ہے متواطی وہ ہے جو صدق میں اپنے افراد پر کوئی فرق نہیں کرتے بلکہ اپنے افراد میں سے ہر ایک پر یکساں صادق آئے اور مشکک وہ ہے جس کے افراد باہم متفاوت ہوں۔

**جواب:** دونوں چیزیں نفسِ امری ہیں (یعنی) وحدتِ وجود بھی نفسِ امری ہے اور تعددِ وجود بھی نفسِ امری ہے، لیکن چونکہ جہت اور اعتبار مختلف ہیں لہذا نقیضین کے جمع ہونے کا وہم بھی دور ہوگیا ——— یہ بحث ایک مثال سے واضح ہوجاتی ہے۔ مثلاً زید کی صورت جو آئینہ میں ظاہر ہوتی ہے نفسِ امر آئینے میں کوئی صورت موجود نہیں ہے کیونکہ صورت نہ آئینے کے حجم میں ہے اور نہ سطح میں، بلکہ اس صورت کا وجود آئینے میں توہم کے اعتبار سے ہے اور خیالی نمود سے زیادہ آئینے میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اور یہ وجودِ وہمی اور نمودِ خیالی کی صورت جو آئینے میں پیدا ہوئی ہے وہ بھی نفسِ امری ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے زید کی صورت آئینے میں دیکھی ہے تو عقلاً و عرفاً اس کی یہ بات سچ مانی جاتی ہے اور اس کو حق پر جانتے ہیں۔ اور چونکہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہے لہذا اگر کوئی شخص قسم کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ "واللہ میں نے زید کی صورت کو آئینے میں دیکھا ہے" تو ہم کو چاہیئے کہ اس کو حانث (قسم توڑنے والا) نہ جانیں۔ لہذا اس صورت میں آئینے میں زید کی صورت کا عدم حصول بھی نفسِ امری ہے، اور اس وہم و تخیل کے اعتبار سے اس صورت کا حصول بھی آئینے میں نفسِ امری ہے، لیکن پہلا نفسِ امر مطلقاً نفسِ امر ہے اور دوسرا نفسِ امر توہم و تخیل کے واسطے سے وابستہ ہے ——— عجب معاملہ ہے کہ وہم و خیال کا اعتبار جو نفسِ امر کے منافی ہے یہاں وہی اعتبار نفسِ امر حاصل کرنے والا ہوگیا اس لئے اگر توہم و تخیل کا اعتبار نہ ہوتا تو یہاں نفسِ امر بھی حاصل نہ ہوتا۔

دوسری مثال نقطۂ جوالہ کی ہے جس نے توہم و تخیل کے اعتبار سے خارج میں دائرہ کی صورت کا ثبوت پیدا کر لیا ہے۔ یہاں بھی خارج میں دائرہ کا عدم حصول نفسِ امری ہے اور توہم و تخیل کے اعتبار سے خارج میں اس کا حصول بھی نفسِ امری ہے، لیکن (بہمہ وجوہ) مطلقاً دائرہ کا عدم حصول نفسِ امری ہے اور اس دائرہ کا حصول توہم و تخیل کے لحاظ سے نفسِ امری ہے، لہذا پہلا مطلق ہے اور دوسرا مقید ہے پس جس مسئلہ میں ہم ہیں وہ وحدتِ وجود مطلقاً نفسِ امری ہے اور تعددِ وجود توہم و تخیل کے اعتبار سے نفسِ امری ہوگیا ہے لہذا ان دونوں نفسِ امر کے درمیان اطلاق و تقیید کے لحاظ سے کوئی تناقض نہیں رہا اور اجتماعِ نقیضین (دو ضدوں کا جمع ہونا) ثابت نہیں ہوا۔

**سوال:** جب تمام وہم کرنے والوں کے وہم کا زوال فرض کر لیا جائے تو وجودِ وہمی اور وجودِ خیالی کس طرح

**جواب:** یہ وجودِ وہمی صرف وہم کے اختراع سے حاصل نہیں ہوا کہ وہم کے زوال سے زائل ہو جائے بلکہ حق جل وعلا کی کاری گری سے مرتبۂ وہم میں حاصل ہوا ہے اور استواری پیدا کر لی ہے اس لئے وہم کے زوال سے خلل قبول نہیں کرے گا۔ اور وجودِ وہمی اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کو مرتبۂ حس اور وہم میں پیدا کیا ہے اور چونکہ وہ اس تعالیٰ کی مخلوق ہے تو خواہ کسی مرتبے میں ہو زوال وخلل سے محفوظ ہے۔ اور جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے تو وہ نفسِ امری بھی ہو گیا۔ اور جس مرتبہ میں بھی اسے پیدا کیا گیا ہو اگرچہ وہ مرتبہ نفسِ امری نہیں ہے اور محض اعتبار ہے لیکن اس مرتبہ میں اس کی پیدائش نفسِ امری ہے ــــــــ اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کو مرتبۂ حس اور وہم میں پیدا کیا ہے یعنی اشیاء کو ایجاد کے مرتبے میں پیدا فرمایا ہے کہ اس مرتبے کے لئے کوئی حصول وثبوت نہیں ہے مگر جس طرح کہ شعبدہ باز جو حس اور وہم میں غیر واقع چیزوں کو واقع کی صورت میں ظاہر کرتا ہے اور ایک چیز کو دس چیزیں کر کے دکھاتا ہے حالانکہ وہ دس چیزیں حاصل نہیں ہیں مگر صرفِ وہم وخیال میں ہوتی ہیں، اور نفسِ امری میں سوائے ایک چیز کے اور کچھ موجود نہیں ہے اور ان دس چیزوں کو جو ظاہر کیا گیا ہے اگر قدرتِ کاملہ خداوند جل سلطانہٗ سے ثبات واستقرار پیدا کرے اور خلل وسرعتِ زوال سے محفوظ ہو تو نفسِ امری ہو جاتے ہیں۔ لہذا (اس اعتبار سے) وہ دس چیزیں نفسِ امری ہیں بھی اور نہیں بھی، لیکن دو اعتبار سے۔ اگر مرتبۂ حس ووہم سے قطع نظر کر لی جائے تو نہیں ہیں، اور اگر حس ووہم کو ملحوظ رکھا جائے تو موجود ہیں۔

قصہ مشہور ہے کہ ہندوستان کے کسی شہر میں چند شعبدہ بازوں نے بادشاہ کے حضور میں شعبدہ بازی شروع کی اور اسی اثنا میں طلسم وشعبدہ کی وجہ سے آم کے درختوں کا باغ نظر آنے لگا اور کسی حقیقت کے بغیر یہ چیزیں ظاہر ہو گئیں اور اسی مجلس میں یہ بھی ظاہر ہوا کہ وہ درخت بڑے ہو گئے اور پھل بھی لگ گئے اور اہلِ مجلس ان پھلوں کو کھانے لگے۔ عین اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا کہ شعبدہ بازوں کو قتل کر دیا جائے کیونکہ اس (بادشاہ) نے سنا ہوا تھا کہ شعبدہ کے ظہور کے بعد اگر شعبدہ باز کو قتل کر دیا جائے تو وہ شعبدہ قدرتِ خداوندی جل سلطانہٗ سے اپنے حال پر قائم رہتا ہے۔ اتفاقاً جب ان شعبدہ بازوں کو قتل کر دیا گیا تو آم کے درخت قدرتِ خداوندی جل سلطانہٗ سے اپنی حالت پر قائم رہے،

اور میں نے سنا ہے کہ وہ درخت اس وقت تک موجود ہیں اور لوگ اس کے پھل کھاتے ہیں: وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ (ابراہیم ۱۴ آیت ۱۹) (اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ دشوار نہیں)۔

پس متنازعہ فیہ صورت میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے کہ جس کے علاوہ خارج میں اور نفس امر میں کوئی موجود نہیں ہے اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے اسمائی وصفاتی کمالات کو ممکنات کی صورتوں کے پردے میں حس اور وہم کے مرتبے میں ظاہر کیا ہے اور ان کمالات کو وجودِ وہمی اور ثبوتِ خیالی کے ساتھ اشیاء کے آئینے میں جلوہ گر فرمایا ہے یعنی اشیاء کو ان کمالات کے مطابق مرتبۂ حس و وہم میں ایجاد فرمایا تو ان میں نمودِ وہمی و ثبوتِ خیالی پیدا ہوگیا، لہذا اشیاء کا وجود نمود کے اعتبار سے خیالی ہے لیکن جب حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس نمود کو استقرار اور ثبات عطا فرمایا اور اشیاء کی آفرینش میں استواری و استحکام کی رعایت دی اور ان سے ابدی معاملہ کو وابستہ کیا تو ناچار اشیاء کا وجودِ وہمی اور ثبوتِ خیالی بھی نفس الامری ہوگیا اور خلل سے محفوظ ہوا۔ لہذا کہا جا سکتا ہے کہ اشیاء خارج میں نفس الامر کے اعتبار سے وجود رکھتی ہیں اور نہیں بھی رکھتیں لیکن دو اعتبار کے ساتھ جیسا کہ مکرر گذر چکا ہے۔

اس فقیر کے حضرتِ والد بزرگوار جو علماءِ محققین میں سے تھے فرماتے تھے کہ قاضی جلال الدین جو آگرہ کے متبحر علماء میں سے تھے انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ نفس الامر میں وحدت ہے یا کثرت؟ اگر وحدت ہے تو شریعت کہ جس کی بنیاد احکام متباینہ (الگ الگ) اور متمائزہ (مختلف) پر ہے باطل ہو جاتی ہے۔ اور اگر نفس الامر میں کثرت ہے تو صوفیوں کا قول جو وحدتِ وجود کے قائل ہیں باطل ہو جاتا ہے؟ ——— ہمارے حضرت (والد بزرگوار) نے ان کے جواب میں فرمایا کہ دونوں نفس الامری ہیں۔ اور اس کو (مفصل) بیان فرمایا۔ لیکن فقیر کو یاد نہیں رہا کہ آپ نے کیا فرمایا تھا۔ اس وقت جو کچھ فقیر کے دل میں ڈالا وہ تحریر کر دیا گیا ہے: وَالْاَمْرُ اِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ (اور تمام کام اللہ سبحانہٗ کی طرف سے ہیں)۔

لہذا صوفیہ جو وحدتِ وجود کے قائل ہیں وہ حق پر ہیں اور علماء جو کثرتِ وجود کا حکم کرتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں۔ صوفیہ کے احوال کے مناسب وحدت ہے اور علماء کے احوال کے مناسب کثرت۔ کیونکہ شرائع کی بنیاد کثرت پر ہے اور احکام کے تغیر و تبدل کثرت کے ساتھ وابستہ ہیں، اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعوت اور آخرت کا انعام وعذاب بھی کثرت سے تعلق رکھتا ہے اور چونکہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا حکم فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ (پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں) کثرت کو

چاہتا ہے اور ظہور کو پسند کرتا ہے تو اس مرتبہ کی بقا بھی ضروری ہے کیونکہ اس مرتبہ کی تربیت رب العالمین کی پسندیدہ اور محبوب ہے۔ بادشاہ ذیشان کے لئے خدم و حشم ہوتے چاہئیں اور اس کی عظمت و کبریائی کے لئے خواری، محتاج اور شکستگی (والے لوگ) درکار ہیں ـــــــ وحدتِ وجود کا معاملہ اگرچہ حقیقت کی مانند ہے اور کثرت کا معاملہ اس کے مقابلے میں مجاز کے رنگ میں ہے اسی لئے اُس عالَم کو عالَمِ حقیقت کہتے ہیں اور اس عالَم کو عالَمِ مجاز، لیکن چونکہ ظہورات اُس بزرگ و برتر کو محبوب ہیں اور اس نے اشیا کو بقائے ابدی عطا فرمائی ہے اور قدرت کو حکمت کے لباس میں لا کر اسباب کو اپنے فعل میں پوشیدہ کر دیا ہے اس لئے وہ حقیقت کالمہجور (متروک کی مانند) ہو گئی ہے، اور یہ مجاز متعارف و مشہور ہو گیا ـــــــ نقطۂ جوالہ اگرچہ حقیقت کی طرح ہے اور وہ دائرہ جو اس نقطہ سے پیدا ہوا ہے مجاز کے مانند ہے لیکن حقیقت وہاں مہجور ہے اور جو کچھ متعارف ہے وہ مجاز ہے

اور آپ نے اس قول کے معنی بھی دریافت کئے تھے کہ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا لَا یَضُرُّہٗ ذَنْبٌ (جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو کوئی گناہ اس کو نقصان نہیں پہنچاتا) جاننا چاہئے کہ جب حق سبحانہٗ و تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس سے کوئی گناہ صادر ہی نہیں ہوتا کیونکہ حق جل و علا کے اولیا گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ ہیں اگرچہ ان سے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے بخلاف انبیا علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے جو گناہوں سے معصوم ہیں ان حضرات سے گناہ کے صادر ہونے کا امکان بھی سلب کر لیا گیا ہے۔ اور جب اولیا سے گناہ کا صدور نہیں تو یقین ہے کہ گناہ کا ضرر بھی نہ ہو گا۔ لہٰذا گناہ کے صادر نہ ہونے کی صورت میں لَا یَضُرُّہٗ ذَنْبٌ درست ہے جیسا کہ اہلِ علم پر پوشیدہ نہیں ـــــــ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گناہ سے مراد سابقہ گناہ ہوں جو ولایت کے درجے کے حاصل ہونے سے پہلے صادر ہوئے ہوں، فَاِنَّ الْاِسْلَامَ یَجُبُّ مَا کَانَ قَبْلَہٗ (بیشک اسلام پہلے کی سب باتوں کو مٹا دیتا ہے)۔ وَحَقِیْقَۃُ الْاَمْرِ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اور حقیقت امر اللہ سبحانہٗ ہی جانتا ہے)۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا (بقرہ آیہ ۲۸۶) (اے ہمارے رب! تو ہماری بھول اور خطا پر ہم کو نہ پکڑنا) وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصلوات وَالتَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی (اور سلام ہو آپ پر اور ان لوگوں پر جنھوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات العلی کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)۔

# مکتوب ۴۵
چہل و پنجم

حقائق آگاہ معارف دستگاہ خواجہ حسام الدین احمد[1] کی طرف صادر فرمایا ــــ اس بیان میں کہ تمام عالم واجب جل سلطانہ کے اسماء و صفات کا آئینہ ہے بخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے اور وہ (ممکن) اپنے حق میں کوئی قیام نہیں رکھتا اور وہ تمام کا تمام عرض ہے جس کو جوہریت کی بو تک نہیں لگی۔ اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــ ہمارے مخدوم و مکرم! ـــ

از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر ست (بات اس کی جس طرح ہو خوب ہے)

عجیب و غریب معارف تحریر کئے جاتے ہیں غور سے سنیں، اور اخص خواص کے مراقبے کا طریقہ بیان کیا جاتا ہے پوری طرح توجہ فرمائیں ــــ جاننا چاہئے کہ عالم سب کا سب حق تعالیٰ و تقدس کے اسماء و صفات کا آئینہ و مظہر ہے، اگر ممکن میں حیات ہے تو اسی واجب تعالیٰ و تقدس کی حیات کا آئینہ ہے، اور اگر علم ہے تو وہ بھی اسی ذات سبحانہ و تعالیٰ کے علم کا آئینہ ہے، اور اگر قدرت ہے تو وہ بھی اسی تعالیٰ کی قدرت کا آئینہ ہے۔ عَلٰی ھٰذَا الْقِیَاس (تمام چیزوں کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے) کیونکہ اس تعالیٰ کی ذات کے لئے عالم میں نہ کوئی مظہر ہے نہ کوئی آئینہ۔ بلکہ اس ذات تعالیٰ کو عالم کے ساتھ کچھ بھی مناسبت نہیں، اور نہ ہی کسی چیز میں شراکت ہے اگرچہ وہ مناسبت اسم میں ہو یا وہ مشارکت صورت میں ہو۔ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (عنکبوت آیت ۶ (بیشک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے غنی اور بے نیاز ہے) بخلاف اسماء و صفات کے کہ یہ عالم کے ساتھ اسمی مناسبت رکھتے ہیں اور صوری مشارکت (ظاہری شراکت) ان کے درمیان ثابت ہے، چنانچہ جس طرح واجب تعالیٰ میں علم ہے ممکن میں بھی اس علم کی صورت ثابت ہے، اور جس طرح وہاں قدرت ہے یہاں بھی اس قدرت کی صورت موجود ہے بخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے، اور اس (ممکن) کو اپنے حق میں بذات خود قائم ہونا حاصل نہیں، بلکہ ممکن کو چونکہ اس تعالیٰ کے اسماء و صفات کی صورتوں پر مخلوق کیا گیا ہے اس لئے سب کا سب عرض ہے اور جس کو

---

[1] آپ کے نام ستولہ مکتوبات ہیں۔ آپ کا تذکرہ اور مکتوبات کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو دفتر اول مکتوب ۳۲۔

جوہریت کی ہوا تک نہیں لگی، اور اس کا قیام واجب تعالیٰ و تقدس کی ذات کے ساتھ ہے (جیساکہ عرض کی خاصیت ہے)۔ اور اربابِ معقول (فلاسفہ) نے جو ممکن کو جوہر و عرض میں تقسیم کیا ہے یہ ظاہر بینی کے سبب سے ہے اور بعض ممکن کا بعض دوسرے ممکن کے ساتھ جو قیام ثابت ہے وہ قیام عرض کا عرض کے ساتھ ہونے کی قسم سے ہے نہ کہ عرض کا قیام جوہر کے ساتھ ہونے کی قسم سے، بلکہ حقیقت میں وہ دونوں عرض واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتے ہیں ان کے درمیان کوئی جوہریت ثابت نہیں ہے کیونکہ تمام ممکنات کا قیوم (قائم رکھنے والا) حق تعالیٰ و تقدس ہی ہے۔ پس ممکن کی حقیقت میں کوئی ذات نہیں کہ جس کے ساتھ اس کی صفات قائم ہوں بلکہ ذات صرف واجب تعالیٰ ہی کی ہے، اور اسی طرح اس تعالیٰ کی صفات اور تمام ممکنات اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں ـــــــــ اور وہ اشارہ جو ہر شخص اپنی ذات کی طرف لفظِ "اَنَا" سے کرتا ہے وہ اشارہ بھی حقیقت میں اسی ایک ذات کی طرف راجع ہے جس کے ساتھ سب قائم ہیں۔ (اس بات کو) اشارہ کرنے والا جانے یا نہ جانے۔ اگرچہ وہ ذات تعالیٰ و تقدس کسی اشارہ کے ساتھ مشارٌ الیہ نہیں اور کسی چیز کے ساتھ متحد بھی نہیں ہے۔

ان پوشیدہ معارف کو کوتاہ نظر لوگ توحیدِ وجودی کے ساتھ خلط ملط نہ کریں اور ایک دوسرے کا دست و گریبان نہ جانیں، کیونکہ اربابِ توحید سوائے ایک ذات تعالیٰ و تقدس کے کسی کو موجود نہیں جانتے اور اس ذاتِ عالی کے اسماء و صفات کو بھی اعتباراتِ علمی خیال کرتے ہیں اور حقائقِ ممکنات کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کو وجود کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ اَلْاَعْیَانُ مَاشَمَّتْ رَائِحَۃَ الْوُجُوْدِ (یعنی موجوداتِ خارجیہ نے وجود کی بُو تک نہیں سونگھی) یہ ان کا کلام ہے ـــــــــ اور یہ فقیر اس ذاتِ عالی کی صفات کو بھی وجود زائد کے ساتھ موجود جانتا ہے۔ جیساکہ علمائے اہلِ حق نے فرمایا ہے اور ممکنات کے لئے بھی جو اس ذات تعالیٰ کے اسماء و صفات کے آئینے ہیں ان کے لئے بھی وجود ثابت کرتا ہے ـــــــــ

خلاصہ کلام یہ کہ ممکنات کو جو اعراض کے علاوہ از خود قیام نہیں رکھتے ہیں کچھ نہیں جانتا۔ اور جوہریت جو از خود قیام رکھتی ہے ممکنات میں اس کا اثبات نہیں کرتا اور سب کا قیام اس ذات تعالیٰ کے ساتھ یقینی طور پر جانتا ہے۔

سوال: اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ذاتِ ممکن عین ذات واجب تعالیٰ ہے، اور ممکن اس واجب تعالیٰ جل شانہٗ کے ساتھ متحد ہے اور یہ محال ہے کیونکہ اس سے قلبِ حقائق لازم آتا ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ ذاتِ ممکن یعنی اس کی حقیقت و ماہیت وہی اعراضِ متعددہ مخصوصہ ہیں۔

جو واجب تعالیٰ کے اسماء وصفات کے آئینے ہیں اور ان اَعراض کو ذات واجب تعالیٰ وتقدس کے ساتھ کسی طرح کی عینیت نہیں ہے اور کسی وجہ سے بھی اتحاد نہیں ہے جس سے قلبِ حقائق (حقیقت کا پلٹ جانا) لازم آئے۔ پس اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ان اعراض کا اس ذات تعالیٰ شانہٗ قیام ہے اور وہ سبحانہٗ، تمام اشیاء کا قیوم (قائم رکھنے والا) ہے۔

**سوال**: جب ہر ایک کا اشارہ جو اپنی ذات کی طرف لفظِ "انا" سے کرتا ہے۔ وہ ذاتِ واجب تعالیٰ کی طرف راجع ہے (جیسا کہ آپ نے کہا ہے) تو اس سے لازم آتا ہے کہ ذاتِ ممکن یعنی اس کی ماہیت وحقیقت واجب تعالیٰ کی ذات کا عین ہو۔ کیونکہ ہر شخص کا اشارہ لفظ "انا" کے ساتھ اپنی ماہیت اور حقیقت کی طرف ہے اور اس سے حقیقت کا پلٹ جانا لازم ہے، اور یہ بات بعینہٖ توحیدِ وجودی والوں کی ہے۔

**جواب**: ہاں ہر شخص کا اشارہ لفظِ "انا" کے ساتھ اگرچہ اپنی حقیقت کی طرف ہے لیکن چونکہ اس کی حقیقت اَعراض کا مجموعہ ہے لہٰذا اس میں اس اشارہ کی قابلیت موجود نہیں، کیونکہ اعراض استقلال واصالت کے ساتھ حسّی اشارہ کے قابل نہیں اور چونکہ اس کی حقیقت نے اس اشارہ کو قبول نہیں کیا تو ناچار وہ اشارہ اس حقیقت کے قائم کرنے والے کی طرف راجع ہو گیا۔ لہٰذا ممکن کی ماہیت تمام کی تمام اعراض کا مجموعہ ہیں، اگرچہ لفظِ "انا" کا اشارہ اس کی عدم قابلیتِ حقیقت کی وجہ سے اس کے قائم کرنے والے کی طرف جو کہ ذات واجب تعالیٰ وتقدس ہے راجع ہو چکا ہے لہٰذا حقیقت کا پلٹ جانا نہ ہوا اور ممکن واجب تعالیٰ وتقدس نہ بنا۔ اور ہماری یہ بات توحیدِ وجودی والوں کی بات سے جُدا ہو گئی ——— عجیب معاملہ ہے کہ ممکن کا "انا" تو واجب تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور ممکن اپنے حال پر ممکن ہی رہے۔ اور قول سُبْحَانِیْ وَاَنَا الْحَقُّ زبان پر نہ لائے، بلکہ نہیں لا سکتا کیونکہ وہ صاحبِ ہوش وتمیز ہے۔

**سوال**: واجب تعالیٰ کی ذات سے ممکن کا قیام واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث کے قیام کو مستلزم ہے اور یہ ممتنع ومحال ہے۔

**جواب**: حوادث کا قیام اس صورت میں ناممکن ہے کہ ذات تعالیٰ میں حوادث کا حلول ہے جو محال ہے لیکن اس مقام میں قیام حلول کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اس کے معنی

ثبوت و تقرر کے ہیں، یعنی ممکن کا ثبوت و تقرر ذاتِ واجب تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

سوال: جبکہ ممکن تمام کا تمام عرض ہے تو اس کو محل سے چارہ نہیں تا کہ اس کے ساتھ قائم ہو، اور وہ محل و مقام کونسا ہے، ذاتِ واجب تعالیٰ تو ہے نہیں اسی طرح ممتنع بھی اس کا محل نہیں ہو سکتا۔

جواب: عرض وہ ہے کہ جس کو بذاتِ خود قیام نہ ہو، بلکہ غیر کے ساتھ قائم ہو۔ اور چونکہ فلاسفہ نے عرض کے قیام کے معنی حلول کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھے اس لئے ناچار عرض کیلئے محل و مقام ثابت کیا ہے، اور بغیر محل کے اس کے ثبوت کو محال جانا ہے۔ اور چونکہ قیام کے دوسرے معنی پیدا ہو گئے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے تو محل کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ یہ بات ہمارے مشاہدے اور حس میں ہے کہ تمام اشیاء کا قیام ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ ہے اور کوئی حلول و محل درمیان میں نہیں ہے۔ اربابِ معقول اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں۔ ان کا شک ہم کو بداہت سے متصادم نہیں کر سکتا اور ہمارا یقین ان کے شک کی وجہ سے زائل نہیں ہو سکتا ـــــــ اس بحث کو ہم ایک مثال کے ذریعے واضح کرتے ہیں کہ اربابِ طلسم (جادوگر) اور سیمیا والے جو اجسامِ غریبہ (دوسرے جسموں) اور اعراضِ عجیبہ کی جنس سے کئی قسم کی چیزیں دکھاتے ہیں، اس صورت میں سب جانتے ہیں کہ ان اجسام کو اعراض کی طرح از خود کوئی قیام نہیں بلکہ ان دونوں کا قیام جادوگر کی ذات کے ساتھ ہے اور کوئی محل ان کے لئے ثابت نہیں۔ اور نیز یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کے اس قیام میں حالیت (کسی چیز میں حلول کرنا) اور محلیت (کسی چیز کا محل ہونا) کی آمیزش بالکل نہیں بلکہ ان سب کا ثبوت و تقرر حلول کے وہم کے بغیر صاحبِ طلسم کی ذات کے ساتھ ہے۔ اور ہماری اس بات میں بھی یہی صورت ہے کیونکہ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اشیاء کو مرتبۂ حس و وہم میں مخلوق فرمایا ہے اور ان کے پیدا کرنے میں استواری و استحکام کی رعایت فرمائی ہے اور دائمی رنج و راحت اور سرمدی عذاب و ثواب کا معاملہ ان کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ لہٰذا ان اشیاء کا قیام از خود نہیں ہے بلکہ حق سبحانہٗ کی ذات کے ساتھ حلول کی آمیزش کے بغیر اور حال و محل کے گمان کے بغیر قائم ہیں۔ ـــــــ اور دوسری مثال پہاڑ کی شکل یا آسمان کی صورت جو آئینے میں ظاہر ہوتی ہے کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو ان صورتوں کو اجسام گمان کرتے ہوئے جواہر خیال کرے اور ان تمثیلوں کو

جواہر سمجھتے ہوئے قائم بذاتِ خود جانتے۔ اگر فرض کرلیں کہ کوئی شخص ان صورتوں کو اعراض جانتا ہے اور غیر کے ساتھ قائم تصور کرتا ہے اور ان کے عرض ہونے کی وجہ سے ان کے لئے مقاموں کا متلاشی ہوتا ہے اور بغیر محل و مقامات کے ان کے ثبوت (وجود) کو ناممکن جانتا ہے تو وہ شخص بھی بے وقوف ہے جو لوگوں کی تقلید کی وجہ سے اپنی بداہت کا انکار کرتا ہے، کیونکہ تھوڑی سی بھی تمیز رکھنے والا ابتداءِ ہمت سے یہ جان لیتا ہے کہ ان صورتوں کے لئے ہرگز محل و مقام ثابت نہیں بلکہ وہ محل کی احتیاج ہی نہیں رکھتے۔ ایسا ہی اربابِ کشف و شہود کے نزدیک تمام ممکنات ان صورتوں کے رنگ میں ہیں اور مثالوں سے زیادہ کچھ نہیں ہیں ——— خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان صورتوں اور تمثیلوں کو اپنی کامل کاری گری سے ایسی استواری اور استحکام عطا کیا ہے کہ وہ خلل سے مصئون اور زوال سے محفوظ ہیں اور اخروی و ابدی معاملہ ان ہی کے ساتھ وابستہ ہے۔ جیسا کہ تکرار کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔

اور متکلمین میں سے نظّام جو علماءِ معتزلہ سے ہے اس نے بحکم رَمْیَۃٌ مِّنْ غَیْرِ رَامٍ (تیر مارنا بغیر تیر اندازی کے) عالم کو اعراض کا مجموعہ جانا اور جوہر سے خالی قرار دیا ہے۔ ہاں اِنَّ الْکَذُوْبَ قَدْ یَصْدُقُ (کبھی جھوٹے سے بھی سچی بات نکل جاتی ہے) چونکہ اس نے کوتاہ نظری کی وجہ سے ان اعراض کا قیام ذات واجب الوجود جل سلطانہ کے ساتھ نہیں سمجھا ہے اس لئے وہ عاقلوں کی طعن و تشنیع کا مورد و محل بن گیا ہے۔ کیونکہ عرض کے لئے غیر کے ساتھ قیام کے بغیر چارہ نہیں ہے اور وہ جوہر کے وجود کا بھی قائل نہیں ہے تاکہ اس کے ذریعے قیام کو مستند بنائے ——— اور صوفیہ میں سے صاحبِ فتوحاتِ مکیہ نے عالم کو عینِ واحد میں مجتمعہ اعراض جانا ہے اور عینِ واحد سے ذاتِ احدیت جل سلطانہٗ مراد لی ہے، لیکن ان اعراض کو دو زمانوں میں عدم بقا کا حکم کیا ہے اور کہا ہے کہ عالم ہر آن میں معدوم ہو جاتا ہے اور دوسری آن میں پھر اس کی مثل وجود میں آجاتا ہے۔ ——— اور اس فقیر کے نزدیک یہ معاملہ شہودی ہے وجودی نہیں۔ جیسا کہ "شرح رباعیات" کے حواشی میں اس بحث کی تحقیق کی گئی ہے ——— سالک کو اپنے احوال کے درمیان قبل اس کے کہ اس کی نظرِ ماسویٰ سے مطلقاً اٹھ جائے ہر آن میں وہ ایسا دیکھتا ہے کہ عالم معدوم یعنی نیست و نابود ہو گیا ہے اور دوسری آن میں وہ عالم کو موجود پاتا ہے اور تیسری آن میں پھر معدوم پاتا ہے اور

چوتھی آن میں پھر موجود خیال کرتا ہے یہانتک کہ وہ فنائے مطلق سے مشرف ہوجاتا ہے اور ہمیشہ ماسوا کو معدوم پاتا ہے اُس وقت اس کے شہود میں دائمی طور پر عالم معدوم ہوتا ہے۔ اور اسی طرح بقا کے حاصل ہونے اور عالم کی طرف رجوع کرنے کے درمیان کبھی عالم نظر میں آتا ہے اور کبھی پوشیدہ ہوجاتا ہے اور یہاں بھی وہی تجدّدِ امثال کی حالت کا وہم ہوتا ہے۔ اور جب عارف کے لئے بقا اور عالم کی طرف رجوع کا معاملہ انجام کو پہنچتا ہے اور مقامِ تکمیل وارشاد میں قیام کرتا ہے تو عالم پھر اس کی نظر میں آجاتا ہے اور اس وقت وہ عالم کو دائمی طور پر موجود پاتا ہے۔ پس یہ معاملہ سالک کے شہود کی طرف راجع ہوگیا نہ کہ عالم کے وجود کی طرف۔ کیونکہ اس کا وجود ہمیشہ ایک ہی وضع پر ہے، اگر تذبذب ہے تو شہود میں ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ (اور اللہ سبحانہٗ ہی صحیح الہام کرنے والا ہے)

اور دو زمانوں میں اعراض کے باقی نہ رہنے کا حکم کرنا جیسا کہ بعض متکلمین نے کہا ہے وہ مدخل فیہ (قابلِ اعتراض) ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور وہ دلائل جو اعراض کے عدم بقا کے سلسلے میں پیش کئے گئے ہیں وہ سب نامکمل ہیں ــــــــ یہ پوشیدہ معارف وہاں کے اکثر دوستوں کے لئے گویا سبق ہیں۔ جو شخص اس کے ملاحظہ کا شوق ظاہر کرے مہربانی فرما کر اس کی نقل اس کو عنایت کریں۔ چونکہ فقیر پر ضعف کا غلبہ ہے اس لئے ہر ایک دوست کی طرف علیحدہ علیحدہ کتابت کر کے نہیں بھیج سکا صرف اسی پر اکتفا کیا گیا۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَدَیْکُمْ۔

مولانا حمید[1] بنگالی کی طرف صادر فرمایا ـــــ کلمۂ طیبہ کے فضائل میں جو طریقت وحقیقت اور شریعت کو متضمن ہے اور اس بیان میں کہ ولایت کے کمالات نبوت کے کمالات کے مقابلے میں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ اور اس بیان میں کہ (صاحب) ولایت کو شریعت کے بغیر چارہ نہیں۔ اور ظاہر ہمیشہ شریعت کا مکلف ہے اور باطن اس معاملے کا گرفتار ہے۔ اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ یہ کلمۂ طیبہ طریقت وحقیقت اور شریعت پر

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۵۸ پر گذر چکا۔

مشتمل ہے۔ جب تک سالک نفی کے مقام میں ہے تو وہ مقامِ طریقت میں ہے، اور جب وہ نفی سے کلی طور پر فارغ ہو جائے اور ماسوا بھی مکمل طور پر اس کی نظر سے معدوم ہو جائے تو طریقت کی تکمیل ہو جاتی ہے اور مقامِ فنا میں پہنچ جاتا ہے، اور نفی کے بعد جب مقامِ اثبات میں آتا ہے اور سلوک سے جذبے کی طرف جاتا ہے تو مرتبۂ حقیقت سے متحقق ہو کر بقا سے موصوف ہو جاتا ہے۔ اور اس نفی و اثبات اور اس طریقت و حقیقت اور اس فنا و بقا اور اس سلوک و جذبہ کے ساتھ ولایت کا اسم صادق آتا ہے اور نفس امّارگی سے اطمینان کی طرف آجاتا ہے اور مزکّی و مطہّر بن جاتا ہے۔ پس کمالاتِ ولایت اس کلمۂ طیبہ کے جزوِ اول کے ساتھ کہ نفی (لا الٰہ) و اثبات (الا اللہ) ہے وابستہ ہوئے۔ باقی رہا اس کلمۂ مقدسہ کا جزوِ دوم جو کہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلی آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی رسالت کا اثبات ہے یہ جزوِ آخر شریعت کا محصّل اور اس کی تکمیل کرنے والا ہے اور جو کچھ کہ ابتدا یا وسط میں شریعت سے حاصل ہوا تھا وہ شریعت کی صورت تھی اور اس کا اسم و رسم تھا لیکن شریعت کی حقیقت کا حصول اسی مقام میں ہوتا ہے جو مرتبۂ ولایت کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور نبوت کے کمالات جو انبیا علیہم الصلوات والتحیات کی تبعیت و وراثت کے طور پر ان کے کامل تابعداروں کو حاصل ہوتے ہیں وہ بھی اسی مقام میں حاصل ہوتے ہیں، اور طریقت و حقیقت جو ولایت کے حاصل ہونے کا سبب ہیں گویا وہ حقیقتِ شریعت اور کمالاتِ نبوت کی تحصیل کے لئے شرائط ہیں۔ ولایت کو طہارت (وضو) کی طرح جاننا چاہئے اور شریعت کو نماز کے مانند۔ گویا طریقت میں حقیقی نجاستیں دور ہو جاتی ہیں اور حقیقت میں نجاساتِ حکمیہ کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ (سالک طہارتِ کاملہ کے بعد احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کے لائق ہو جاتا ہے تاکہ ایسی نماز ادا کرنے کی قابلیت حاصل ہو جائے جو مراتبِ قرب کی نہایت، دین کا ستون اور معراجِ مومن ہونے کی قابلیت پیدا کرتی ہے۔ میں نے اس کلمۂ مقدسہ کے جزوِ آخر کو ایک بحرِ بیکراں پایا ہے اور اس کا جزوِ اول اس کے مقابلے میں قطرہ معلوم ہوتا ہے۔ ہاں ولایت کے کمالات، نبوت کے کمالات کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے اور ذرہ کی آفتاب کے مقابلے میں کیا حقیقت ہے۔

سبحان اللہ (تعجب ہے) کہ ایک جماعت اپنی کج بینی کی وجہ سے ولایت کو نبوت سے افضل جانتی ہے اور شریعت کو جو کہ لبِ لباب ہے پوست (چھلکا) سمجھتی ہے۔ کیا کیا جائے کہ

اُن کی نظر شریعت کی ظاہری صورت پر محدود ہے اور اس کے مغز سے سوائے پوست کے ان کو کچھ حاصل نہیں ہے۔ اور (یہ لوگ) نبوت کو مخلوق کی طرف توجہ کے باعث قاصر (کم درجہ) جانتے ہیں اور اس توجہ کو عوام کی توجہ کی طرح ناقص جان کر ولایت کو کہ جس کا تعلق حق جل وعلا کے ساتھ ہے اس توجہ پر ترجیح دیتے ہیں اور ولایت کو نبوت سے افضل کہتے ہیں اور نہیں جانتے کہ کمالاتِ نبوت میں بھی عروج کے وقت حق سبحانہٗ کی طرف توجہ ہوتی ہے جیسا کہ ولایت کے مرتبہ میں ہے۔ بلکہ مرتبۂ ولایت میں ان عروجی کمالات کی صورت ہے جو مقامِ نبوت میں حاصل ہے۔ چنانچہ اس کا مختصر تذکرہ آگے کیا جائے گا ——— نبوت میں نزول کے وقت ولایت کی طرح مخلوق کی طرف توجہ ہوتی ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ ولایت ظاہر میں مخلوق کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور باطن میں حق سبحانہ کے ساتھ، اور نبوت بوقتِ نزول ظاہر و باطن سے مخلوق کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور ان (مخلوق) کو کُلّی طور پر حق جل شانہٗ کی طرف دعوت دینے میں مشغول رہتی ہے۔ اور یہ نزول ولایت کے نزول کے مقابلے میں اتم واکمل ہے، جیسا کہ رسائل وکتب میں اس کی تحقیق کی گئی ہے۔ اور مخلوق کی طرف ان (انبیاء) کی یہ توجہ عوام کی توجہ کی طرح نہیں ہے جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے۔ بلکہ عوام کی توجہ مخلوق کی طرف ان کی اس گرفتاری کی وجہ سے ہے جو وہ ماسوٰی کے ساتھ رکھتے ہیں، اور اخصِ خواص کی توجہ مخلوق کی طرف ماسوا کی گرفتاری کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ ان بزرگوں نے ماسوا کی گرفتاری کو پہلے ہی قدم میں رخصت کر دیا ہے اور اس کی بجائے مخلوق کے خالق جل سلطانہٗ کی گرفتاری اختیار کر لی ہے بلکہ ان بزرگوں کی مخلوق کی طرف توجہ ان کی ہدایت وارشاد کے لئے ہے تاکہ مخلوق کو خالق جل سلطانہٗ کی طرف رہنمائی کریں اور ان کو مولیٰ تعالیٰ وتقدس کی رضاجوئی کے کاموں کی طرف دلالت کریں۔ اور شک نہیں کہ اس قسم کی توجہ بحق جس سے مقصود لوگوں کو ماسوا کی غلامی سے نجات دلانا ہو اُس توجہ بحق جل وعلا سے بہت افضل ہے جو صرف اپنے نفس کے لئے ہو۔ ——— مثلاً ایک شخص ذکرِ الٰہی جل سلطانہٗ میں مشغول ہوتا ہے اسی اثنا میں وہ ایک نابینا کو دیکھتا ہے کہ اس کے سامنے کنواں ہے اگر وہ دوسرا قدم اٹھائے گا تو کنوئیں میں گر جائے گا ایسی صورت میں اس شخص کے لئے ذکر میں مشغول رہنا بہتر ہے یا نابینا کو گرنے سے بچانا بہتر ہے؟۔ اس میں شک نہیں کہ اس نابینا کو بچانا ذکر میں مصروف رہنے سے بہتر ہے، کیونکہ وہ تعالیٰ

اُس سے اور اس کے ذکر سے غنی ہے، اور نابینا ایک محتاج بندہ ہے کہ اس کے ضرر کو دور کرنا ضروری ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ (ذاکر) اس کی رہنمائی کرنے پر مامور ہو تو اس وقت اس کی رہنمائی میں مشغول ہونا بھی ذکر ہے کیونکہ اِس میں اسی تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے۔ ہاں اس کے ذکر میں ایک حق کی ادائیگی ہے جو کہ مولیٰ جل شانہٗ کا حق ہے اور نجات دلاتے ہیں جو اس کے حکم کی بجا آوری میں ہو دو حقوق کی ادائیگی ہے یعنی ایک حق بندہ کا اور دوسرا حق مولیٰ تعالیٰ کا۔ بلکہ یہ بات ممکن ہے کہ اس وقت ذکر میں رہنا گناہ میں داخل ہو، کیونکہ ہر وقت ذکر میں مشغول رہنا مستحسن نہیں ہے۔ اور بعض اوقات ذکر نہ کرنا بھی مستحسن ہوتا ہے، جیسے ممنوعہ ایام (یعنی عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایامِ تشریق) میں روزہ نہ رکھنا۔ اور اوقاتِ مکروہہ (یعنی نمازِ فجر کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک اور نمازِ عصر کے بعد سے مغرب تک اور زوال کے وقت) نماز نہ پڑھنا، روزہ رکھنے اور نماز ادا کرنے سے بہتر ہے۔

جاننا چاہئے کہ ذکر سے مراد غفلت کو دور کرنا ہے خواہ وہ کسی طرح سے بھی میسر ہو، نہ یہ کہ ذکر کو محض کلمۂ نفی و اثبات کے تکرار میں محدود کر دیا جائے، یا اسمِ ذات تعالیٰ کی تکرار کی جائے جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے، لہٰذا اوامر کی بجا آوری اور نواہی شرعیہ سے باز رکھنا سب ذکر میں داخل ہیں۔ خرید و فروخت کرنا بھی حدودِ شرعیہ کی رعایت کے ساتھ ذکر ہے۔ اور اسی طرح نکاح و طلاق وغیرہ بھی اس رعایت کے ساتھ ذکر میں داخل ہیں کیونکہ شرعی رعایت کے ساتھ ان امور میں مشغول ہونے کے وقت آمر و ناہی (حکم دینے والا اور روکنے والا) یعنی جل سلطانہٗ ان امور کے کرنے والے کا نصب العین (آنکھوں کے سامنے) ہوتا ہے۔ لہٰذا غفلت کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ لیکن وہ ذکر جو مذکورہ اسم و صفت کے ساتھ واقع ہو وہ سریع التاثیر (زود اثر) ہوتا ہے اور مذکور کی محبت بخشنے والا ہے اور مذکور تک جلد پہنچانے والا ہے بخلاف اس ذکر کے جو اوامر کی فرمانبرداری اور نواہی سے پرہیز کی صورت میں واقع ہوتا ہے کہ یہ صفات و خصوصیات بہت کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہیں۔ اگرچہ یہ صفات بھی بعض افراد میں جن کا ذکر اوامر کی بجا آوری اور شرعی مناہی سے پرہیز کی صورت میں ہوتا ہے وابستہ ہیں بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا زین الدین[1] تایبادی قدس سرہٗ

---

[1] آپ ظاہری علوم میں مولانا نظام الدین ہرویؒ کے شاگرد ہیں اتباعِ شریعت اور متابعتِ سنت کی برکت سے باطنی علوم کے ابواب آپ پر کھل گئے اور ولایت کے احوال و مقامات میسر ہو گئے۔ آپ کو فنی الحقیقت اویسی نسبت حاصل تھی (باقی بر صفحۂ آئندہ)

علم کی راہ سے حق جل سلطانہٗ تک پہنچے ہیں ـــــ اور اسی طرح وہ ذکر جو اسم و صفت کے ساتھ واقع ہو وہ بھی اس ذکر کا ذریعہ ہے جو حدودِ شرعیہ کی رعایت میں حاصل ہوتا ہے، کیونکہ تمام کاموں میں احکامِ شرعیہ کی رعایت رکھنا شرع شریف کے قائم کرنے والے کی کامل محبت کے بغیر ممکن نہیں، اور یہ کامل محبت اس تعالیٰ کے اسم و صفت کے ذکر کے ساتھ وابستہ ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے وہ ذکر کرنا چاہئے تاکہ ایسے ذکر کی دولت سے مشرف ہوں۔ لیکن عنایتِ الٰہی کا معاملہ جدا ہے، وہاں نہ کوئی شرط ہے نہ کوئی وسیلہ: اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ (شوریٰ آیت ۱۳) (اللہ تعالیٰ اپنے لئے منتخب کر لیتا ہے جس کو چاہتا ہے)۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان تینوں معاملوں طریقت، حقیقت اور شریعت کے علاوہ ایک اور معاملہ اور ایک الگ کاروبار بھی ہے جس کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ اس کے آگے ان تینوں معاملوں کا کوئی اعتبار و شمار نہیں ہے کیونکہ اس صورت کی حقیقت کے مرتبہ میں جو کچھ حاصل ہوا تھا اور اثبات (الا اللہ) سے تعلق رکھتا تھا وہ اس معاملے کی صورت تھی اور یہ معاملہ اس صورت کی حقیقت ہے، جس طرح کہ شریعت کی صورت جو ابتدا میں عوام کے مرتبہ میں حاصل ہوئی تھی اور طریقت و حقیقت کے حصول کے بعد اس صورتِ شریعت کی حقیقت میسر آتی ہے۔ تو خیال کرنا چاہئے کہ وہ معاملہ جس کی صورت حقیقت ہو اور اس کا مقدمہ ولایت ہو، گفتگو میں کیسے آسکتا ہے اور بیان میں کیسے سما سکتا ہے اور اگر بالفرض بیان کیا بھی جائے تو کون سمجھ سکتا ہے اور کیا سمجھ سکتا ہے۔ یہ معاملہ انبیاء اولوالعزم علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کی وراثت کا ہے جو بہت کم لوگوں کے حصہ میں آیا ہے۔ اس معاملے میں جبکہ اصول بہت کم ہیں تو فروع بھی لازماً بہت کم ہوں گے۔

سوال: ان معارف سے لازم آتا ہے کہ بعض مراتب میں عارف شریعت سے باہر قدم رکھتا ہے اور شریعت کے ماوراء عروج کرتا ہے۔

جواب: شریعت ظاہری اعمال کا نام ہے اور وہ معاملہ اس دنیا میں باطن کے ساتھ متعلق ہے ظاہر ہمیشہ شریعت کے ساتھ مکلف ہوتا ہے اور باطن اس معاملے کے ساتھ گرفتار ہے۔ اور چونکہ یہ دنیا دارِ عمل ہے اور باطن کو اعمالِ ظاہری سے عظیم مدد حاصل ہوتی ہے، اور باطن کی ترقیات شریعت کی

---

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) شیخ الاسلام احمد النامقیؒ کے زیر تربیت رہے اور ایک مدت تک شیخ الاسلام کے مزار پر خادم کی حیثیت سے رہے۔ محرم ۵۹۱ھ بروز جمعرات انتقال ہوا۔ (نفحات)

بجاآوری کے ساتھ وابستہ ہے جو ظاہر سے تعلق رکھتی ہے، لہٰذا ہر وقت اس دنیا میں ظاہر و باطن کو شریعت کے بغیر چارہ نہیں اور ظاہر کا کام شریعت کے مطابق عمل کرنا ہے اور شریعت کے نتائج و ثمرات باطن کا حصہ ہیں۔ لہٰذا شریعت تمام کمالات کی اصل ہوئی اور تمام مقامات کی بنیاد ٹھہری۔ شریعت کے نتائج و ثمرات اسی دنیوی زندگی کے اندر ہی محدود نہیں ہیں بلکہ آخرت کے کمالات اور دائمی نعمتیں بھی شریعت کے نتائج و ثمرات ہیں۔ گویا شریعت شجرۂ طیبہ (پاک درخت) ہے کہ اس کے پھلوں اور میوہ جات سے اِس دنیا (جہان) میں بھی اور اُس دنیا (آخرت) میں بھی سارا عالم نفع اندوز ہو رہا ہے اور اس سے بے شمار فائدے حاصل ہو رہے ہیں۔

سوال: اس بیان سے لازم آتا ہے کہ کمالاتِ نبوت میں بھی باطن حق سبحانہٗ کے ساتھ اور ظاہر خلق کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور تم نے (یعنی حضرت مجددؒ نے) اپنے مکتوبات و رسائل میں لکھا ہے جیسا کہ اوپر بھی گذر چکا ہے کہ مقامِ نبوت میں جو محلِّ دعوت ہے تمام توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے لہٰذا (ان دونوں باتوں میں) موافقت کی کیا صورت ہے؟

جواب: وہ معاملہ عروج سے تعلق رکھتا ہے اور دعوت کا مقام نزول سے وابستہ ہے۔ لہٰذا عروج کے وقت میں باطن حق سبحانہٗ کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر مخلوق کے ساتھ۔ تاکہ روشن شریعت کے موافق ان کے حقوق کی ادائیگی ہوتی رہے اور نزول کے وقت میں پورے طور پر مخلوق کی طرف توجہ ہوتی ہے تاکہ مخلوق کو پوری توجہ کے ساتھ حق جل وعلا کی طرف رہنمائی کریں۔ پس ان دونوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ——— اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے "توجہ بخلق عین توجہ بحق است" (یعنی مخلوق کی طرف توجہ (امر حق کی وجہ سے) عین حق سبحانہٗ کی طرف توجہ ہے) فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ (بقرہ آیت ۱۱۵) (پس تم جس طرف بھی منہ کرو گے (اسی طرف) اللہ کا رُخ ہے (اللہ تعالیٰ کو متوجہ پاؤ گے) ——— اس کے یہ معنی نہیں کہ ممکن عین واجب سبحانہٗ ہے یا واجب تعالیٰ کا آئینہ ہے یہ ممکن حقیر کی کیا طاقت ہے کہ واجب تعالیٰ و تقدس کا عین ہو، یا اس واجب تعالیٰ کا آئینہ بننے کے قابل ہو سکے۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ واجب تعالیٰ و تقدس ممکن کا آئینہ ہے اور اشیاء، واجب تعالیٰ کے آئینے میں اس طرح متوہم ہوتی ہیں جس طرح اشیاء کی صورتیں ظاہری آئینے میں معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ جس طرح ان صورتوں کے لئے آئینے میں حلول و سریان نہیں ہے اسی طرح

ان اشیاء کا واجب تعالیٰ کے آئینے میں بھی حلول و سریان نہیں ہے۔ اور حلول کیسے متصور ہو سکتا ہے جبکہ آئینے کے مرتبہ میں صورتوں کا کوئی وجود ہی نہیں بلکہ صورتوں کا وجود وہم و خیال کے مرتبہ میں ہے اور بس ——— جہاں آئینہ ہے وہاں صورت نہیں اور جہاں صورت ہے وہاں آئینے کے لئے ہزاروں عار ہیں کیونکہ صورتوں کے لئے نمود خیال کے سوا کچھ ثبوت نہیں اور وہمی تحقّق کے سوا ان کا کوئی وجود نہیں۔ اگر مکان رکھتے ہیں تو بھی وہم کے درجے میں اور اگر زمان رکھتے ہیں تو وہ بھی تخیل کے مرتبہ میں ہے، لیکن اشیاء کی یہ نمود بے بود چونکہ خداوند جل سلطانہٗ کی کاری گری سے ہے اس لئے خلل سے مامون اور سرعتِ زوال سے محفوظ ہے، اور ان سب کا معاملہٗ ابدی اور عذاب و ثوابِ دائمی اسی سے وابستہ ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ظاہری آئینے میں سب سے پہلے صورتیں ملحوظ ہوتی ہیں اور دوسری توجہ آئینے کے شہود کے لئے درکار ہوتی ہے۔ اور واجب تعالیٰ کے آئینے میں بھی اولاً وہی آئینہ ملحوظ ہے اور التفاتِ ثانی اشیاء کے شہود کے لئے درکار ہے۔ اسی طرح ظاہری آئینے میں صورتیں بھی آئینوں کے احکام و آثار کے آئینے ہیں، مثلاً اگر آئینے لمبے ہیں تو اس میں صورتیں بھی لمبی ظاہر ہوں گی اور آئینوں کی لمبائی کا آئینہ بنیں گی، اور اگر آئینے چھوٹے ہیں تو صورتوں کا چھوٹا ہونا بھی آئینوں میں ظاہر ہوگا بخلاف واجب تعالیٰ کی ذات کے آئینے کے کہ اشیاء اس کے احکام و آثار کے آئینے نہیں ہو سکتے کیونکہ اس مرتبۂ علیا میں کوئی حکم اور کوئی اثر نہیں ہے بلکہ وہاں تمام کی تمام نسبتیں مسلوب ہیں۔ اشیاء کس چیز کا آئینہ ہوں اور کیا چیز ظاہر کریں ——— ہاں تنزل کے مرتبے میں جو اسماء و صفات کے ثبوت کا مقام ہے اگر اشیاء واجب تعالیٰ کے احکام کی صورتوں کے آئینے بن جائیں تو گنجائش ہے (اس لئے کہ) کیا سمع و بصر اور کیا علم و قدرت جو کچھ بھی اشیاء کے آئینوں میں ظاہر ہیں وہ مرتبۂ وجوب کے سمع و بصر اور علم و قدرت کی صورتیں ہیں جو ان اشیاء کے آئینے ہیں۔ یہ سب احکام آئینے کے ہیں جو ظاہراً اشیاء کے آئینے میں ظاہر ہوئے ہیں۔

اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ واجب تعالیٰ کے آئینے میں اولاً وہی آئینہ ملحوظ ہے اور التفاتِ ثانی اشیاء کے شہود کے لئے درکار ہے جو اس آئینے میں صورتوں کی مانند ہیں ——— یہ رجوع کے ابتداءِ حال میں سے ہے جس میں صورتیں نظر آتی ہیں جو پہلے پورے طور پر نظر سے زائل تھیں۔ اور

جب معاملہ رجوع تکمیل کو پہنچتا ہے اور اشیا میں دور دراز سیر واقع ہوتی ہے اور دائرۂ امکان کے مرکز میں استقرار میسر ہوتا ہے تو لازماً شہود غیب سے تبدیل ہو جائے گا اور ایمانِ شہودی ایمانِ غیبی ہو جائے گا یہانتک کہ دعوت کا معاملہ مکمل ہو جائے اور ندائے رحیل (کوچ کی آواز) بلند ہو جائے۔ اس وقت غیب نہیں رہے گا اور سوائے شہود کے کچھ نہیں ہوگا۔ لیکن یہ شہود اس شہود کے مقابلے میں جو رجوع سے قبل حاصل ہوا تھا اتم و اکمل ہے۔ کیونکہ وہ شہود جس کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے وہ اس شہود سے زیادہ اکمل ہے جس کا تعلق دنیا سے ہے ؎

هَنِيئًا لِّأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

(مبارک منعموں کو ان کی نعمت مبارک عاشقوں کو درد و کلفت)

جاننا چاہئے کہ سابقہ تحقیق سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اشیاء کی صورت جو آئینے میں دکھائی دیتی ہے تخیل کے علاوہ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ حصولِ صورت کے باوجود آئینہ اپنی صرافتِ تجرد پر قائم ہے۔ اس صورت کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ آئینہ اس کے قریب ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آئینہ اس صورت کو محیط ہے اور اس صورت کے ساتھ ہے۔ یہ قرب و احاطہ اور معیت اس قسم کا نہیں جیسا جسم کو جسم کے ساتھ یا جوہر کو عرض کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ اس مقام میں وہ قرب و احاطہ ہے جس کی تصویر کشی سے عقل عاجز اور اس کی کیفیت کے ادراک سے قاصر ہے۔ لہٰذا اس صورت میں قرب و معیت اور احاطہ ثابت ہوتا ہے لیکن اس کی کیفیت کسی کو بھی معلوم نہیں۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (نحل آیت ۶۰) (اور اللہ تعالیٰ کی مثال سب سے اعلیٰ ہے) ــــــ اور ایسا ہی وہ قرب ہے جو حضرت حق سبحانہٗ عالم کے ساتھ ہے اسی طرح اس تعالیٰ کا احاطہ اور معیت معلوم الانیّت و مجہول الکیفیت (یعنی اس احاطہ اور معیت کا وجود معلوم ہے لیکن کیفیت معلوم نہیں) ــــــ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ تعالیٰ قریب، محیط اور عالم کے ساتھ ہے لیکن اس تعالیٰ کے قرب، احاطہ اور معیت کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے کہ کیا اور کیسی ہے۔ کیونکہ یہ صفات اشیاء کی صفات سے الگ اور امکان و حدوث کی علامات سے جدا ہیں۔ ہر چند اس کی نظیر اور تشبیہ عالم مجاز میں جو حقیقت کا پُل ہے ظاہر کی گئی ہے اور آئینہ اور صورت کے طور پر اشارے کئے گئے ہیں تاکہ تیز بیں لوگ اس تعالیٰ کی عنایت سے مجاز سے حقیقت کی طرف سراغ لگائیں اور ظاہری صورت سے باطنی معنی کی طرف رغبت کریں۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

خواجہ محمد قاسم[1] بدخشی کی طرف نصیحت و تنبیہ کے طور پر صادر فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد واضح ہو کہ اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ اس بھائی کے کلمہ و کلام (تحریر) سے طلب کی حرارت مفہوم ہوتی ہے اور جمعیت (اطمینانِ قلب) کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ شاید یہ بات دولتِ قربِ صحبت کا اثر ہو (کیونکہ تم مختصر سی صحبت اٹھا چکے ہو) مگر بے فائدہ گرفتاریوں (بیکار مشاغل) نے تم کو موقع نہیں دیا ایک ہفتہ ہی صحبت میں رہے ہو صحبت کے مجموعی ایام تو معلوم نہیں کہ شاید دس روز ہوں ـــــ خدائے جل سلطانہٗ سے شرم کرنی چاہئے کہ (عمر کے) ہزار دن میں سے ایک دن بھی اس خدائے عز و جل کے لئے نہیں نکال سکتے اور پراگندہ تعلقات سے اپنے آپ کو باز نہیں رکھ سکتے۔ اب تم پر حجّت قائم ہو چکی ہے اور تم نے خود بھی اپنے وجدان سے معلوم کر لیا ہے کہ اس صحبت کی ایک ساعت ریاضت کے بہت سے چلّوں سے بہتر ہے، پھر بھی تم اس سے بھاگتے ہو اور حیلے بہانے بنا کر اپنے آپ کو دور رکھتے ہو۔ تمہاری استعداد کا جوہر نفیس ہے لیکن کیا فائدہ جبکہ قوت سے فعل میں نہیں آیا۔ تمہاری استعداد بلند واقع ہوئی ہے لیکن تمہاری ہمت پست ہے، تم ان بچوں کی طرح ہو جو نفیس جواہر پاروں کو چھوڑ کر معمولی پتھر کے ریزوں سے خوش ہوتے ہیں ؎

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت　　کہ باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

(رات جس سے عشق ہے تو نے کیا　　صبح کو جانے گا وہ دن کی طرح)

اب بھی کچھ نہیں بگڑا، اصل کام کی فکر کرنی چاہئے، اور اس کام کے لئے سب سے عمدہ طریقہ اربابِ جمعیت کی صحبت ہے۔ اور اگر یہ دولت میسر نہ ہو تو اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں جو کسی صاحبِ دولت سے حاصل کیا ہو مشغول رکھنا چاہئے، اور جو کچھ کہ ذکر کے منافی ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے

---

[1] حضرت مولانا نسیم احمد امروہوی تحریر فرماتے ہیں "غالباً آپ خواجہ محمد ہاشم کشمی کے صاحبزادے ہیں۔ جو ایک عرصہ تک برہان پور میں مقیم رہے۔ چنانچہ ایک دستاویز پر "العبد فقیر محمد قاسم بن خواجہ محمد ہاشم مرحوم بتاریخ ۱۷ ذیقعدہ سنہ ۱۰۶۹ھ تحریر دیکھی گئی۔ "جواہرِ ہاشمیہ" سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے والد کے خلیفہ بھی تھے۔ آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے)

اور شرعی (احکام کے) حلال و حرام میں بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہئے، اس بارے میں سستی نہیں کرنی چاہیے۔ پنجوقتہ نماز باجماعت کا التزام رکھیں اور تعدیل ارکان میں پوری کوشش کریں اور اس بات کی بھی حفاظت کریں کہ نماز مستحب اوقات میں ادا ہو۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (تحریم آیۃ ۸) (اے ہمارے رب! ہمارے لئے نور کو کامل کر دے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)

## مکتوب ۴۸

چہل و ہشتم

خواجہ محمد طالب[1] بدخشی کی طرف ماتم پرسی میں اور مقام رضا کے حصول کی ترغیب میں صادر فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى —

خواجہ محمد طالب ہمیشہ مطلوب (حقیقی) کے خواہاں رہیں۔ آپ نے قرۃ العین (یعنی اپنے صاحبزادہ) محمد صدیق کے فوت ہونے کی خبر لکھی تھی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ——— میرے عزیز بھائی! حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ مومنوں کے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے، خواہ اموال ہوں یا انفس، زندہ کرنا اور مارنا سب اس تعالیٰ کے افعال ہیں کسی دوسرے کو اس میں دخل نہیں۔ لہذا لازمی طور پر اس تعالیٰ کا فعل بھی عزیز تر اور محبوب تر ہوگا۔ بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کے فعل سے لذت گیر ہو اور خوشی محسوس کرے۔ (یہ فقیر) صبر کی تلقین کس طرح کرے کیونکہ اس میں ناپسندیدگی کا اشارہ پایا جاتا ہے اور مقام رضا اگرچہ رغبت و سرور کی خبر دیتا ہے لیکن مرتبہ التذاذ امر دیگر ہے ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت　　ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتلِ غیر حق براند　　در نگر زاں پس کہ بعد لا چہ ماند
ماند اِلَّا اللّٰہ باقی جملہ رفت　　شاد باش اے عشق شرکت سوز زفت

(عشق وہ شعلہ ہے جب اونچا ہوا　　ماسوٰی معشوق کے سب جل گیا
تیغِ لا سے قتل غیرِ حق کیا　　دیکھ اس کے بعد باقی کیا بچا
صرف اِلَّا اللّٰہ باقی رہ گیا　　مرحبا اے عشق تجھ کو مرحبا)

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور آپ کے حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔

# مکتوب ۴۹ چہل و نہم

خواجہ گدا[۱] کی طرف صادر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ماسوا (غیرِ حق) کو فراموش کر دینا طریقت میں پہلا قدم ہے۔ کوشش کریں کہ اس ایک قدم میں کوتاہی نہ ہو۔

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْکِرَامِ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے نبی اور ان کی بزرگ اولاد پر صلوٰۃ و سلام ہو)۔ برادرم خواجہ محمد گدا کو جو نصیحت کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ عقائدِ کلامیہ کی تصحیح اور احکامِ فقہیہ کی بجا آوری کے بعد اپنے آپ کو بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق ہمیشہ ذکرِ الٰہی جل سلطانہٗ میں مشغول رکھیں۔ اور چاہیئے کہ ذکر کا اسقدر غلبہ ہو جائے کہ باطن میں مذکور کے سوا کچھ نہ رہے۔ جب مذکور کے علاوہ (تمام چیزوں سے) علمی و حبّی تعلق بالکل زائل ہو جائے۔ تو قلب کو "نسیانِ ماسوا" حاصل ہو کر غیر کی دید و دانش سے فارغ ہو جاتا ہے، پھر اگر تکلف سے بالارادہ کے ساتھ اس کو اشیاء یاد دلائیں تو بھی یاد نہ آئیں اور نہ ان کو پہچانے، اور ہمیشہ مطلوبِ حقیقی میں مستغرق اور گرفتار رہے۔ جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے تو اس راہ میں ایک قدم طے ہو جاتا ہے۔ کوشش کرنی چاہیئے کہ اس ایک قدم میں ذرا بھی کوتاہی نہ ہو اور غیر کی دید و دانش میں گرفتار نہ رہیں۔

شعر

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند     کس بمیداں درنمی آید سواراں راچہ شد

(گیند توفیق و سعادت کی ہے پاس     ہائے اس کو دیکھئے کیسا سوار)

بظاہر آپ کے تعلقات کم معلوم ہوتے ہیں لیکن آپ اپنے تعلق کے شوق کی وجہ سے اربابِ تعلق کے ساتھ جمع رہیں ——— اور یہ بات طے شدہ ہے اَلرَّاضِیْ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ (جو شخص اپنے نقصان میں راضی ہو وہ نظرِ کرم کا مستحق نہیں)۔ والسّلام

---

[۱] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہیں ہو سکے۔

# مکتوب ۵ پنجاہم

میرزا شمس الدین[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ اور اس بیان میں کہ اول سے آخر تک شریعت کے بغیر چارہ نہیں اور تمکینِ قلب اطمینانِ نفس اور اجزائے قالب کے اعتدال کے بیان میں جو مرتبۂ نبوت میں ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔ شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ شریعت کی صورت سے مراد یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور تمام احکامِ شرعیہ پر جو اس (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے آئے ہیں ان پر ایمان لانا ہے، اور باوجود نفسِ امارہ کی مزاحمت اور اس کی سرکشی، بغاوت اور انکار کے جو اس کی جبلت (عادت) میں رکھی ہوئی ہے احکامِ شرعیہ کا بجا لانا ہے ـــــ اس مقام پر اگر ایمان ہے تو وہ ایمان کی ظاہری صورت ہے اور اگر نماز ہے تو وہ بھی نماز کی ظاہری صورت ہے اور اگر روزہ ہے تو وہ بھی روزہ کی ظاہری صورت ہے، اسی پر دوسرے تمام احکامِ شرعیہ کو قیاس کرنا چاہئے۔ کیونکہ وجودِ انسان میں نفس ایک عمدہ جزء ہے اور "انا" کے قول سے ہر فرد کا مشارٌ الیہ بھی یہی (نفس) ہے جو اپنے کفر و انکار پر ڈٹا ہوا ہے، لہٰذا ایمان کی حقیقت اور اعمالِ صالحہ کی حقیقت کیونکر متصور ہو سکتی ہے ـــــ اور یہ رحمتِ خداوندی جل سلطانہٗ ہے کہ محض صورت (ایمان و اعمال) کو قبول فرما کر جنّت میں داخل ہونے کی بشارت دیدی جو اس تعالیٰ کی رضا کا مقام ہے، اور یہ بھی اس تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے نفسِ ایمان میں صرف تصدیقِ قلب پر کفایت فرمائی ہے اور نفس کے اذعان (فرمانبرداری) کی تکلیف نہیں دی۔ ہاں جنّت کی بھی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت ۔ اصحابِ صورت (اربابِ ظاہر) جنت کی ظاہری شکل و صورت سے بہرور ہوں گے اور اربابِ حقیقت، جنت کی حقیقت سے۔ اصحابِ صورت اور اربابِ حقیقت، دونوں جنت کے ایک ہی قسم کے میوے اور پھل کھائیں گے مگر صاحبِ صورت اس سے ایک طرح کی

---

[1] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں ایک یہی اور دوسرا دفتر دوم کا مکتوب ۱۳۔ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

لذت پائیں گے اور صاحبِ حقیقت دوسری طرح کی لذت محسوس کریں گے ——— ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک ہی جنت میں ہوں گی اور ایک ہی قسم کے پھل تناول فرمائیں گی لیکن ہر ایک کے لئے لذت اور نعمت کی کیفیت جدا جدا ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ بات لازم آتی ہے کہ امہات المؤمنین ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام بنی آدم سے افضل ہیں۔ اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جو شخص کسی سے افضل ہو تو اس کی زوجہ بھی اس دوسرے شخص سے افضل ہو کیونکہ زوجہ اپنے خاوند کے ساتھ خلط ملط رہتی ہے۔

شریعت کی یہ (ظاہری) صورت بشرطِ استقامت فلاح کی موجب اور نجاتِ اخروی کو مستلزم ہے اور جنت میں داخل ہونے کے لئے اس کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا۔ اور جب شریعت کی صورت درست کرلی تو ولایتِ عامہ حاصل ہوگئی۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (بقرہ آیت ۲۵۷) اللہ تعالیٰ اس کا دوست ہے جو اس پر ایمان لے آئے (نص قاطع ہے)۔ اور اس وقت اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے سالک اس امر کی استعداد پیدا کرلیتا ہے کہ طریقت میں قدم رکھے اور ولایتِ خاصہ کی طرف متوجہ ہو اور نفس کو آہستہ آہستہ سرکشی سے اطمینان کی طرف لائے۔

لیکن جاننا چاہئے کہ ولایتِ خاصہ تک منازل کا طے کرنا بھی اعمالِ شریعت کے ساتھ وابستہ ہے ذکرِ الٰہی جل شانہٗ جو اس راہ کا عمدہ طریقہ ہے وہ ماموراتِ شرعیہ میں سے ہے اور مناہئ شرعیہ سے بچنا بھی اس راہ کی ضروریات میں سے ہے اور فرائض کی ادائیگی (حق تعالیٰ کا) مقرب بناتی ہے اور راہ بین و راہ نما (راستے کا جاننے والا اور راستہ دکھانے والا) پیرومرشد کی تلاش بھی جو وسیلہ ہو سکے امورِ شرعی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (مائدہ آیت ۳۵) (اس (اللہ تعالیٰ) تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو)۔

مختصر یہ کہ شریعت کے بغیر چارہ نہیں ہے خواہ شریعت کی صورت ہو یا شریعت کی حقیقت۔ کیونکہ ولایت و نبوت کے تمام کمالات کی اصل و بنیاد "احکامِ شرعیہ" ہیں۔ ولایت کے کمالات، صورتِ شریعت کے نتائج ہیں اور نبوت کے کمالات، حقیقتِ شریعت کے ثمرات ہیں، جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب بیان کیا جائے گا ——— ولایت کا مقدمہ طریقت ہے، جہاں ماسوا (غیر حق) کی نفی مطلوب ہے اور غیر و غیریت کا دور کرنا مقصود ہے۔ اور جب فضلِ خداوندی جل شانہٗ سے ماسوا

(غیرِ حق) بتمام و کمال نظر سے زائل ہو گیا اور دید میں اغیار کا نام و نشان باقی نہ رہا تو فنا حاصل ہو گئی اور طریقت کا مقام انجام کو پہنچ گیا اور سیر الی اللہ مکمل ہو گئی ——— اس کے بعد مقامِ اثبات (اِلّا اللہ) شروع ہوتا ہے جس کو سیر فی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور بقا کا یہی مقام ہے جس کو مقامِ حقیقت کہتے ہیں جو ولایت کا اعلیٰ مقصد ہے۔ اس طریقت و حقیقت پر جس کو فنا و بقا سے تعبیر کیا جاتا ہے ولایت کا نام صادق آتا ہے اور نفسِ امارہ نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے اور اپنے کفر و انکار سے باز آجاتا ہے اور اپنے مولیٰ حق جل سلطانہٗ سے راضی ہو جاتا ہے اور مولیٰ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے اور وہ (نفس) جو اپنی سرشت میں (احکامِ شرعیہ سے) کراہت رکھتا تھا وہ بھی زائل ہو جاتی ہے ——— (مشائخ) کہتے ہیں اگرچہ نفس مقامِ اطمینان میں پہنچ جاتا ہے لیکن اپنی سرکشی سے باز نہیں آتا ؎

ہر چند کہ مطمئنہ گردد　　ہرگز صفاتِ خود نہ گردد

(نفس گر مطمئنہ بھی ہو جائے　　سرکشی سے وہ باز کب آئے)

اور "جہادِ اکبر" کہ جس کا ذکر آں سرورِ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیث شریف میں فرمایا ہے: رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ[1] (اب ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف آتے ہیں) اس سے مراد جہاد بالنفس ہے۔ اور جو کچھ کہ فقیر کے کشف میں آیا ہے اور وجدان سے پایا ہے وہ (مشائخ) کے اس مشہور بیان کے خلاف ہے (یعنی یہ فقیر) اطمینان حاصل ہونے کے بعد نفس میں کسی قسم کی سرکشی نہیں پاتا اور نفس فرمانبرداری کے مقام میں معلوم ہوتا ہے بلکہ نفسِ مطمئنہ کو قلبِ متمکن کی طرح ماسوا کو فراموش کیا ہوا پاتا ہے کیونکہ نفس اب غیر و غیریت کی دید و دانش سے گزر چکا ہوتا ہے اور حبِّ جاہ و ریاست اور لذت و الم سے خلاصی پا چکا ہوتا ہے لہٰذا اس میں مخالفت کہاں رہی اور سرکشی کس سے۔ اطمینان حاصل ہونے سے پہلے اگرچہ سرِ مو اختلاف کے متعلق جو کچھ کہا جائے وہ سرکشی اور طغیان کی گنجائش رکھتا ہے لیکن اطمینان حاصل ہونے کے بعد مخالفت اور سرکشی کی گنجائش نہیں ——— فقیر نے اس بارے میں بہت گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے اور اس معما کے حل میں دور تک گیا ہے لیکن اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے ان حضرات کی مقررہ بات کے خلاف ہی پایا۔

---

[1] اس حدیث کو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے عوارف میں اور امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے اور عراقی نے بروایتِ جابرؓ بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے۔ نیز خطیب بغدادی نے بھی اپنی تاریخ میں بروایت جابرؓ اس حدیث کو روایت کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاد کی تفسیر مجاہدۂ قلب اور خواہشات نفسانی کے خلاف مجاہدہ سے کی ہے۔

اور نفسِ مطمئنہ میں بال برابر بھی مخالفت وسرکشی نہیں پائی اور اس میں اپنے استہلاک و اضمحلال (ہلاکت ونیستی) کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں پائی۔ اور جب نفس خود کو اپنے مولائے جل سلطانہ پر قربان کردے تو پھر مخالفت کی کیا گنجائش رہتی ہے، اور جب نفس حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے راضی ہوگیا اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس سے راضی ہوگیا تو طغیان کی کیا صورت باقی رہ گئی، کیونکہ یہ بات "رضا" کے منافی ہے کہ جو حق جل شانہٗ کی مرضی ہو وہ ہرگز نامرضی نہیں ہوسکتی۔ اور (فقیر کے نزدیک) "جہادِ اکبر" سے مراد یہی ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ (اور اللہ سبحانہٗ ہی حقیقتِ حال سے خوب واقف ہے) ـــــ بہت ممکن ہے کہ جہاد با قالب (بدنِ عنصری) کے ساتھ ہو جو مختلف طبیعتوں سے مرکب ہے اور اس کی ہر طبیعت کسی ایک امر کی خواہاں ہے اور دوسرے امر سے گریزاں۔ اگر قوتِ شہوانی ہے تو وہ بھی قالب (بدنِ عنصری) سے پیدا ہوتی ہے، اور اگر قوتِ غضبیہ ہے تو اس کا بھی وہیں سے پیدا ہونا ظاہر ہے ـــــ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمام حیوانات جو نفسِ ناطقہ نہیں رکھتے ان میں بھی یہ رذیلہ عادتیں موجود ہیں اور شہوت وغضب اور غلبۂ حرص ان میں بھی پائی جاتی ہیں، یہ جہاد دائمی طور پر برپا ہے۔ نفس کا اطمینان اس جہاد سے تسکین نہیں کرتا اور اطمینانِ قلب اس جہاد کو ختم نہیں کرتا۔ اس جہاد کی بقا میں بہت سے فائدے ہیں کیونکہ یہ قالب کے تنقیہ وتطہیر میں کام آتے ہیں، تاکہ اُس جہان کے کمالات اور آخرت کا معاملہ باصالت (براہ راست) اس کے ساتھ وابستہ ہو ـــــ چونکہ اس دنیا کے کمالات میں قالب (بدن عنصری) تابع ہے اور قلب متبوع ہے، اور وہاں (آخرت میں) معاملہ اس کے برعکس ہے یعنی قلب تابع ہے اور قالب متبوع۔ اور جب اِس دنیا کا نظام درہم برہم ہوجائے گا اور وہ جہان پر توڑ ڈالے گا تو یہ جہاد بھی تمام ہوجائے گا اور یہ قتال انجام کو پہنچ جائے گا ـــــ اور جب اللہ سبحانہ کے فضل سے نفس اطمینان کے مقام میں آگیا اور حکمِ الٰہی جل شانہٗ کا فرمانبردار بن گیا تو اسلامِ حقیقی میسر ہوگیا اور حقیقتِ ایمان کی صورت جلوہ گر ہوگئی، اس کے بعد جو کچھ بھی عمل میں آئے گا وہ حقیقتِ شریعت ہی ہوگا۔ اگر نماز ادا ہوگی تو وہ حقیقتِ نماز ہوگی اور اگر روزہ ہوگا تو وہ بھی حقیقتِ روزہ ہوگا اور اگر حج ہوگا تو وہ بھی حقیقتِ حج ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس تمام احکامِ شرعیہ اسی قیاس پر ہوں گے۔ لہٰذا طریقت وحقیقت، صورتِ شریعت اور حقیقتِ شریعت کے درمیان واقع ہیں (سالک) جب تک ولایتِ خاصہ سے

مشرف نہ ہو جائے اسلامِ مجازی سے اسلامِ حقیقی تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور جب محض فضلِ خداوندی جل سلطانہٗ سے شریعت کی حقیقت سے آراستہ ہو کر اسلامِ حقیقی میسر ہو گیا تو وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ کمالاتِ نبوت سے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت و تبعیت کے طور پر بہرہ ور ہو اور کامل حصہ پائے۔ چنانچہ صورتِ شریعت کمالاتِ ولایت کے لئے شجرۂ طیبہ کے مانند ہے اور کمالاتِ ولایت گویا اس شجرۂ طیبہ کے ثمرات ہیں، اور حقیقتِ شریعت بھی کمالاتِ نبوت کے لئے شجرۂ مبارکہ ہے اور یہ کمالات اس کے ثمرات کی مانند ہیں۔ اور جب کمالاتِ ولایت صورتِ (شریعت) کے ثمرات ہیں اور کمالاتِ نبوت اس صورت کی حقیقت کے ثمرات ہیں تو لازمی طور پر کمالاتِ ولایت بھی کمالاتِ نبوت کے لئے صورتوں کی طرح ہوں گے اور کمالاتِ نبوت ان صورتوں کے حقائق ہوں گے ـــــ جاننا چاہئے کہ صورتِ شریعت اور حقیقتِ شریعت کے درمیان فرق نفس کی راہ سے آیا تھا ظاہری شریعت میں نفسِ امارہ سرکشی کی حالت میں اور اپنے انکار پر تھا اور حقیقت (شریعت) میں اب نفسِ مطمئنہ اور مسلمان ہو گیا ہے۔ اسی طرح کمالاتِ ولایت جو صورتوں کی مانند ہیں اور کمالاتِ نبوت کے درمیان جو حقائق کے مانند ہیں فرق قالب کی راہ سے ہے۔ مقامِ ولایت میں قالب کے اجزا بغاوت و سرکشی سے باز نہیں آتے، مثلاً اس کا جزوِ ناری اطمینانِ نفس کے باوجود اپنے آپ کو اچھا سمجھتا ہے اور تکبر کرنے سے باز نہیں آتا اور جزوِ خاکی اپنی خست اور کمینگی سے پشیمان نہیں ہوتا علیٰ ہذا القیاس باقی تمام اجزاء کا معاملہ ہے مگر کمالاتِ نبوت کے مقام میں قالب کے اجزا بھی اعتدال پر آجاتے ہیں اور افراط و تفریط سے نجات پا جاتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام نے یہ فرمایا ہو: اَسْلَمَ شَیْطَانِیْ[1] (میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے) ـــــ شیطان جس طرح آفاق میں ہے اسی طرح انفس میں بھی ہے۔ اور وہ جزوِ ناری ہے جو اپنے بہتر ہونے کا مدعی اور تکبر و رفعت کا خواہاں رہے جو رذیلہ عادتوں میں سے بدترین عادت ہے۔ اور اس کے اسلام لانے سے مراد اُن بری عادتوں کا دور ہو جانا ہے ـــ پس کمالاتِ نبوت میں قلب کا اطمینان بھی ہے اور نفس کا اطمینان بھی اور قالب کے اجزاء کا اعتدال بھی۔ اور (مرتبۂ) ولایت میں صرف یہی اطمینانِ قلب ہے اور کچھ کچھ نفس کا اطمینان بھی۔ اور یہ جو میں نے کہا کہ کچھ کچھ نفس کا اطمینان بھی، یہ اس لئے کہا ہے کہ نفس کو کامل اور بے تکلف اطمینان اجزائے قالب کے اعتدال کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا اربابِ ولایت نے اجزائے قالب کے عدم اعتدال

---

[1] اخرجہ البزار والبیہقی ومسلم بالفاظ مختلفہ۔ تشیید المبانی۔

کی وجہ سے نفسِ مطمئنہ کا صفاتِ بشریت کی طرف رجوع کرنا جائز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اور وہ اطمینان جو قالب کے اجزا کے اعتدال کے بعد نفس کو حاصل ہوتا ہے وہ خصائل رذیلہ کی طرف رجوع کرنے سے پاک و مبرا ہے، لہٰذا نفس کے رذائل کی طرف رجوع کرنے یا نہ کرنے کا اختلاف خیالات اور مقامات کے اختلاف پر مبنی ہے، کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے مقام کی نسبت خبر دی ہے اور اپنے علم کے مطابق بات کی ہے۔

سوال: جب قالب کے اجزا بھی حدِ اعتدال پر آجائیں اور طغیان و سرکشی سے باز رہیں تو پھر ان کے ساتھ جہاد کی کیا صورت ہے؟ اور کیا نفسِ مطمئنہ کی طرح ان کے ساتھ بھی جہاد اُٹھ جاتا ہے؟

جواب: (نفسِ) مطمئنہ اور ان اجزاء کے درمیان فرق ہے کیونکہ مطمئنہ استہلاک و اضمحلال والا (فانی اور ناچیز) ہے اور وہ عالمِ امر سے ملحق ہے جو کہ کمالِ فنا اور سکر سے متصف ہے۔ اور یہ اجزاء احکامِ شرعیہ کے بجالانے کے باعث جس کی بنیاد صحو پر ہے استہلاک و سکر سے مناسبت نہیں رکھتے۔ اور مستہلک میں اس کی مخالفت کی گنجائش نہیں ہے اور جو صحو کی حالت میں ہو اگر وہ بعض مصالح و منافع کی بنا پر بعض امور میں مخالفت کی صورت ظاہر کرے تو گنجائش ہے۔ اور امید ہے کہ یہ مخالفت خداوند جل سلطانہٗ کے فضل سے استحباب کے ترک سے زیادہ نہیں ہوگی، اور کراہتِ تنزیہ کے ارتکاب سے زیادہ نیچے نہیں جائے گی، لہٰذا قالب کے مرتبہ میں اس کے اجزاء کے اعتدال کے باوجود جہاد متصور ہوگا اور مطمئنہ کے درجے میں جہاد جائز نہیں ہوگا ـــــــ اس بحث کی تحقیق دفتر اول کے اس مکتوب (۲۶۰) میں جو طریق کے بیان میں فرزندی اعظمی (خواجہ محمد صادق) مرحوم کے نام تحریر کیا گیا تھا تفصیل کے ساتھ درج ہے، اگر کوئی امر پوشیدہ رہ گیا ہو تو اس کی طرف رجوع کریں۔

اگر محض فضلِ خداوندی جل سلطانہٗ سے کمالاتِ نبوت بھی جو حقیقتِ شریعت کے نتائج و ثمرات ہیں انجام کو پہنچ جائیں اور وہاں کی ترقیات اعمال کے ساتھ وابستہ نہ ہوں تو اس مقام میں معاملہ محض حضرتِ رحمٰن جل سلطانہٗ کے فضل و احسان پر موقوف ہے، اعتقاد کا وہاں کوئی اثر نہیں، اور وہاں علم و عمل کا بھی کوئی حکم جاری نہیں ہوتا بلکہ فضل در فضل اور کرم در کرم ہے ـــــــ یہ مقام سابق مقامات کی نسبت بہت عالی ہے اور بڑی وسعت رکھتا ہے اور اس قسم کی نورانیت رکھتا ہے کہ جس کا سابق مقامات میں کوئی اثر نہ تھا۔ اور یہ مقام اصالۃً انبیائے اولوا العزم

علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور اُن کی پیروی کی وجہ سے جس کو چاہیں نوازدیں اور وراثت کے طور پر جس کو چاہیں مشرف کردیں۔ ع

باکریماں کارہا دشوار نیست (نہیں اہلِ کرم کو کام مشکل)

اس مقام پر کوئی شخص غلطی نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ اس مقام میں صورتِ شریعت اور حقیقتِ شریعت سے استغنا حاصل ہوجاتا ہے اور احکامِ شرعیہ کی بجاآوری کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ شریعت ہی اس کام کی اصل اور اس معاملہ کی بنیاد ہے۔ درخت خواہ کتنا ہی بلند و سرفراز ہوجائے اور دیوار خواہ کتنی ہی بلند ہوجائے اور اس کے اوپر بڑے بڑے محلات تیار کرلئے جائیں لیکن وہ اصل اور بنیاد سے مستغنی نہیں ہوسکتے اور ذاتی احتیاج ان سے زائل نہیں ہوسکتی ——— مثلاً بلند مکان خواہ کتنا ہی بلند کرلیا جائے اور پستی سے کتنا ہی اونچا ہوجائے پھر بھی نیچے والے مکان کے بغیر اس کو چارہ نہیں ہے اور زمین والے مکان سے اس کی احتیاج ہرگز زائل نہیں ہوسکتی۔ اور اگر فرض کیجئے کہ مکان کے نیچے والے حصہ میں کسی قسم کا خلل پیدا ہوجائے تو اس کا اثر اوپر والی منزل پر بھی ہوگا اور نیچے کا زوال اوپر کی منزل کے زوال کا باعث ہوگا۔ لہٰذا شریعت ہر وقت اور ہر حال میں درکار ہے اور ہر شخص اس کے احکام کی بجاآوری کا محتاج ہے ——— اور جب عنایتِ خداوندی جل شانہٗ سے معاملہ اس مقام سے بھی بالا ہوجائے اور کام فضل سے بڑھ کر محبت میں آجائے تو پھر ایک ایسا مقام آتا ہے جو بہت زیادہ بلند اور اصالۃً حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم وعلیٰ آل کل الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کے لئے مخصوص ہے اور تبعیت و وراثت کے طور پر دیکھئے کس کو اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں۔ اور وہ بلند و بالا محل جو نہایت بلندی کی وجہ سے نظر میں چھوٹا معلوم ہوتا ہے (یہ فقیر) حضرت صدیقؓ کو اس مقام میں وراثت کے طور پر ناف تک داخل ہوتا پاتا ہے، اور حضرت فاروقؓ بھی اس دولت سے سرفراز ہیں - اور امہات المومنین میں سے حضرت خدیجہؓ اور حضرت صدیقہؓ کو بھی آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ازدواجی تعلق کی وجہ سے اس مقام میں دیکھتا ہے، وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اور ہر حکم اللہ سبحانہٗ کی طرف سے ہے) رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿کہف آیت ۱۰﴾ (اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے لئے ہمارے کام میں بہتری مہیا فرما)۔

اخوی اعزی معارف آگاہی شیخ عبدالحی کہ جس نے سالہا سال صحبت میں گذارے ہیں اور اب اپنے وطن کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور اس مقام کا تعلق بھی ان ہی کی جناب سے ہے اس لئے ضرورتاً یہ چند سطریں تحریر کی گئیں اور مشارٌالیہ کے احوال کی اطلاع دیدی گئی۔ اہل اللہ کا وجود جہاں کہیں ہو غنیمت ہے اور اس مقام کے باشندوں کے لئے خوشخبری ہے۔ فَطُوْبٰی لِمَنْ عَرَفَهُمْ (مبارک ہیں وہ لوگ جو ان کو پہچان لیں) ——— اور اسی مقام میں اخوی اعزی شیخ نور محمد بھی قیام پذیر ہیں اور فقر و نامرادی میں گذر بسر کر رہے ہیں۔ لہٰذا اس مقام پر رشک آتا ہے جہاں اس قسم کے دو اہل اللہ جمع ہوں۔ قران السعدین (دو نیک ستاروں کا اجتماع) متحقق و ثابت ہے۔ والسلام

## مکتوب ۵۱ (عربی)

پنجاہ و یکم

خواجہ محمد صدیق[1] کی طرف صادر فرمایا ——— حضرت حق سبحانہٗ کا بعض کاملین کے ساتھ بالمشافہ کلام کرنے کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— میرے بھائی صدیق کو معلوم ہو کہ اس سبحانہٗ کا انسان کے ساتھ کلام کبھی بالمشافہ ہوتا ہے، اور کلام کی یہ قسم بعض انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے ثابت ہے۔ اور کبھی یہ (نعمتِ عظمیٰ) ان (انبیاء علیہم السلام) کے کامل متبعین کو تبعیت و وراثت کے طور پر بھی میسر ہو جاتی ہے اور جب کلام کی یہ قسم کسی صاحب کو کثرت سے پیش آئے تو اُن (بزرگ) کو "مُحَدَّث" کہتے ہیں، جیسے کہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے ——— اور یہ کلام، الہام اور القاءِ روعی (دل و دماغ میں ڈالی جانے والی بات) کے علاوہ ہے۔ اور یہ کلام وہ بھی نہیں ہے جو فرشتے کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ اس کلام کا مخاطب وہ "انسانِ کامل" ہوتا ہے جو عالمِ خلق و عالمِ امر اور روح، نفس، عقل اور خیال کا جامع ہو: وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (بقرہ آیت ۱۰۵) (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

اور بالمشافہ کلام سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ متکلم (کلام کرنے والا) سامع (سننے والے) کو

---

[1] آپ کے نام بارہ[۱۲] مکتوبات ہیں جن کی تفصیل اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۲ پر ملاحظہ ہو۔

(ظاہر طور پر نظر بھی آئے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سننے والے کی آنکھیں کمزور اور ضعیف ہوں جو متکلم کے انوار کی درخشندگی برداشت کرنے سے قاصر ہو، جیسا کہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات سے رویتِ (باری تعالیٰ) کے سوال کے جواب میں فرمایا: نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ[1] (وہ نور ہے میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں) نیز بالمشافہ گفتگو میں بھی شہودی حجابات اٹھ جاتے ہیں نہ کہ وجودی۔ پس سمجھ لو کہ یہ ایک معرفتِ شریفہ اس قسم کی ہے کہ (مشائخ میں سے) کسی نے بھی اس کو بیان نہیں کیا۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

## مکتوب ۵۲
پنجاہ و دوم

خواجہ مہدی علی کشمیری[2] کے نام صادر فرمایا۔ اِس بزرگ گروہ کے ساتھ محبت کی ترغیب میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام) آپ نے جو گرامی نامہ کمال محبت و اخلاص سے تحریر فرمایا تھا مع تحفوں کے موصول ہوا۔ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس گروہ کی محبت پر آپ کو استقامت عطا فرمائے، اور ان ہی کے ساتھ قیامت میں اٹھائے: وَهُمْ قَوْمٌ[3] لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ۔ وَلَا يُحْرَمُ اَنِيْسُهُمْ وَلَا يَخِيْبُ مَسِيْسُهُمْ۔ وَهُمْ جُلَسَاءُ اللّٰهِ وَهُمْ اِذَا رُأُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ وَهُمْ مَنْ عَرَفَهُمْ وَجَدَ اللّٰهَ۔ نَظَرُهُمْ دَوَاءٌ وَكَلَامُهُمْ شِفَاءٌ وَصُحْبَتُهُمْ ضِيَاءٌ وَبَهَاءٌ هُمْ مَنْ رَأٰى ظَاهِرَهُمْ خَابَ وَخَسِرَ وَمَنْ رَأٰى بَاطِنَهُمْ نَجٰى وَاَفْلَحَ۔ (یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا اور ان کا انیس و جلیس محروم نہیں رہتا اور ان سے میل جول رکھنے والا بے مراد نہیں رہتا یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں، جب ان پر نظر پڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جس نے ان کو پہچان لیا اس نے اللہ تعالیٰ کو پالیا، ان کی نظر دوا ہے اور ان کا کلام شفا، ان کی صحبت سراپا نور و ضیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جس نے ان کے ظاہر کو دیکھا وہ نامراد اور خسارہ میں پڑا اور جس نے ان کے باطن پر نظر رکھی اس نے نجات و فلاح پائی)

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیا کہ "جس نے

---

[1] مسلم شریف بروایت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
[2] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات معلوم نہیں ہو سکے۔
[3] اس عبارت میں احادیث شریفہ کے اشارے ہیں۔

ان کو پہچان لیا اس نے تجھ کو پالیا اور جب تک تجھ کو نہ پایا ان کو نہ پہچانا"۔ یعنی ان کو پہچان لینا اور تجھ کو پالینا ایک دوسرے سے جدا نہیں ہے، ایک اعتبار سے ذاتی تقدم "شناخت" کے لئے ہے اور دوسرے اعتبار سے "یافت" (پالینے) کو قائل[1] کا مختار یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شناخت پہلے ہے۔ کیونکہ وہی پہلے ہے اور اسی سے ابتدا زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَّدَیْکُمْ۔

## مکتوب ۵۳
پنجاہ و سیوم

گرد و نواح کے ایک شیخ کی طرف صادر فرمایا ——— ان کے اس سوال کے جواب میں کہ اگر میں عبادت کرتا ہوں تو نفس کو استغنا حاصل ہوتا ہے اور اگر کوئی لغزش یا خلافِ شرع کام مجھ سے صادر ہو جائے تو ندامت و شکستگی پیدا ہو جاتی ہے؟

(بنام شیخ عبدالصمد سلطانپوری)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— آپ نے دریافت کیا تھا کہ "اگر میں اپنے کو ریاضت میں مشغول رکھتا ہوں تو نفس میں استغنا و غرور پیدا ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میرے جیسا کوئی نیک و صالح نہیں ہے اور اگر کوئی چیز خلافِ شرع واقع ہو جائے تو اپنے آپ کو محتاج و عاجز خیال کرتا ہوں اس کا علاج کیا ہے؟" ——— (حق تعالیٰ، آپ کو توفیق عطا فرمائے) شقِ ثانی میں احتیاج اور عاجزی کا پیدا ہونا جو ندامت و پشیمانی کی خبر دیتا ہے عظیم نعمت ہے اگر شرعی ممنوعات کے ارتکاب کے بعد ندامت جو توبہ کی ایک شاخ ہے پیدا نہ ہو بلکہ گناہ کرنے کے بعد لذت اور خوشی محسوس ہو تو اس سے اللہ سبحانہٗ کی پناہ۔ کیونکہ گناہ سے لذت حاصل کرنا گناہ پر اصرار کے مترادف ہے، اور صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنا کبیرہ گناہ تک پہنچا دیتا ہے اور کبیرہ گناہ کا اصرار کفر کی دہلیز (چوکھٹ) ہے۔ آپ کو اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر کرنا چاہئے تاکہ شرمندگی میں زیادتی پیدا ہو۔ اور وہ (حق تعالیٰ) خلافِ شریعت کاموں سے باز رکھے۔ اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ (ابراہیم آیت) (اگر تم شکر کرو گے تو میں زیادہ دوں گا) ——— شقِ اول کا حاصل اعمالِ صالحہ کی بجا آوری کے بعد عُجب و نخوت کا پیدا ہونا ہے۔ یہ عُجب زہر قاتل ہے اور مہلک مرض ہے جو اعمالِ صالحہ کو ایسا برباد کر دیتا ہے جیسا کہ

[1] شیخ الاسلام ہروی قدس سرہ

آگ لکڑی کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے ـــــــــ اور عُجب و نخوت اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ عمل کرنے والے کی نظر میں اپنے اعمالِ صالحہ خوب سے خوب تر معلوم ہوتے ہیں، پس اس کا علاج اس کی ضد سے کرنا چاہئے۔ لہٰذا اپنی نیکیوں کو متہم قرار دے اور نیکیوں کی پوشیدہ برائیوں کو اپنی نظر میں لائے تاکہ اپنے آپ کو اور اپنے اعمال کو قاصر جانے بلکہ لعن طعن اور رد ہونے کے لائق سمجھے جیسا کہ حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے فرمایا ہے: رُبَّ قَارِیٔ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُہٗ[۱]۔ وَکَمْ مِّنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَالْجُوْعُ[۲] (بہت سے قرآن کریم پڑھنے والے ایسے ہیں کہ خود قرآن مجید اُن پر لعنت کرتا ہے۔ اور بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ جن کو سوائے بھوک اور پیاس کے روزہ سے کچھ بھی حاصل نہیں) ـــــــــ یہ خیال ہرگز نہ کریں کہ ان نیک اعمال (کی ادائیگی) میں کوئی برائی نہیں ہوئی۔ اگر تھوڑی سی بھی توجہ کریں تو اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے ان میں بہت سی برائیاں نظر آئیں گی اور ان کے اندر حُسن وخوبی کی خوشبو تک کا احساس نہ ہوگا۔ کہاں کا عجب اور کہاں کا استغنیٰ۔ بلکہ اپنے اعمال کی کوتاہیوں کے غلبہ کی وجہ سے "دیدِ قصور" (اپنے نیک اعمال کے اندر برائیوں کے دیکھنے) پر نادم و شرمندہ ہوں نہ کہ عجب و تکبر اور بے پرواہوں۔ اور جب اپنے اعمال میں "دیدِ قصور" اور کوتاہیاں نظر آنے لگیں تو اعمال کی قدر وقیمت بڑھ جاتی ہے اور عمل قبولیت کے لائق ہو جاتا ہے۔ کوشش کریں کہ ایسی "دیدِ قصور" پیدا ہو جائے اور عجب و نخوت زائل ہو جائے۔ وَبِدُوْنِہٖ خَرْطُ الْقَتَادِ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا[۳] (اس کے علاوہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے (تو مشکل نہیں) ـــــــــ اور ایک جماعت کو اپنے نیک اعمال میں یہ "دیدِ قصور" بدرجۂ کمال حاصل ہو جاتا ہے وہ ایسا خیال کرتے ہیں کہ ان کا "کاتبِ یمین" (دائیں جانب کا نیکیاں لکھنے والا فرشتہ) بیکار و معطل بیٹھا ہے اور کوئی ایسی نیکی نہیں جو لکھنے کے قابل ہو۔ اور کاتبِ شمال (بائیں جانب کا برائیاں لکھنے والا فرشتہ) ہر وقت برائیاں لکھنے میں مشغول ہے جو سب ہی برائیاں ہیں ـــــــــ جب عارف کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے ساتھ (حق تعالیٰ) جو معاملہ کرتا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

ع قلم ایں جا رسید سر بشکست (قلم اس جا پہنچ کے ٹوٹ گیا)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے)۔

---

[۱، ۲] یہ دونوں احادیث دفتر اول مکتوب ۹ میں گزر چکی ہیں تخریج وہاں ملاحظہ ہو۔ [۳] سورہ انعام آیت ۸۰

سید شاہ محمد[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے مراتب و درجات ہیں اور اس کے سات درجے ہیں اور ہر درجے کی دوسرے درجے پر فضیلت اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت جو دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے وہ کئی درجات و مراتب رکھتی ہے۔

آنحضرتؐ کی متابعت کے درجات

(۱) پہلا درجہ عوام اہلِ اسلام کے لئے ہے۔ یعنی تصدیقِ قلبی کے بعد اطمینانِ نفس سے پہلے جو کہ درجۂ ولایت سے وابستہ ہے احکامِ شرعیہ کا بجا لانا اور سنتِ سنیہ کی متابعت ہے۔ اور علمائے ظاہر عابد اور زاہد حضرات جن کا معاملہ ابھی اطمینانِ نفس تک نہیں پہنچا سب اسی متابعت کے درجہ میں شریک ہیں اور اتباع کی ظاہری صورت کے حاصل کرنے میں سب برابر ہیں۔ اور چونکہ اس مقام میں نفس ابھی کفر و انکار پر ہی اڑا ہوا ہوتا ہے اس لئے یہ درجہ متابعت کی صورت کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ متابعت کی یہ صورت، متابعت کی حقیقت کی طرح آخرت کی کامیابی و نجات اور خلاصی کا موجب اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والی اور جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے نفس کے انکار کا اعتبار نہ کر کے صرف تصدیقِ قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نجات کو اس تصدیق پر وابستہ کیا ہے ؎

اے کہ در ساختۂ قطرۂ بارانی را　　می توانی کہ دہی اشک مرا حسنِ قبول

(اے کہ جو قطرۂ بارش کو بنا دے موتی　　میرے آنسو کو بھی دے سکتا ہے وہ حُسنِ قبول)

(۲) متابعت کا دوسرا درجہ آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان اقوال و اعمال کی متابعت ہے جو باطن سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً اخلاق کا درست کرنا [illegible] عادتوں کا دور کرنا اور باطنی امراض اور اندرونی بیماریوں کا ازالہ کرنا وغیرہ وغیرہ جو مقام طریقت [illegible] ہیں، اور اتباع کا یہ درجہ

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔

ارباب سلوک کے ساتھ مخصوص ہے جو طریقۂ صوفیہ کو شیخ مقتدا سے اخذ کرکے سیر الی اللہ کی وادیوں اور جنگلوں کو قطع کرتے ہیں۔

(۳) متابعت کا تیسرا درجہ آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان احوال واذواق اور مواجید کی متابعت ہے جو ولایت خاصہ کے مقام سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ درجہ ان ارباب ولایت کیساتھ مخصوص ہے جو مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہوں۔ جب مرتبۂ ولایت اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو نفس بھی مطمئنہ ہوجاتا ہے اور طغیان وسرکشی سے باز آجاتا ہے اور انکار سے اقرار میں اور کفر سے اسلام میں آجاتا ہے۔ اس کے بعد جسقدر متابعت میں کوشش کرے گا وہ متابعت کی حقیقت ہوگی۔ اگر نماز ادا کرے گا تو متابعت کی حقیقت بجالائے گا اور اگر روزہ ہوگا تو اس کا بھی یہی حال ہے، اور اگر زکوٰۃ ہے تو وہ بھی اسی طریقے پر ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس شریعت کے تمام احکام بجالانے میں "حقیقت متابعت" شامل حال ہوجاتی ہے۔

سوال: نماز وروزہ کی حقیقت کے کیا معنی ہیں؟ کیونکہ نماز وروزہ مخصوص افعال ہیں اگر ان افعال کو (شارع علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق) ادا کیا جائے تو ان کی حقیقت ادا ہوجائے گی، اس کی صورت کیا ہے اور اس سے زیادہ حقیقت کیا ہے؟

جواب: بتدی کا نفس چونکہ امارہ ہے لہذا بالذات آسمانی احکام کا منکر ہے اور اس سے احکامِ شرعیہ کی بجاآوری ظاہری صورت کے اعتبار سے ہے۔ اور منتہی کا نفس چونکہ مطمئنہ ہوگیا ہے اور اس میں احکامِ شرعیہ کے قبول کرنے کی رضا ورغبت پیدا ہوگئی ہے لہذا اس سے احکام کی بجاآوری حقیقت کے اعتبار سے ہوتی ہے —— مثلاً منافق اور مسلمان دونوں نماز ادا کرتے ہیں۔ لیکن منافق چونکہ باطن میں انکار رکھتا ہے اس لئے وہ نماز کی صرف ظاہری صورت ادا کرتا ہے اور مسلمان باطنی فرمانبرداری کے باعث نماز کی حقیقت سے مزین ہے لہذا صورت اور حقیقت کا اعتبار باطنی انکار واقرار پر ہے۔

یہ درجہ یعنی اطمینانِ نفس اور اعمالِ صالحہ کی حقیقت کا درجہ ولایتِ خاصہ کے کمالات کے حصول کے بعد جو درجۂ سوم سے متعلق ہے حاصل ہوجاتا ہے۔

(۴) (متابعت کا) درجۂ چہارم [illegible] اور پہلے درجے میں اس متابعت کی صورت تھی اور یہاں اس اتباع کی حقیقت ہے۔ اتباع کا یہ درجۂ چہارم علمائے راسخین شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے ساتھ مخصوص ہے۔

جو اطمینانِ نفس کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں۔ اولیاء اللہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کو تمکینِ قلب کے بعد اگرچہ ایک طرح کا اطمینانِ نفس حاصل ہو جاتا ہے لیکن نفس کو کمال درجہ اطمینان کمالاتِ نبوت کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے جو کہ وراثت کے طور پر ان کمالات سے علماءِ راسخین کو بھی حصہ حاصل ہے۔ پس علماءِ راسخین نفس کے کمالِ اطمینان کے باعث شریعت کی حقیقت سے جو اتباع کی حقیقت ہے متحقق ہوتے ہیں اور دوسرے لوگ چونکہ یہ کمالات حاصل نہیں ہوتے اس لئے کبھی وہ شریعت کی صورت سے متلبّس اور کبھی اس کی حقیقت سے متحقق ہوتے ہیں۔

اب ہم علماءِ راسخین کی ایک علامت بیان کرتے ہیں تاکہ ہر ظاہر دان عالم راسخ ہونے کا دعویٰ نہ کرے اور اپنے (نفسِ) امارہ کو مطمئنہ نہ سمجھ بیٹھے ——— عالم راسخ وہ ہے جس کو کتاب و سنت کے متشابہات کی تاویل سے بہت حصہ حاصل ہو اور قرآنِ کریم کی سورتوں کے اوائل میں جو حروفِ مقطعات ہیں ان کے اسرار سے بھی بہرہ ور ہو۔ اور متشابہات کی تاویل بہت ہی پوشیدہ اسرار میں سے ہے۔ یہ خیال نہ کریں کہ یہ تاویل "یَدٌ" (ہاتھ) کی قدرت کے مانند ہے اور وَجہ (چہرہ) کی تاویل ذات سے کرنے کی طرح ہے، کیونکہ یہ تاویل علم ظاہر سے پیدا ہوتی ہے اس کا اسرار سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ ان اسرار کے جاننے والے تو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں، اور یہ رموز اُن کے معاملات سے متعلق اشارات ہیں یا وہ حضرات ہیں جن کو تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمائیں ———

اس درجۂ متابعت کا حصول جو نفس کے اطمینان سے وابستہ ہے اور صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی حقیقت کا وصول ہے کبھی بغیر واسطۂ فنا و بقا اور کبھی سلوک و جذبہ کے توسل کے بغیر میسر ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات میں سے کچھ بھی درمیان میں نہ آئے اور یہ دولت حاصل ہو جائے۔ لیکن دوسرے راستوں کی نسبت ولایت کی راہ سے اس دولت تک پہنچنا بہت آسان اور اقرب ہے ——— اور وہ دوسرا راستہ اس فقیر کے خیال میں سنتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت کا التزام اور بدعت کے اسم و رسم (نام و نشان) سے اجتناب کرنا ہے۔ جب تک بدعتِ حسنہ سے بھی بدعتِ سیئہ کی طرح پرہیز نہ کریں اس وقت تک اس دولت کی خوشبو اس کی جان کے دل و دماغ میں نہ پہنچے گی۔ آج یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ تمام جہان دریائے بدعت میں غرق ہو چکا ہے اور بدعت کے اندھیروں میں

آرام سے ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعت کو دور کرنے کا دم مارے اور سنت کے زندہ کرنے میں لب کشائی کرے۔ اس زمانے کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دینے اور سنتوں کو محو کرنے میں مشغول ہیں۔ مروجہ بدعتوں کو مخلوق کا تعامل جان کر ان کے جواز کا بلکہ استحسان کا فتوٰی دیتے ہیں اور لوگوں کو بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر گمراہی عام پھیل جائے اور باطل متعارف و مشہور ہو جائے تو تعامل (بتکلف عمل بنالینا) ہو جاتا ہے۔ مگر (علماء) یہ نہیں جانتے کہ یہ تعامل مطلقاً استحسان کی دلیل نہیں ہے، وہ تعامل معتبر ہے جو صدرِ اول سے چلا آرہا ہے یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا ہے جیسا کہ فتاوٰی غیاثیہ میں مذکور ہے کہ "شیخ الامام شہید رحمہ اللہ سبحانہٗ فرماتے ہیں کہ ہم مشائخ بلخ کے استحسان پر فتوی نہیں دیتے بلکہ ہم اپنے متقدمین اصحاب رحمہ اللہ سبحانہٗ کے قول پر فتوٰی دیتے ہیں کیونکہ صرف ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ وہ تعامل جواز پر دلالت کرے گا جو صدرِ اول سے استمرار کے طور پر چلا آرہا ہے تاکہ وہ نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر (رضا) پر دلیل ہو اور لوگوں کے لئے نشانِ راہ ہو، تو یہ حقیقت میں آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت ہوگا۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر لوگوں کا فعل حجت نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر تمام شہروں کے بکثرت لوگ اس پر عمل پیرا ہوں تو یہ "اجماع" ہو جائے گا اور اجماع حجت ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اگر کچھ لوگ شراب کی تجارت یا سود کے رواج پر تعامل کریں تو ان کے حلال ہونے کا فتوی نہیں دیا جائے گا"۔

اور اس میں شک نہیں کہ تمام مخلوق کے تعامل کا علم اور تمام دیہات و شہروں کا عمل حاصل کرنا انسان کے احاطہ سے باہر ہے۔ باقی رہا صدرِ اول کا تعامل جو کہ حقیقت میں آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر یعنی "برقرار رکھا ہوا" ہے اور آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی طرف راجع ہے۔ اس (تعامل) میں بدعت کہاں اور بدعت حسنہ کیسی؟ ــــــــ اصحابِ کرامؓ کو تمام کمالات کے حاصل ہونے میں صحبتِ خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کافی تھی، اور علمائے سلف میں سے جو حضرات بھی رسوخ کی اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں وہ صوفیہ کے طریقے کو اختیار کئے بغیر اور سلوک و جذبے کے ساتھ مسافت کو قطع کئے بغیر مشرف ہوئے ہیں۔ اور وہ سنتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی متابعت کے التزام اور بدعتِ ناپسندیدہ سے اجتناب کی وجہ سے اس مرتبہ پر پہنچے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰی مُتَابَعَةِ السُّنَّةِ وَجَنِّبْنَا عَنِ ارْتِكَابِ الْبِدْعَةِ بِحُرْمَةِ صَاحِبِ السُّنَّةِ

عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ (یا اللہ! تو ہم کو بحرمتہ صاحبِ سنت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت پر ثابت قدم رکھ اور بدعت کے ارتکاب سے بچا) آمین

(۵) متابعت کا پانچواں درجہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حاصل ہوتے ہیں علم و عمل کا کوئی دخل نہیں بلکہ ان کا حصول خداوند جل سلطانہٗ کے محض فضل و احسان پر موقوف ہے۔ یہ درجہ نہایت ہی بلند ہے۔ سابقہ درجات کی اس درجے کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں۔ یہ کمالات اولوالعزم انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ بالاصالت مخصوص ہیں اور دوسروں کو تبعیت و وراثت کے طور پر حاصل ہیں۔ دیکھئے اس دولت سے کس کو مشرف فرماتے ہیں۔

(۶) متابعت کا چھٹا درجہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے مقامِ محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں جس طرح پانچویں درجہ میں کمالات کا فیضان محض فضل و احسان پر تھا اسی طرح اس چھٹے حصے میں بھی ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے جو تفضل و احسان سے بالا و برتر ہے۔ متابعت کا یہ درجہ بھی بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ پہلے درجے کے علاوہ متابعت کے یہ پانچ درجے مقاماتِ عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ان کا حصول بھی صعود پر وابستہ ہے۔

(۷) متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو نزول و ہبوط سے تعلق رکھتا ہے۔ اور متابعت کا یہ ساتواں درجہ سابقہ تمام درجات کا جامع ہے کیونکہ اس مقام میں نزول بھی تصدیقِ قلبی ہے اور تمکینِ قلبی بھی ہے اور نفس کا اطمینان بھی، اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی ہے جو طغیان و سرکشی سے باز آگئے ہیں۔ پہلے درجے گویا اس متابعت کے اجزا تھے اور یہ درجہ ان اجزا کے کُل کی مانند ہے ــــــ ــــــ اس مقام میں پہنچ کر تابع کو اپنے متبوع کے ساتھ اس قسم کی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا تبعیت و پیروی کا نام ہی درمیان سے اُٹھ جاتا ہے اور تابع و متبوع (کے احکام) کی تمیز دُور ہو جاتی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا تابع اپنے متبوع کی طرح جو کچھ حاصل کرتا ہے اصل سے حاصل کرتا ہے، گویا دونوں ایک ہی چشمے سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے ہم آغوش و ہمکنار ہیں اور ایک ہی بستر پر شیر و شکر کی طرح ہیں، معلوم نہیں ہوتا کہ تابع کون ہے اور متبوع کون، اور تبعیت کس لے لئے ہے

اتحادِ نسبت میں تغایرِ نسبت کی کچھ گنجائش نہیں۔

عجب معاملہ ہے کہ اس مقام میں جہاں تک غور کی نظر سے مطالعہ کیا جاتا ہے تبعیت کی نسبت کچھ ملحوظ و منظور نہیں ہوتا اور تابعیت و متبوعیت کا امتیاز ہرگز مشہود نہیں ہوتا البتہ اس قدر فرق معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے نبی علیہ و علیٰ جمیع الانبیاء من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کا طفیلی اور وارث جانتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ تابع اور ہوتا ہے اور طفیلی و وارث اور۔ اگرچہ تبعیت کی قطار میں سب برابر ہیں لیکن تابع میں بظاہر متبوع کا جیلولہ (حائل ہونا) درکار ہے اور طفیلی و وارث میں (متبوع کا) کوئی جیلولہ درکار نہیں ہے۔ تابع (اپنے متبوع کا) پس خوردہ کھانا کھاتا ہے اور طفیلی ضمنی طور پر ساتھ بیٹھ کر کھانے والا ہے غرضکہ جو دولت بھی آئی ہے وہ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے لئے آئی ہے اور امتیوں کے لئے یہی سعادت ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل اس دولت سے حصہ پائیں اور ان کا پس خوردہ تناول کریں ؎

درقافلہ کہ اوست دانم نرسم ... ایں بس کہ رسد ز دور بانگِ جرسم

(قافلے تک کہاں پہنچ ہوگی ... ہے غنیمت سنوں جرس کی صدا)

کامل تابعدار وہ شخص ہے جو متابعت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو، اور جو شخص بعض درجات میں تو متابعت رکھتا ہو اور بعض میں نہ رکھتا ہو، وہ درجات کے فرق کے اعتبار سے مجمل طور پر تابع ہے۔ علمائے ظاہر پہلے درجے ہی میں خوش ہیں۔ کاش کہ یہ لوگ درجۂ اول ہی کو سرانجام دے لیتے۔ انھوں نے صرف شریعت کی صورت ہی میں متابعت کو موقوف رکھا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور امر کا خیال ہی نہیں کرتے۔ اور طریقۂ صوفیہ کو جو کہ درجاتِ متابعت کے حاصل ہونے کا واسطہ ہے بیکار تصور کرتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر علماء ہدایہ[1] اور بزدوی[2] کے سوا کسی اور کو اپنا پیر و مقتدا نہیں جانتے ؎

چو آں کرمے کہ در سنگے نہاں است ... زمین و آسمانِ او ہماں است

(وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے ... وہی اس کی زمین اور آسماں ہے)

حَقَّقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِیَّاکُمْ بِحَقِیْقَةِ الْمُتَابَعَةِ الْمَرْضِیَّةِ الْمُصْطَفَوِیَّةِ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالْبَرَکَةُ وَالتَّحِیَّةُ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَتِهٖ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ الْکِرَامِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ الْعِظَامِ وَعَلٰی جَمِیْعِ اَتْبَاعِهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ۔

[1] شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی حنفیؒ متوفی ۵۹۳ھ کی مشہور تصنیف۔

[2] فخر الاسلام ابو الحسن علی بن محمد بن حسین بزدویؒ کی تصنیف۔

عالی درجات مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔[1]

اس بیان میں کہ قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے اور امام اعظم ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب اور صوفیائے عالیہ کی تعریف میں اور اس بیان میں کہ اس کام کی اصل شریعت ہے اور اس بیان میں کہ احکام الٰہیہ ہر وقت ثابت ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ـــــ

قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے

(واضح ہو کہ) قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے بلکہ تمام سابقہ شریعتوں کا بھی جامع ہے۔ مختصر یہ کہ اس شریعت کے بعض احکام اس قسم کے ہیں جو (خود قرآن مجید کی) عبارت النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے سمجھے جاسکتے ہیں، اور اہل لغت میں سے عوام و خواص سب ان کے سمجھنے میں برابر ہیں ـــــ (۲) اور دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جو اجتہاد و استنباط کے ذریعے مفہوم ہوتے ہیں، ان کا سمجھنا ائمہ مجتہدین کے ساتھ مخصوص ہے جن میں بقول جمہور اول آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں بعد ازاں آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کرامؓ اور آپؐ کی امت کے تمام مجتہد ہیں۔ لیکن آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں جو وحی کا زمانہ تھا احکام اجتہادیہ میں خطا و صواب کے درمیان تردد نہ رہتا تھا بلکہ وحی قطعی کے ساتھ حق باطل سے اور صواب خطا سے الگ اور متمیز ہو جاتا تھا کیونکہ خطا پر نبی کو ثابت اور برقرار رکھنا جائز نہیں ہے، برخلاف ان احکام کے جو زمانۂ وحی کے ختم ہونے کے بعد مجتہدین کے استنباط کے طریق پر حاصل ہوئے ہیں کہ ان میں صواب و خطا کا احتمال ہے، اسی لئے وہ احکام اجتہادیہ جو وحی کے زمانے میں مقرر ہو گئے ہیں موجب یقین ہیں جن سے عمل و اعتقاد کے فائدے حاصل ہوتے ہیں، اور جو زمانۂ وحی کے بعد ثابت ہوئے ہیں وہ (احکام اجتہادیہ) البتہ ظن کا موجب ہیں جو عمل کے لئے تو مفید ہیں لیکن اعتقاد کا موجب نہیں ـــــ (۳) قرآن مجید کے تیسری قسم کے احکام وہ ہیں جن کے سمجھنے سے انسانی طاقت عاجز ہے جبتک کہ احکام کے نازل کرنے والے

---

[1] مخدوم زادہ خواجہ محمد سعیدؒ کے نام چوبیس ۲۴ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۵۹ پر گزر چکا ہے۔ اور مخدوم زادہ خواجہ محمد معصومؒ کے نام ستائیس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۴ پر گزر چکا ہے۔

حق جل سلطانہٗ کی طرف سے ان کی اطلاع نہ ہو، ان احکام کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس اعلام و اطلاع کا حصول صرف پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے لئے مخصوص ہے، پیغمبر کے علاوہ کسی اور کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی ـــــــ یہ احکام اگرچہ کتاب (قرآن مجید) ہی سے ماخوذ ہیں لیکن چونکہ ان کے مُظہر (ظاہر کرنے والا) پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اس لئے یہ احکام سنت کی طرف منسوب ہوئے ہیں کیونکہ ان کا مُظہر سنت ہے۔ جس طرح احکامِ اجتہادیہ کو قیاس کی طرف منسوب کرتے ہیں اس اعتبار سے قیاس ان احکام کا مُظہر ہے، پس سنت اور قیاس دونوں مُظہرِ احکام ہیں اگرچہ ان دونوں کے درمیان بہت فرق ہے کیونکہ ایک (قیاس) رائے کی طرف منسوب ہے جس میں خطا کی گنجائش ہے، اور دوسرا سنت کی طرف جس کی حق جل وعلا کے اعلام (خبر دینے) سے تائید ہو جاتی ہے اور اس میں خطا کی گنجائش نہیں ہے۔ اور یہ آخری قسم اپنی اصل (قرآن مجید) کے ساتھ کمال مشابہت رکھتی ہے گویا احکام کو ثابت کرنے والی ہے اگرچہ حقیقت میں تمام احکام کو ثابت کرنے والی صرف وہی کتابِ عزیز ہے۔

جاننا چاہئے کہ احکامِ اجتہادیہ میں غیر پیغمبر کو پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ اختلاف کی گنجائش ہے (بشرطیکہ) وہ غیر پیغمبر، یعنی اُمّتی) اجتہاد کے مرتبے تک پہنچ چکا ہو۔ اور وہ احکام جو کہ عبارت اشارت اور دلالتِ نص سے ثابت ہو چکے ہیں اور اسی طرح ان احکام میں جن کا مُظہر سنت ہے ان میں کسی کو مخالفت کی مجال نہیں ہے بلکہ تمام امت پر ان احکام کی اتباع لازم ہے۔ پس امت کے مجتہدین کے لئے اجتہادی احکام میں پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کی رائے کی متابعت لازم نہیں ہے بلکہ ایسے مقام میں ان کے لئے اپنی رائے پر عمل کرنا ہی صواب ہے۔

یہاں ایک دقیقہ ہے اس کو سمجھنا چاہئے کہ وہ پیغمبر جو اولوالعزم پیغمبروں علیہم الصلوۃ والسلام کی شریعت کی متابعت کرتے تھے ان پر صرف ان احکام کی اتباع واجب تھی جو ان کی کتابوں اور صحیفوں کی عبارت، اشارت اور دلالت سے ثابت تھے نہ کہ ان احکام میں جو کہ اجتہاد کے طور پر ان کی سنتوں سے ظاہر ہوئے۔ کیونکہ احکامِ اجتہادیہ میں جب امت کے مجتہد کو (غیر کی) متابعت لازم نہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، تو پیغمبر تابع کو کیونکر متابعت لازم ہو گی۔ اور وہ احکام جن کی مُظہر سنت ہے۔ ان میں جس طرح پیغمبر اولوالعزم کو ان احکام کے لئے اطلاع حاصل ہوئی ہے اسی طرح غیر اولوالعزم پیغمبروں کو بھی ان احکام کی اطلاع اللہ تعالیٰ سے ثابت ہے، پھر متابعت کیسی؟ بلکہ متابعت کی

گنجائش ہی نہیں ہے، کیونکہ ہر وقت اور ہر گروہ کے اندازے کے لحاظ سے جدا جدا احکام ہوتے ہیں، کبھی ان کا حلال ہونا مناسب ہوتا ہے اور کبھی حرام ہونا۔ کسی اولوالعزم پیغمبر کو ایک کام کے حلال ہونے کا حکم ہوتا ہے اور غیر اولوالعزم کو اسی کام کے حرام ہونے کی اطلاع ہوتی ہے، اور یہ حلال و حرام دونوں نازل شدہ صحیفوں سے ماخوذ ہوتے ہیں جیسا کہ دو مجتہد ایک ہی ماخذ سے دو مختلف حکم اخذ کرتے ہیں، ان میں سے ایک اس کے حلال ہونے کا مطلب سمجھتا ہے اور دوسرا اس کی حرمت کا۔

سوال: یہ اختلافِ اجتہاد میں گنجائش رکھتا ہے کیونکہ اس کا دارومدار قیاس و رائے پر ہے جس میں صواب و خطا کا احتمال ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے اعلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے اور وہاں صواب و خطا کا تردّد جائز نہیں ہے بلکہ یقین کے ساتھ حق جل و علا کا حکم ایک ہی ہے، اگر حلال ہے تو اس میں حرمت کی گنجائش نہیں ہے اور اگر حرام ہے تو اس میں حلال کی مجال نہیں ہے۔

جواب: ہوسکتا ہے کہ ایک قوم کی نسبت وہی چیز حلال ہو اور دوسری قوم کی نسبت سے وہ حرام ہو۔ پس اللہ جل و علا کا حکم ایک ہی واقعہ میں قوم کے متعدد ہونے کی نسبت سے مختلف ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں خاتم الرسلؐ کی امت میں یہ معنی درست نہیں، کیونکہ اس شریعت میں سب لوگ ایک حکم کے محکوم ہیں لہٰذا یہاں کسی ایک واقعہ میں بھی خداوند جل سلطانہٗ کے نزدیک دو حکم نہیں ہیں۔

سوال: اگر کسی اولوالعزم پیغمبر نے کسی کام کی حلت کا حکم کیا ہو اور اس کے تابع پیغمبر نے اس کام میں حرمت کا حکم دیا ہو تو لازم آتا ہے کہ حکمِ ثانی حکمِ اول کا ناسخ ہو، اور یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا نسخ کرنا اولوالعزم پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے سوا کوئی ناسخ نہیں ہوسکتا۔

جواب: نسخ اس وقت لازم آتا ہے جبکہ حکمِ ثانی تمام لوگوں کے لئے عام ہو۔ تاکہ حکمِ اول کو رفع کردے جو ایک گروہ کے ساتھ واقع ہوا تھا۔ اور حکمِ ثانی عام نہیں ہے بلکہ ایک گروہ کی نسبت حرمت کا حکم ہے، اس لئے حکمِ اول کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں ہے ——

—— کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک ہی واقعہ میں ایک مجتہد کسی چیز کے حلال ہونے کا حکم دیتا ہے اور دوسرا مجتہد اسی واقعہ میں حرمت کا فیصلہ کرتا ہے اور ان میں سے کوئی حکم بھی نسخ نہیں ہے۔ اگرچہ ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے کہ یہاں (مجتہدین کی) رائے ہے اور وہاں اعلام (اللہ تعالیٰ کا حکم) رائے میں متعدد حکم کی گنجائش ہے اور اعلام میں گنجائش نہیں۔ لیکن تعددِ اقوام سے اس کا علاج ہوسکتا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

لہذا گذشتہ شریعتوں میں بھی وہ احکام جو اولوالعزم پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں سے لغت کے اعتبار سے مفہوم ہوتے تھے پیغمبرانِ متابع کو بھی ان میں مخالفت کی مجال نہ تھی کیونکہ وہ احکام کافۂ انام کی نسبت سے وارد ہوتے تھے۔ ہر پیغمبر متابع جس قوم کو دعوت دیتا تھا وہ ان احکام کے خلاف تبلیغ نہیں کرتا تھا، اگر حلال ہے تو سب کے لئے حلال ہے اور اگر حرام ہے تو سب کے لئے حرام ہے، یہاں تک کہ کوئی دوسرا اولوالعزم پیغمبر آئے اور اس حکم کو رفع کرا ب نسخ متصور ہو جائے گا ——— لہذا نسخ ان ان احکام کے اعتبار سے ہوتا ہے جو لغت کے موافق نازل شدہ صحیفوں سے ماخوذ ہوتے ہیں، اور وہ احکام جو اجتہاد اور اعلام سے ثابت شدہ ہوں اور سنت اور اجتہاد کی طرف منسوب ہوں ان میں نسخ متصور نہیں ہے کیونکہ یہ احکام بعض کی نسبت سے ہیں اور بعض دوسروں کے لئے نہیں۔ لہذا کسی پیغمبر کا اجتہاد اور اس کی سنت، کسی دوسرے پیغمبر کے اجتہاد و سنت کی ناسخ نہیں ہوتی، کیونکہ اُس کی نسبت کسی اور قوم کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کی نسبت دوسری قوم کے ساتھ۔ اور اگر یہ اختلاف کافۂ انام کی نسبت سے ہو یا صرف ایک گروہ کی نسبت سے تو البتہ نسخ ہے جیسا کہ اس شریعت میں ہے کہ حکم کافۂ انام کی نسبت سے ہے۔ تو حکمِ ثانی حکمِ اول کا ناسخ ہے۔ لہذا ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین الصلوات والتحیات کی آخری سنت آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے کی تمام سنتوں کی ناسخ ہے — اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد اس شریعت کی متابعت کریں گے اور آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی سنت کا اتباع کریں گے، کیونکہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ علماء ظواہر اُن (حضرت عیسیٰ) علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مجتہدات سے ان کے کمال دقیق اور پوشیدہ ماخذ ہونے کے باعث انکار کر بیٹھیں اور ان کو کتاب و سنت کا مخالف سمجھیں۔

حضرت امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی مثال حضرت عیسیٰ روح اللہ کی مانند ہے جنھوں نے ورع و تقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی بدولت اجتہاد و استنباط میں وہ بلند درجہ حاصل کیا ہے کہ دوسرے حضرات کی فہم اس کے سمجھنے سے عاجز و قاصر ہے اور وہ ان کے اجتہادات کو دقتِ معانی کے باعث کتاب و سنت کے مخالف جانتے ہیں اور ان کو اور ان کے اصحاب کو "اصحابِ رائے" خیال کرتے ہیں، یہ سب کچھ ان کے علم کی حقیقت و درایت تک نہ پہنچنے اور ان کے فہم و فراست پر مطلع

نہ ہونے کی وجہ سے ہے ـــــــ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے ان (امام ابو حنیفہ) علیہ الرضوان کی فقاہت کی باریکی سے تھوڑا سا حصہ حاصل کیا ہے فرماتے ہیں: اَلْفُقَھَاءُ کُلُّھُمْ عِیَالُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ (تمام فقہا ابو حنیفہؒ کی عیال ہیں)۔ ان کم نظر معترضین کی جرأت پر افسوس ہے کہ اپنے قصور کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں ؎

قاصرے گر کند ایں قافلہ را طعنِ قصور حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را

ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(کوئی ناقص اگر اس سلسلے پر طعن کرے ذکر اس کا نہ کروں گا میں کبھی شکوے سے

یہ ہے وہ سلسلہ جس میں ہیں بندھے دنیا کے شیر لومڑی کس طرح توڑے گی اسے حیلے سے)

اور یہ جو خواجہ محمد پارساؒ نے فصولِ ستہ میں لکھا ہے کہ "حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد امام ابی حنیفہؒ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے" ممکن ہے کہ اسی مناسبت کے باعث لکھا ہو جو کہ امام ابی حنیفہؒ کو حضرت روح اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہے یعنی حضرت روح اللہؑ کا اجتہاد حضرت امام اعظمؒ کے اجتہاد کے موافق ہوگا نہ یہ کہ وہ ان کے مذہب کی تقلید کریں گے کیونکہ ان (حضرت عیسیٰ) علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ علمائے امت کی تقلید فرمائیں ـــــــ بلا تکلّف و تعصّب کہا جا سکتا ہے کہ اس مذہبِ حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی جب ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اہلِ اسلام کا سوادِ اعظم (اکثریت) امام ابی حنیفہ علیہم الرضوان کا متبع ہے اور یہ مذہب متبعین کی کثرت کے باوجود اصول و فروع میں دیگر تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور استنباط میں اپنا الگ طریقہ رکھتا ہے اور یہ معنی اس کے حق ہونے کی خبر دینے والا ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سنت کی پیروی میں سب سے پیش پیش ہیں حتیٰ کہ احادیثِ مرسل کو احادیثِ مسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے ہیں اور ان کو اپنی رائے پر مقدم کرتے ہیں اور اسی طرح صحابہؓ کے قول کو حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی شرفِ صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں، دوسروں کا حال ایسا نہیں ہے۔ اس کے باوجود مخالفین ان کو "صاحب رائے" کہتے ہیں اور ایسے ایسے الفاظ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں جن سے بے ادبی ظاہر ہوتی ہے

حالانکہ وہ سب ان کے کمالِ علم اور ورع و تقویٰ کی کثرت کا اقرار کرتے ہیں، حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان حضرات کو توفیق عطا کرے کہ وہ دین کے پیشوا اور اہلِ اسلام کے سردار کی دل آزاری نہ کریں اور اسلام کے "سوادِ اعظم" کو ایذا نہ دیں، یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ (توبہ آیت ۳۲) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں)۔

وہ لوگ جو دین کے ان اکابر کو "صاحب رائے" جانتے ہیں اگر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ بزرگوار اپنی رائے سے حکم کرتے تھے اور کتاب و سنت کی متابعت چھوڑ دیتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق اہلِ اسلام کا "سوادِ اعظم" گمراہ اور بدعتی ہوا بلکہ گروہِ اسلام سے بھی باہر ہوگا۔ اس قسم کا اعتقاد وہی بے وقوف جاہل کر سکتا ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا پھر وہ زندیق جس کا مقصود دینِ اسلام کے نصف حصہ کو باطل کرنا ہے۔ ان چند ناقص لوگوں نے چند احادیث یاد کر لی ہیں اور احکامِ شریعت کو ان ہی میں منحصر جانتے ہیں اور اپنی معلومات کے سوا سب کی نفی کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے اس کا انکار کر دیتے ہیں ؎

چو آں کرمے کہ در سنگے نہاں است زمین و آسمانِ او ہماں است

(وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے وہی اس کی زمین اور آسماں ہے)

ان لوگوں کے بیہودہ تعصبات اور فاسد نظریات پر افسوس ہزار افسوس کہ فقہ کے بانی امام ابو حنیفہؒ ہیں اور تمام فقہا نے فقہ کے تین حصے ان کے لئے مسلّم رکھے ہیں، اور باقی چوتھے حصہ میں سب (دوسرے فقہا) ان کے ساتھ شریک ہیں، فقہ میں صاحبِ خانہ وہی ہیں اور دوسرے سب ان کے عیال ہیں ــــــ مذہبِ (حنفی) کے اس التزام کے باوجود مجھے امام شافعیؒ سے گویا ذاتی محبت ہے اور میں ان کو بزرگ جانتا ہوں۔ اسی لئے بعض اعمالِ نافلہ میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں لیکن کیا کروں کہ دوسرے (فقہا) کمالِ علم اور کمالِ تقوی کے باوجود امام ابو حنیفہؒ کے مقابلے میں بچوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ وَالْاَمْرُ اِلَى اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اور اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے)۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ احکامِ اجتہادیہ کا اختلاف اگرچہ وہ پیغمبر ہی سے صادر ہو نسخ کو مستلزم نہیں، بخلاف اس اختلاف کے جو کتاب و سنت میں ہو وہ موجبِ نسخ ہے جیسا کہ اوپر کی تحقیق میں گذرا۔ پس ثابت ہوا کہ احکامِ شرعیہ کے اثبات میں

صرف کتاب و سنت ہی کا اعتبار ہے اور مجتہدوں کا قیاس اور اجماعِ امت بھی حقیقت میں مثبتِ احکام ہیں۔ ان چار شرعی دلیلوں کے سوا اور کوئی دلیل ایسی نہیں جو احکامِ شرعیہ کو ثابت کر سکے۔ (اولیاء کا) الہام کسی چیز کی حلت و حرمت کو ثابت نہیں کرتا اور اہلِ باطن کا کشف کسی چیز کے فرض یا سنت ہونے کا اثبات نہیں کرتا۔ احکامِ اجتہادیہ میں مجتہدین کرام کی تقلید کرنے میں ولایتِ خاصہ والے حضرات، عام مؤمنین کے برابر ہیں ان کے کشوف و الہامات ان کو فضیلت نہیں بخشتے اور تقلید سے باہر نہیں نکالتے۔

——— حضرت ذوالنونؒ (مصری) (بایزیدؒ) بسطامی، جنیدؒ (بغدادی)، اور شیخ شبلیؒ احکامِ اجتہادیہ میں عام مؤمنین زید، عمرو، بکر اور خالد وغیرہ کے ساتھ مجتہدین کی تقلید کرنے میں مساوی ہیں ———

ہاں ان بزرگواروں کی بزرگی دوسرے امور میں ہے، یہ حضرات اصحابِ کشوف و مشاہدات اور اربابِ تجلیات و ظہورات ہیں جنھوں نے محبوبِ حقیقی جل سلطانہٗ کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے اس سبحانہٗ وتعالیٰ کے علاوہ سب سے تعلق توڑ لیا ہے اور غیر و غیریت کی دید و دانش سے آزاد ہو گئے ہیں۔ اگر ان کو کچھ حاصل ہے تو وہی (جل سلطانہٗ) ہے اور اگر واصل ہیں تو اسی (جل سلطانہٗ) سے واصل ہیں۔ عالم (دنیا) میں رہتے ہوئے بھی عالم میں نہیں ہیں، اور باخود ہوتے ہوئے بھی بے خود ہیں، اگر زندہ ہیں تو اسی کے لئے اور مرتے ہیں تو بھی اسی کے لئے ——— ان کے بندی محبت کے غلبہ کی وجہ سے ذراتِ عالم کے ہر ذرہ کے آئینے میں مطلوب کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ہر ذرہ کو اسی (حق تعالیٰ) کی اسمائی و صفاتی کمالات کا جامع پاتے ہیں۔ اور ان کے منتہیوں کے متعلق کیا بیان کیا جائے کہ وہ بے نشان ہیں اُن کا قدمِ اول نسیانِ ماسویٰ (غیر حق سے فراموشی) ہے، اور ان کے قدمِ ثانی کا کیا بیان ہو کہ وہ آفاق و انفس سے باہر ہے الہام انہی کے لئے ہے اور اسی (الہام) کے ساتھ ان کا کلام ہے، ان کے اکابر کے اکابر علوم و اسرار کو بغیر توسط اصل سے اخذ کرتے ہیں اور مجتہد کے مانند اپنی رائے و اجتہاد کے تابع ہے۔ وہ بھی معارف و مواجید میں اپنے الہام و فراست کے تابع ہیں۔

حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ لکھتے ہیں کہ "علومِ لدنّی کے فیض پہنچانے میں حضرت خضر علیٰ نبینا و علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت درمیان میں واسطہ ہے۔" ظاہری طور پر یہ بات ابتدا اور توسط کے حال کے مناسب معلوم ہوتی ہے لیکن منتہی کا معاملہ ہی دوسرا ہے جیسا کہ کشفِ صریح سے مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور اس خصوصیت کی تائید اس کلام سے بھی ہوتی ہے جو

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ سے منقول ہے کہ ایک روز آپ بر سر منبر علوم و معارف بیان فرما رہے تھے اسی اثنا میں حضرت خضر کا وہاں گذر ہوا تو شیخ نے فرمایا: "اے اسرائیلی! ادھر آ اور کلامِ محمدی سُن" شیخ کی اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر محمدیوں میں سے نہیں ہیں بلکہ پہلی امتوں میں سے ہیں، اور جب ایسا ہو تو محمدیوں کو ان سے کیا واسطہ۔

پس ثابت ہوا کہ علوم و معارف احکامِ شرعیہ کے علاوہ دوسری چیز ہیں کہ جن کے ساتھ اہل اللہ مخصوص ہیں، اگرچہ وہ معارف ان ہی احکام کے ثمرات و نتائج ہیں۔ درخت لگانے سے مقصود اس کے پھلوں کا حصول ہے اور جب تک درخت قائم ہے اس وقت تک پھل کی امید رہتی ہے اور جب درخت کی جڑ میں خلل آجائے تو اس کے پھل بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ بے عقلی کی بات ہے کہ کوئی شخص درخت کو تو کاٹ ڈالے اور پھلوں کی امید رکھے، درخت کی جس قدر اچھی تربیت کریں گے اسی قدر زیادہ پھل دے گا مقصود اگرچہ پھل ہے لیکن وہ درخت کی فرع ہے۔ شریعت کو لازم پکڑنے والے اور شریعت میں سستی کرنے والے کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ جو شخص شریعت کو لازم پکڑتا ہے وہ صاحبِ معرفت ہے جس قدر شریعت کا التزام زیادہ ہوگا اسی قدر معرفت بھی زیادہ حاصل ہوگی، اور جو شریعت میں سست ہے وہ معرفت سے بے نصیب ہے۔ بالفرض وہ اپنے خیالِ فاسد کی بنا پر کچھ (معرفت) رکھتا ہے اگرچہ (حقیقت میں) وہ کچھ بھی نہیں رکھتا تو یہ استدراج کی قسم سے ہے جس میں جوگی اور برہمن اس کے ساتھ شریک ہیں؛ كُلُّ حَقِيْقَةٍ رَدَّتْهُ الشَّرِيْعَةُ فَهُوَ زَنْدَقَةٌ وَّاِلْحَادٌ (جس حقیقت کو شریعت نے رد کر دیا ہو وہ زندقہ اور الحاد ہے)

پس ہو سکتا ہے کہ اہل اللہ میں سے خاص خاص حضرات حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال کے معارف میں بعض ایسے اسرار و دقائق کو سمجھ لیں کہ ظاہر شریعت ان معارف سے خاموش ہو اور حرکات و سکنات میں حق تعالیٰ کا اذن (اجازت) و عدمِ اذن معلوم کر لیں اور حق تعالیٰ کی مرضی و نامرضی کو جان لیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض نفلی عبادتوں کے ادا کرنے میں (حق تعالیٰ کی) مرضی نہیں پاتے اور اس کے ترک کا اذن پا لیتے ہیں اور کبھی نیند کو بیداری سے بہتر سمجھتے ہیں۔

احکامِ شرعیہ اپنے اپنے وقتوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور الہامیہ ہر وقت ثابت ہیں جب ان بزرگوں کے حرکات و سکنات (حق تعالیٰ کے) اذن پر موقوف ہیں تو بیشک دوسروں کے نوافل بھی

احکام الہامیہ کی شرح

ان کے لئے فرض ہوں گے۔ مثلاً ایک فعل شریعت کے حکم سے ایک شخص کی نسبت نفل ہے اور وہی فعل دوسرے شخص کے لئے الہامی حکم سے فرض ہے۔ پس دوسرے لوگ کبھی نوافل ادا کرتے ہیں اور کبھی مباح امور کے مرتکب ہوتے ہیں، لیکن یہ بزرگوار جب کام کو مولیٰ جل سلطانہ کے امر واذن سے کرتے ہیں وہ سب فرض ہی ہوتے ہیں، دوسروں کے مستحب ومباح ان کے لئے فرائض کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس تحقیق سے ان بزرگوں کی بلندیٔ شان معلوم کرنی چاہئے ——— علمائے ظواہر دین کے امور میں غیبی خبروں کو صرف پیغمبروں علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں اور دوسروں کو اُن خبروں میں شریک نہیں کرتے، یہ بات وراثت کے منافی ہے اور اس میں بہت سے ایسے علوم ومعارفِ صحیحہ کی نفی ہے جو دینِ متین سے تعلق رکھتے ہیں، ہاں احکامِ شرعیہ ادلۂ اربعہ (چار دلیلوں) پر موقوف ہیں جن میں الہام کی کوئی گنجائش نہیں لیکن احکامِ شرعیہ کے ماسوا بہت سے دینی امور ایسے ہیں جن میں پانچویں اصل الہام ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب وسنت کے بعد تیسری اصل الہام ہے اور یہ اصل دنیا کے فنا ہونے تک قائم ہے۔ پس دوسروں کو ان بزرگوں سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بعض اوقات میں عبادت کرتے ہیں لیکن وہ عبادت ناپسند ہوتی ہے اور یہ بزرگ بعض حالات میں عبادت ترک کر دیتے ہیں اور وہ ترک کرنا پسندیدہ ہوتا ہے۔ پس خدا جل وعلا کے نزدیک ان کا ترک دوسروں کے فعل سے بہتر ہے۔ لیکن عوام اس کے برخلاف حکم لگاتے ہیں یعنی اس کو عابد (عبادت کرنے والا) جانتے ہیں اور اس (ترک کرنے والے) کو مکار سمجھتے ہیں۔

سوال: جب دین کتاب وسنت سے کامل ہو گیا تو کمال کے بعد الہام کی کیا حاجت ہے اور وہ کونسی کمی ہے جو الہام سے پوری ہوتی ہے؟ ——— جواب: الہام دین کے پوشیدہ کمالات کا ظاہر کرنے والا ہے نہ کہ دین میں کمالاتِ زائدہ کا ثابت کرنے والا، جس طرح اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام ان دقائق واسرار کا مظہر ہے، اکثر لوگوں کی فہم اس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اگرچہ اجتہاد اور الہام میں واضح فرق ہے کہ وہ رائے کی طرف منسوب ہے اور یہ خالقِ رائے جل سلطانہٗ کی طرف منسوب ہے۔ پس الہام میں ایک قسم کی اصالت پیدا ہو گئی جو اجتہاد میں نہیں ہے۔ الہام نبی کے اس اعلام کی مانند ہے جو سنت کا ماخذ ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا، اگرچہ الہام ظنی ہے اور وہ اعلام قطعی۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰) (اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنی جناب سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں بھلائی نصیب فرما) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰى۔

# مکتوب ۵۶
پنجاہ و ششم

مولانا عبد القادر انبالی[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کی برائیاں اس کے حق میں نیکیوں کا حکم پیدا کر لیتی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (فرقان آیت ۲۵) (یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے) اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل درویش کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کی برائیاں اس کی نیکیاں ہو جاتی ہیں اور دوسروں کی بری خصلتیں اس کے لئے اچھی صفتیں بن جاتی ہیں ــــــ مثلاً ریا و سمعہ (دکھاوا اور شہرت) جو برائیوں اور بری خصلتوں میں سے ہیں اس کے حق میں حسن و خوبی پیدا کر دیتے ہیں اور حمد و شکر کا حکم اختیار کر لیتے ہیں اس لئے کہ اس درویش نے ہر قسم کی عظمت و کبریائی کو اپنے آپ سے مسلوب کر کے جناب قدسِ خداوندی جل سلطانہٗ کی طرف منسوب کر دیا ہے، اور تمام اقسام کے حسن و جمال اور خیر و کمال کو اپنے آپ سے دور کر کے حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو شر و نقص کے سوا کچھ نہیں پاتا اور اپنے آپ میں ذلّت و محتاجی اور عجز و انکساری کے سوا کچھ نہیں دیکھتا، اور اگر بالفرض صاحبانِ عظمت و کبریائی میں سے کوئی صاحب بظاہر اس کی طرف متوجہ ہو تو وہ اس کو زینہ سمجھے گا کہ جس کے ذریعے وہ فوق کی طرف جائے گا اور اس ذات پاک تک پہنچ جائے گا جو عظمت و کبریائی کے لائق ہے ــــــ ــــــ حسن و جمال اور خیر و کمال کا بھی یہی حال ہے کہ ان میں زینہ سے زیادہ ہونا اس کے نصیب میں نہیں، باقی امانتیں امانت والوں کی طرف راجع ہوتی ہیں، لہٰذا ریا و سمعہ کی صورت میں اس (درویش) کا مقصود اپنا اشتہار و افتخار اور رفعت و عظمت نہیں ہوتا بلکہ حق سبحانہٗ کی اس نعمت و احسان کا اظہار ہے جو اس پر واقع ہوا ہے پس اس کا ریا و سمعہ حق تعالیٰ و تقدس کا عین حمد و شکر ہو گا جو ذلت برائی سے نکل کر تعریف اور نیکی کی صورت میں آ گیا ہے، دوسری صفات کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ہ والسّلام

---

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۲۸۴ میں تفصیل ہے۔

# مکتوب ۵۷ پنجاہ و ہفتم

ملا غازی نائب[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ حق جل و علا کا ذکر حضرت خیر البشر علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا پر درود بھیجنے سے اولیٰ (بہتر) ہے لیکن وہ ذکر جو قبولیت کی شان رکھتا ہو یا وہ ذکر جو طالب نے شیخ مقتدا سے اخذ کیا ہو اور اس کے مناسب بیان میں۔

ایک عرصے تک میں حضرت خیر البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے میں مشغول رہا اور قسم قسم کے صلوٰۃ و درود پڑھتا رہا اور اس پر دنیاوی نتائج و ثمرات بھی مرتب ہوتے رہے اور ولایتِ خاصۂ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے دقائق و اسرار کا فیضان بھی مجھ پر ہوتا رہا۔ کچھ مدت تک یہی عمل جاری رہا ـــــ اتفاقاً اس التزام میں سستی پیدا ہو گئی اور اس شغل کی توفیق نہ رہی اور صرف صلوٰۃِ موقتہ (نماز والے درود) پر اکتفا ہو گیا اور مجھے اس وقت یہ زیادہ اچھا معلوم ہوتا تھا کہ صلوٰۃ و درود کی بجائے تسبیح و تقدیس اور تہلیل میں مشغول رہوں۔ چنانچہ میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ اس کام میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہو گی۔ دیکھیں کیا ظاہر ہوتا ہے ـــــ

درود پر ذکر کی فضیلت:

آخر اللہ سبحانہ کی عنایت سے معلوم ہوا کہ اس وقت ذکر کرنا درود بھیجنے سے زیادہ بہتر ہے، درود بھیجنے والے کے لئے بھی اور جس پر درود بھیجا جاتا ہے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے لئے بھی۔ اور اس کی دو وجہ ہیں: ایک وجہ تو یہ ہے کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے: مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِیَ السَّائِلِیْنَ[2] (جس کو میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے روکے رکھا میں اس کو سوال کرنے والوں سے بہتر اور زیادہ عطا کروں گا)۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ ذکر حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے ماخوذ ہے

---

[1] ملا غازی نائب کا اصلی نام قاضی خاں تھا، بدخشاں کے رہنے والے تھے۔ علوم ظاہری میں ملا سعید اور مولانا عصام الدین کے شاگرد تھے۔ طریقت میں شیخ حسین خوارزمی کے مرید تھے۔ سنہ ۹۸۲ھ میں دربار اکبری میں حاضر ہوئے ایک ہزاری منصب اور غازی خاں کا خطاب پایا۔ سجدۂ زمین بوسی ان ہی کی اختراع تھی۔ محضر نامے پر بھی ان ہی نے سب سے پہلے دستخط کئے تھے۔ کئی رسالے تصنیف کئے بہتر ۷۲ سال کی عمر پائی (ماثر الامراء منتخب التواریخ)
نیز حضرت مجددؒ کے خلفاء میں ایک صاحب مولانا غازی گجراتی تھے۔ بقول روضۃ القیومیہ کہ وہ حضرت مجدد کے خلفاء میں سے تھے اور شریعت و طریقت کے بڑے پابند تھے۔

[2] اس حدیث کو بخاری، ابو نعیم اور بیہقی نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا نیز بیہقی نے حضرت جابرؓ سے بھی روایت کیا (تشید)

تو اس ذکر کا ثواب جس قدر ذاکر کو ملتا ہے اسی قدر آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی پہنچتا ہے جیسا کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا[1] (رواہ مسلم) (جس شخص نے کسی نیک کام کی بنیاد رکھی تو اس کو اس کا ثواب ملے گا اور اس شخص جتنا ثواب بھی اس کو ملے گا جو اس پر عمل کرے[۵۲]) ------ اسی طرح ہر وہ نیک کام جو کسی اُمتی سے وجود میں آتا ہے اس عمل کا جس قدر اجر عامل کو ملے گا اسی قدر اجر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی جو اس عمل کے وضع کرنے والے ہیں ان کو ملتا ہے بغیر اس کے کہ عامل کے اجر میں کسی قسم کی کمی واقع ہو، اور اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ عمل کرنے والا پیغمبر (کے لئے ثواب) کی نیت سے عمل کرے کیونکہ وہ (اجر کا دینا محض) عطائے حق جل سلطانہٗ ہے، عامل کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ ہاں اگر عامل پیغمبر (کے لئے ثواب) کی نیت بھی کرلے تو اس کے اجر کی زیادتی کا باعث ہوگا اور یہ (اجر کی) زیادتی بھی پیغمبر کی طرف راجع ہوگی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (جمعہ آیۃ ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ذکر سے اصلی مقصود حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد ہے اور اجر کی طلب طفیلی اور تابع ہے اور درود میں اصلی مقصود طلبِ حاجت ہے۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ پس وہ فیوض جو ذکر کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں اُن برکات سے کئی گنا زیادہ ہوتے ہیں جو درود کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں ------ جاننا چاہئے کہ ہر ذکر یہ مرتبہ نہیں رکھتا اور جو ذکر قبولیت کے لائق ہے وہی اس فضیلت کے ساتھ مخصوص ہے، اور جو ذکر ایسا نہیں ہے اس پر درود شریف کو فضیلت ہے اور درود شریف ہی سے برکات حاصل ہونے کی زیادہ امید ہے۔ لیکن جو ذکر طالب کسی کامل مکمل شیخ سے اخذ کرے اور طریقے کے شرائط وآداب کو مدِ نظر رکھ کر اس پر مداومت کرے وہ (ذکر) درود شریف پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ یہ ذکر اس ذکر کا وسیلہ ہے، جبتک یہ ذکر نہیں کرے گا اس ذکر تک نہیں پہنچ سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے مبتدی کیلئے ذکر کرنے کے علاوہ اور کچھ تجویز نہیں کیا ہے اور اس کے حق میں صرف فرائض وسنن کو کافی سمجھا ہے اور نفلی امور سے منع کیا ہے۔ [1] رواہ ابوداؤد، احمد، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی اور دارمی۔

---

[۵۲] اس حدیث میں اُس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے جس میں ارشاد ہے کہ "جو میری مُردہ سنت کو زندہ کرے گا وہ سَو شہیدوں کا ثواب پائے گا" اور یہ مطلب نہیں ہے کہ اس موجودہ زمانے میں نئی بدعات جاری کرے جو امت میں تفرقوں کا باعث ہوں

اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ امت کا کوئی بھی فرد کمالات میں خواہ کتنے ہی بلند درجے پر پہنچ جائے اپنے پیغمبر کی برابری پیدا نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ تمام کمالات جو اس کو حاصل ہوئے ہیں وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی متابعت کے واسطے سے حاصل ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ تمام کمالات (جو اس فرد کو حاصل ہوئے ہیں وہ) پیغمبر کے لئے خاص طور پر ثابت ہیں نیز دیگر متبعین کے کمالات کے ساتھ اور آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے کمالاتِ مخصوصہ کے ساتھ ثابت ہیں۔ اور اسی طرح وہ فرد کامل کسی ایسے پیغمبر کے مرتبہ تک بھی نہیں پہنچ سکتا جس پیغمبر کی کسی ایک شخص نے بھی متابعت نہ کی ہو اور اس کی دعوت کو قبول نہ کیا ہو، کیونکہ ہر پیغمبر بالاصالت صاحبِ دعوت ہے اور تبلیغ شریعت کے لئے مامور ہے، امتیوں کا انکار اس کی دعوت و تبلیغ میں کوئی قصور پیدا نہیں کرتا۔ اور نیز یہ بات بھی ظاہر و باہر ہے کہ کوئی کمال بھی دعوت و تبلیغ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا: فَاِنَّ اَحَبَّ عِبَادِ اللّٰہِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ حَبَّبَ اللّٰہَ اِلٰی عِبَادِہٖ وَحَبَّبَ عِبَادَ اللّٰہِ اِلَی اللّٰہِ وَھُوَ الدَّاعِیْ وَالْمُبَلِّغُ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں میں سب سے زیادہ وہ بندہ محبوب ہے جو بندوں کی دوستی اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ کی دوستی بندوں سے کرائے، اور ظاہر ہے کہ وہ شخص داعی اور مبلغ ہی ہے)

آپ نے سنا ہو گا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ "قیامت کے دن علماء (کے قلم کی) سیاہی کو شہداء فی سبیل اللہ کے خون کے ساتھ وزن کیا جائے گا اور ان کی سیاہی کا پلہ شہداء کے خون کے پلے پر راجح اور غالب آجائے گا۔" اور امت کو (دعوت و تبلیغ کی) یہ دولت جو کچھ بھی میسر ہوتی ہے وہ صرف (آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے طفیل میں ضمنی طور پر حاصل ہوئی ہے۔ اصل اصل ہی ہے اور فرع اصل سے مستنبط ہوتی ہے ——— اس مقام پر اس امت کے داعی اور مبلّغین کی فضیلت کو سمجھنا چاہیئے۔ اگرچہ دعوت و تبلیغ کے درجات مختلف ہیں اور داعیان و مبلغین بھی مختلف درجات رکھتے ہیں۔ علماء تبلیغِ ظاہری کے ساتھ مخصوص ہیں اور صوفیا (تبلیغِ) باطن کے ساتھ اہتمام کرتے ہیں، اور جو عالم بھی ہو اور صوفی بھی، تو وہ کبریتِ احمر (اکسیر) ہے اور وہی ظاہر و باطن کی دعوت و تبلیغ کے شایانِ شان ہے اور حقیقت میں وہی پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا نائب و وارث ہے۔

بعض علماء نے اس امت کے محدثین کو جو احادیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ کرتے ہیں اس امت کے افضل لوگوں میں شمار کیا ہے۔ اگر مطلقاً افضل جانتے ہیں تو اس میں تردد اور

شک ہے، اور اگر ظاہری مبلغین کی نسبت سے کہتے ہیں تو اس کی گنجائش ہے، مطلق افضلیت تو اس جامع مبلغ کے لئے ہے جو ظاہری تبلیغ بھی کرتا ہے اور باطنی تبلیغ بھی۔ یعنی ظاہری دعوت بھی دیتا ہے اور باطنی تبلیغ بھی کرتا ہے۔ کیونکہ مطلقاً افضل قرار دینے میں قصور ہے جو فضل کے اطلاق کرنے کے منافی ہے۔ پس اس بات کو سمجھ لو اور کوتاہ نظر نہ بنو ـــــ اگرچہ ظاہر کتنا ہی عمدہ ہو اور مدارِ نجات بھی ہو اور کثیر البرکت اور عام فائدے کے لئے بھی ہو لیکن اس کا کمال باطن پر موقوف ہے۔ ظاہر بغیر باطن کے ناتمام ہے اور باطن بغیر ظاہر کے داغدار و بد انجام ہے۔ اور جو شخص باطن کو ظاہر کے ساتھ جمع کر لے وہ کبریتِ احمر ہے۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (تحریم آیۃ ۶۶) (اے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارے نور کو کامل کر دے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

## مکتوب ۵۸

پنجاہ و ہشتم

خواجہ محمد تقی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اُن کے سوال کے جواب میں جو عالمِ مثال سے متعلق تھا

ہوا اُن دو جماعتوں کے رد میں جن میں سے ایک تناسخ کی قائل ہے اور دوسری جماعت جو روح کے منتقل ہونے کی قائل ہے اور کمون و بروز کا بیان اور ان کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ۔ صحیفۂ شریفہ جو آپ نے حُسنِ خُلق اور بلند فطرت سے تحریر فرمایا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے ـــــ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ نے فتوحاتِ مکیہ میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ مِائَۃَ اَلْفِ اٰدَمَ[2] (اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ آدم پیدا کئے ہیں)۔ اور ایک حکایت بھی نقل کی ہے جو عالمِ مثال کے بعض مکاشفات میں سے ہے (فرماتے ہیں) جبکہ میں کعبۂ معظمہ کا طواف کر رہا تھا ایسا ظاہر ہوا کہ میرے ہمراہ ایک ایسی جماعت طواف کر رہی ہے جس کو میں نہیں پہچانتا اور اثنائے طواف میں انھوں نے عربی کے دو شعر پڑھے ان دو شعروں میں سے ایک بیت یہ ہے ؎

---

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں دفتر دوم مکتوب ۳۶ - ۵۸ - ۶۰ حالات معلوم نہ ہو سکے ۔ [2] فتوحات عن ابن جابرؓ

۵ لَقَدْ طُفْنَا کَمَا طُفْتُمْ سِنِیْنًا بِھٰذَا الْبَیْتِ طُرًّا اَجْمَعِیْنَا

(طواف اس گھر کا ہم نے بھی کیا ہے کیا ہے جس طرح تم نے بھی برسوں)

جب میں نے یہ بیت سُنی تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہ سب عالمِ مثال کے ابدال ہیں، اور اس خیال کے آتے ہی ان میں سے ایک نے میری جانب دیکھا اور فرمایا کہ "میں تمہارے اجداد میں سے ہوں"۔ میں نے دریافت کیا کہ "آپ کو فوت ہوئے کتنا عرصہ ہوا؟"۔ انھوں نے فرمایا "مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ ہو گئے ہیں"۔ میں نے تعجب سے کہا کہ "ابو البشر (حضرت آدم) علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابتدائے پیدائش سے اس وقت تک سات ہزار سال سے زیادہ نہیں ہوئے"۔ انھوں نے کہا کہ "تم کون سے آدم کی بات کرتے ہو؟ وہ آدم جس کا تم ذکر کرتے ہو وہ تو اس سات ہزار سال کے دورۂ اول میں پیدا شدہ ہیں"۔ ــــــ شیخ نے فرمایا کہ اس وقت وہ حدیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام جو اوپر تحریر ہو چکی ہے میرے دل میں گذری جس سے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔

میرے مخدوم و مکرم! اس مسئلہ میں اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوا وہ یہ ہے کہ یہ سب آدم جو حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود سے پیشتر گذر چکے ہیں ان کا وجود عالمِ مثال میں ہوا ہے نہ کہ عالمِ شہادت میں۔ وہ تو وہی حضرت آدم صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہٗ سبحانہٗ علیٰ نبینا وعلیہم اجمعین ہیں جو عالمِ شہادت میں موجود ہوئے ہیں اور زمین میں خلافت پا کر مسجودِ ملائک ہوئے ہیں۔ ــــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آدم (علیہ السلام) چونکہ جامعیت کی صفت پر مخلوق ہوئے ہیں اور اپنی حقیقت میں بہت سے لطائف و اوصاف رکھتے ہیں۔ ان کے وجود سے پیشتر ہر زمانے میں ان کی صفات میں سے کوئی ایک صفت یا ان کے لطائف میں سے کوئی ایک لطیفہ خداوند جل سلطانہٗ کی ایجاد کے ساتھ عالمِ مثال میں موجود ہوا ہے اور آدم کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور ان کے اسم کے ساتھ مسمّی ہو کر آدم منتظر کے کاروبار اس سے وقوع میں آئے ہیں، یہاں تک کہ توالد وتناسل جو اس عالم کے مناسب تھا وہ بھی ظہور پذیر ہوا اور کمالاتِ ظاہری و باطنی جو اس عالم کے مناسب تھے سب ظاہر ہوتے اور عذاب و ثواب کے مستحق ٹھہرے، بلکہ ان کے حق میں تو قیامت بھی قائم ہو گئی اور بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے گئے ــــــ بعد ازاں پھر کسی وقت میں اللہ سبحانہٗ کی مشیت سے دوسرے صفات و لطائف کے کسی لطیفے کی صفت کے ساتھ حضرت آدم

علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اسی عالمِ مثال میں ظاہر ہوئے اور وہ کاروبار جو ظہورِ اول کے وقت وجود میں آیا تھا ظہورِ ثانی (آدمِ ثانی) کے وقت میں وجود میں آیا اور جب وہ دور بھی تمام ہو گیا تو (آدمِ سوم) حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات ولطائف سے ظہورِ ثالث ہوا۔ اور جب اس ظہور نے بھی اپنا دورہ ختم کر لیا تو چوتھا ظہور ظاہر ہوا۔ اِلیٰ مَاشَاءَ اللّٰہُ تَعَالیٰ ــــــ اور جب اس ظہوراتِ مثالیہ کے دورے جو ان کی صفات ولطائف سے تعلق رکھتے تھے پورے ہو گئے تو آخر الامر وہ نُسخہ جامعہ (حضرت آدم) ایجادِ خداوندی جل سلطانہٗ سے عالمِ شہادت میں وجود میں آیا اور خداوند جل سلطانہٗ کے فضل وکرم ــــــ سے معزز ومکرم ہو گیا۔ اگر ایک لاکھ آدم بھی ہوں تو وہ سب اسی آدم کے اجزا ہیں اور اسی کے دست وپا ہیں اور اسی کے وجود کے مبادی ومقدمات ہیں ــــــ شیخ بزرگوار کے جدِ امجد بھی جن کو فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے وہ عالمِ مثال میں شیخ کے جدِ امجد کے لطائف میں سے کوئی لطیفہ تھا جو عالمِ شہادت میں وجود رکھتا تھا اور یہ بیت اللہ کا طواف جو وہ کرتے تھے عالمِ مثال میں تھا کیونکہ کعبۂ معظمہ کی بھی عالمِ مثال میں ایک صورت اور ایک تشبیہ ہے جو اس عالم کے لئے قبلہ ہوئی۔

اس فقیر نے اس بارے میں دور دور تک نظر دوڑائی اور بہت غور کیا۔ لیکن عالمِ شہادت میں کوئی دوسرا آدم نظر نہیں آیا، اور عالمِ مثال کے شعبدوں کے علاوہ کچھ نہ پایا۔ اور یہ جو بدنِ مثالی نے کہا کہ میں تمہارا جدّ ہوں اور مجھے چالیس ہزار سال سے زیادہ فوت ہوئے گذر چکے ہیں یہ اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ پہلے والے تمام آدم ان (حضرت) آدمؑ کے صفات ولطائف کے ظہورات تھے نہ یہ کہ وہ ایک الگ خِلقت وآفرینش رکھتے تھے اور وہ اس آدمؑ کے مبائن (جدا) تھے کیونکہ مبائن کو اس آدم کے ساتھ کیا نسبت۔ اور وہ شیخ کے جدّ کیسے ہو سکتے تھے۔ اور اس آدمؑ کی خلقت کو تو ابھی سات ہزار سال بھی پورے نہیں ہوئے لہٰذا چالیس ہزار سال کی کہاں گنجائش ہے۔

اور ایک جماعت جس کے دل میں بیماری ہے ان حکایات سے تناسخ مراد لیتے ہیں اور ممکن ہے کہ قدمِ عالَم (عالَم کے قدیم ہونے) کے قائل ہو جائیں اور قیامتِ کبریٰ کا انکار کر دیں۔ اور بعض ملاحدہ (بے دین) جو اپنے زعمِ باطل سے اپنے آپ کو مسندِ شیخی پر سمجھتے ہیں تناسخ کے جواز کا حکم دیتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک نفس کمال کی حد تک نہ پہنچ جائے اس کو مختلف بدنوں کے تبدیل کرنے سے چارہ نہیں ہے اور کہتے ہیں

کہ جب نفس حدِ کمال کو پہنچ جاتا ہے تو تقلب ابدان (بدنوں کا بدلنا) بلکہ تعلقِ ابدان سے فارغ ہو جاتا ہے، اور اس کی آفرینش کا مقصود یہی کمال ہے جو میسر ہو گیا ـــــــ اور یہ بات کفرِ صریح ہے اور ان تمام باتوں کا انکار ہے جو دین میں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ اور آخر کار جب تمام نفوس حدِ کمال کو پہنچ گئے تو پھر دوزخ کس کے لئے اور عذاب کس کو دیا جائے گا۔ نیز اس میں دوزخ کا انکار، عذابِ اخروی کا انکار اور حشر میں جسموں کے ساتھ اُٹھنے کا بھی انکار ہے۔ کیونکہ ان (ملحدوں) کے خیال کے مطابق نفس کو اب جسم کی جو اس کے کمالات کا آلہ ہے کوئی ضرورت نہیں رہی کہ وہ جسم کے ساتھ دوبارہ جی اٹھے ـــــ اس جماعت (قائلینِ تناسخ) کا اعتقاد، فلاسفہ (حکماءِ یونان) کے عقیدے کے مطابق ہے جو حشر اجساد (روز قیامت میں احیائے جسدی) کا انکار کرتے ہیں اور عذاب و ثواب کو روحانی جانتے ہیں بلکہ ان کا اعتقاد تو فلاسفہ کے اعتقاد سے بھی بدتر ہے کیونکہ وہ تو تناسخ کا رد کرتے ہیں اور روحانی عذاب کا اثبات کرتے ہیں، ان کے برخلاف یہ لوگ تناسخ کا بھی اثبات کرتے ہیں اور عذابِ آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں، اور ان کے نزدیک عذاب صرف دنیا کا عذاب ہے جس کا وہ تہذیبِ نفوس کے لئے اثبات کرتے ہیں۔

سوال: حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور دوسرے بعض اولیاء اللہ سے بھی منقول ہے کہ بعض نادر اعمال اور عجیب و غریب افعال ان کے وجودِ عنصری سے قبل اور عالمِ شہادت میں آنے سے بہت پہلے ان سے وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ ان واقعات کی صحت تناسخ کو جائز کئے بغیر کیسے ممکن ہے ـــ

جواب: ان اعمال و افعال کا صادر ہونا ان بزرگوں کی ارواح سے متعلق ہے جو اللہ سبحانہٗ کی نسبت و ارادے سے خود اپنے اجساد کے ساتھ متجسد ہو کر ان عجیب و غریب افعال کے اختیار کرنے والے ہوئے ہیں اور ان کا کوئی دوسرا بدن نہیں ہے کہ جس سے وہ تعلق پیدا کریں ـــــــ تناسخ وہ ہے کہ روح اس جسم کے تعلق سے پہلے کسی دوسرے جسم کے ساتھ تعلق رکھتی ہو جو اس روح کا مباین و مغائر ہے تعلق اختیار کر لیا ہو اور وہ (روح) خود ہی جسد کے ساتھ متجسد ہو جائے تو پھر تناسخ کہاں ہوا۔ ـــــــ جن، جو مختلف صورتوں میں متشکل ہو کر دوسرے اجساد کے متجسد ہو جاتے ہیں اور اس حالت میں ان سے عجیب و غریب اعمال جو ان شکلوں اور جسموں کے مناسب ہیں وقوع میں آتے ہیں، یہ بھی نہ تو کوئی تناسخ ہے اور نہ کوئی حلول ہے۔ جبکہ جنوں کو اللہ سبحانہٗ نے اپنی قدرت سے یہ طاقت عطا فرمائی ہے کہ وہ مختلف شکلوں میں متشکل ہو کر عجیب و غریب اعمال وقوع میں لائیں۔

اگر (حق تعالیٰ) کاملین کی ارواح کو بھی یہ طاقت عطا فرما دے تو اس میں کیا تعجب ہے اور ان کو دوسرے بدن کی کیا حاجت ہے ـــــ اور اسی قسم سے وہ واقعات بھی ہیں جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ آنِ واحد میں مختلف اور متعدد مقامات پر حاضر ہو جاتے ہیں اور ان سے مختلف افعال وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اس جگہ بھی ان کے لطائف مختلف اجساد میں متجسد ہو کر متفرق شکلوں کے ساتھ متشکل ہو جاتے ہیں ـــــ اور اسی طرح وہ عزیز[1] جس کا وطن ہندوستان ہے اور اپنے شہر سے کبھی باہر نہیں گیا۔ (لیکن) ایک جماعت مکہ معظمہ سے آتی ہے اور کہتی ہے کہ ہم نے اس (عزیز) کو حرم کعبہ میں دیکھا ہے اور ہمارے اور اس عزیز کے درمیان اس اس طرح کے واقعات ہوئے ہیں۔ اور دوسری جماعت ایسا بیان کرتی ہے کہ ہم نے اس کو روم میں دیکھا ہے اور ایک دوسری جماعت نے اس کو بغداد میں دیکھا ہے۔ یہ سب اس عزیز کے لطائف کی شکلیں ہیں جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئی ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس عزیز کو ان شکلوں کی اطلاع بھی نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس جماعت کے جواب میں وہ (عزیز) کہتا ہے کہ یہ سب کچھ میرے اوپر تہمت ہے اور میں اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا اور نہ میں نے حرم کعبہ کو دیکھا اور نہ ہی میں روم و بغداد کو جانتا ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ کون لوگ ہیں ـــــ اور اسی طرح ضرورت مند لوگ زندہ اور مردہ عزیزوں (بزرگوں) سے خوف و ہلاکت کے وقت مدد طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان عزیزوں کی صورتیں حاضر ہو گئی ہیں اور ان کی مصیبت کو دور کر دیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس عزیز کو اس مصیبت کے دور کرنے کی اطلاع ہو جاتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ ع

از ما و شما بہانہ بر ساختہ اند (ہمارے تمہارے لئے ہے بہانہ)

اور یہ بھی ان عزیزوں (بزرگوں) کے لطائف کی شکلیں ہیں اور ان شکلوں کی جولانگاہ کبھی عالمِ شہادت ہوتی ہے اور کبھی عالمِ مثال۔ چنانچہ ایک ہی رات میں ہزاروں آدمی آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں اور آپؐ سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہ سب آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صفات و لطائف کی عالمِ مثال میں مختلف صورتیں ہیں ـــــ اور اسی طرح سے مرید اپنے پیروں کی مثالی صورتوں سے استفادہ کرتے ہیں اور وہ مشکلات کو حل کراتے ہیں۔

---

[1] حضرت مجدد صاحبؒ نے اسی طرح کے واقعات دفتر اول مکتوب ۲۱۶ کے آخر میں بھی بیان فرمائے ہیں۔

کمون و بروز (پوشیدہ ہونا اور ظاہر ہوجانا) جو بعض مشائخ نے بیان کیا ہے اس کا تناسخ سے بالکل کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ تناسخ میں نفس کا تعلق دوسرے بدن کے ساتھ اس لئے ہوتا ہے کہ اس کے لئے حیات و زندگی ثابت ہو اور اس کو حس و حرکت حاصل ہو۔ اور بروز میں نفس کا تعلق دوسرے بدن سے اس غرض کے حصول کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس بدن کو کمالات حاصل ہوں اور درجاتِ وصول ہوجائیں۔ جیسا کہ جنّ کسی فردِ انسانی کے ساتھ تعلق پیدا کرلے اور اس شخص کے جسم میں بروز (ظہور) کرے تو اس کا یہ تعلق اس شخص کی زندگی کے واسطے نہیں ہے کیونکہ وہ شخص تو اس تعلق سے پہلے بھی زندہ حساس اور متحرک ہے۔ اور وہ چیز جو اس تعلق سے اس میں پیدا ہوگئی ہے وہ اس جن کی صفات و حرکات اور سکنات کا ظہور ہوتی ہے۔ لیکن مستقیم الاحوال مشائخ کمون و بروز کے بارے میں لب کشائی نہیں کرتے اور ناقصوں کو بلا اور فتنہ میں نہیں ڈالتے ــــــــ اس فقیر کے نزدیک کمون و بروز کی کچھ ضرورت نہیں ہے، اگر کوئی کامل کسی ناقص کی تربیت کرنا چاہتا ہے تو بغیر اس کے کہ اس میں بروز کرے خداوند جل سلطانہٗ کی قدرت سے اپنی صفاتِ کاملہ کو ناقص مرید میں منعکس کردیتا ہے اور توجہ و التفات سے اس انعکاس کو ثبات و قرار دیدیتا ہے تاکہ ناقص مرید نقص سے کمال کو پہنچ جائے اور رذیلہ خصلتوں کو چھوڑ کر صفاتِ حمیدہ اختیار کرلے اور کمون و بروز کچھ بھی درمیان میں نہ ہو۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

اور بعض دوسرے مشائخ نقلِ ارواح کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ روح کو کمال حاصل ہونے کے بعد اس قسم کی قدرت حاصل ہوجاتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے بدن کو چھوڑ کر دوسرے شخص کے بدن میں داخل ہوجائے۔ چنانچہ نقل کرتے ہیں کہ ایک عزیز جو یہ کمال اور قدرت رکھتا تھا اس کے پڑوس میں کسی نوجوان کا انتقال ہوا۔ اس عزیز نے اپنے بدن کو جو بوڑھا ہوچکا تھا اس کو چھوڑ کر اس نوجوان کے بدن میں داخل ہوگیا، حتیٰ کہ اس کا پہلا بدن مُردہ ہوگیا اور اس کا بدنِ ثانی (مُردہ جوان کا بدن) زندہ ہوگیا۔ اس قول سے تناسخ لازم آتا ہے، کیونکہ بدنِ ثانی کا تعلق اس بدن کی زندگی کے لئے ہوگیا۔ ہاں فرق اسقدر ہے کہ جو لوگ تناسخ کے قائل ہیں وہ نفس کے نقص کا حکم کرتے ہیں اور تناسخ کو نفس کی تکمیل کے لئے ثابت کرتے ہیں اور جو لوگ نقلِ روح کے قائل ہیں وہ روح کو کامل خیال کرتے ہیں اور روح کے

کمال کے بعد اس کے منتقل ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔

فقیر کے نزدیک "روح کے منتقل ہونے کا قول" تناسخ کے قول سے بھی زیادہ ناقص اور کمتر ہے، کیونکہ تناسخ کا نفوس کی تکمیل کے لئے اعتبار کیا گیا ہے، اگرچہ یہ اعتبار بھی باطل ہے اور روح کے منتقل ہونے کو حصولِ کمال کے بعد خیال کرتے ہیں، اگرچہ یہ بھی کوئی کمال نہیں ہے کیونکہ جب (لوگوں نے) ابدان کے تبدیل کرنے کو کمالات کا حاصل ہونا قرار دیا ہے تو کمال کے حاصل ہونے کے بعد دوسرے بدن میں منتقل ہونا کس لئے ہے۔ اہلِ کمال تماشائی نہیں ہوتے ان کی ہمت و شان تو حصولِ کمال کے بعد بدنوں سے علیحدگی اختیار کرنا ہے نہ کہ دوسرے بدنوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنا۔ کیونکہ بدنوں کے تعلق سے جو کچھ مقصود تھا وہ تو حاصل ہو چکا ـــــــ اور اسی طرح روح کو منتقل کرنے میں بدنِ اول کو موت دینا ہے اور بدنِ ثانی کو زندہ کرنا۔ لہٰذا بدنِ اول کو برزخ کے احکام کے حصول کے بغیر چارہ نہیں اور قبر کے عذاب و ثواب سے مفر نہیں ہوگا، اور بدن کے لئے جب حیاتِ ثانی ثابت کرتے ہیں تو اس کے حق میں گویا اسی دنیا ہی میں حشر ثابت ہو گیا ـــــــ میں نہیں سمجھتا کہ روح کے منتقل ہونے کا عقیدہ رکھنے والے لوگ عذاب و ثوابِ قبر کے قائل ہوں اور حشر و نشر کے معتقد ہوں۔ افسوس ہزار افسوس! اس قسم کے دروغ گو مسندِ شیخی پر بیٹھے ہیں اور اہلِ اسلام کے مقتدا و پیشوا بنے ہوئے ہیں۔ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا (خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا) رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران آیت ۸ پ ۳) (اے ہمارے پروردگار! تو ہم کو ہدایت عطا فرمانے کے بعد ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر اور ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما بیشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے) بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ۔

## تذییل (ضمیمہ)

بعض ان علوم و معارف کے بیان میں جو عالمِ مثال سے تعلق رکھتے ہیں۔

عالمِ مثال کی وسعت و فراخی

جاننا چاہئے کہ عالمِ مثال تمام عالموں سے زیادہ فراخ ہے، جو کچھ تمام عالموں میں ہے اس کی صورت و شکل عالمِ مثال میں موجود ہے، معقولات و معانی بھی وہاں (عالمِ مثال) میں صورت رکھتے ہیں۔ اہلِ علم (بزرگوں) نے کہا ہے کہ حق جل و علا سلطانہٗ کی کوئی مثل نہیں ہے لیکن مثال ہے وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (نحل آیت ۶۰ پ ۱۴) (اور اللہ تعالیٰ کی مثال سب سے اعلیٰ ہے)۔

اس فقیر نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ "تنزیہ صرف" کے مرتبہ میں جیسا کہ مثل نہیں ہے مثال بھی نہیں ہے: فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (نحل آیت ۷۴)(پس اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مثال بیان نہ کرو) عالم صغیر میں عالم مثال کا نمونہ "خیال" ہے۔ کیونکہ خیال میں تمام اشیا کی صورت متصور ہے۔ سالک کے احوال و مقامات کی کیفیات کو "خیال" ہی (صورتوں میں) متصور کر کے ظاہر کرتا ہے اور ارباب علم میں سے بنا دیتا ہے۔ اور اگر خیال نہ ہو یا جس جگہ خیال نہ پہنچ سکتا ہو تو وہاں جہل لازم آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرتبہ ظلال سے بالا جہل وحیرت کا مرتبہ ہے، کیونکہ خیال کی دوڑ ظلال کے مراتب تک ہی ہے جہاں ظل نہیں ہے وہاں خیال کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جب "صورتِ تنزیہی" عالم مثال میں نہیں آسکتی جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے تو خیال میں بھی جو کہ عالم مثال کا پرتو ہے "صورت تنزیہی" کس طرح متصور ہو سکتی ہے؟ فَلَا جَرَمَ لَا یَکُوْنُ ثَمَّہٗ اِلَّا الْجَہْلُ وَالْحَیْرَۃُ (پس لازماً وہاں جہل وحیرت کے سوا کچھ نہ ہوگا) ——

—— اور جس جگہ علم نہیں ہوتا وہاں گفتگو بھی نہیں ہوتی: مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانُہٗ (جس کو حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو گئی اس کی زبان گنگ ہو گئی) یہ اس کی نشانی ہے۔ اور جس جگہ علم ہوتا ہے وہاں گفتگو بھی ہوتی ہے۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ طَالَ لِسَانُہٗ (جس کو حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو گئی اس کی زبان دراز ہو گئی) یہ اس (حقیقت) کا بیان ہے۔ لہٰذا زبان کی درازی ظلال میں ہوتی ہے اور زبان کا گونگا ظلال کے مراتب سے بالاتر ہے، خواہ وہ (ظل) فعل ہو یا صفت، اسم ہو یا مسمّٰی۔ لہٰذا جو کچھ بھی خیال کا تراشیدہ ہے وہ چونکہ ظلال سے ہے اور علت سے معلول اور جعل سے مجعول ہے (یعنی بسبب ایجاد موجود ہے) لہٰذا اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ جب وہ مطلوب کے آثار وعلامات سے ہے تو علم الیقین کا فائدہ دیتا ہے۔ عین وحق (یعنی عین الیقین اور حق الیقین) ظلال وخیال سے ماوراء ہیں۔

—— خیال کی فن کاریوں سے اس وقت خلاصی میسر ہوتی ہے جبکہ سیر انفسی کو بھی سیر آفاقی کی طرح پس پشت ڈال دیا جائے اور آفاق وانفس سے ماوراء جولانی کریں۔ یہ معنی (مقام) اکثر اولیاء کو بعد از مرگ حاصل ہوتا ہے، اور جب تک زندہ رہتے ہیں "خیال" ان کا دامنگیر رہتا ہے، اور اکابر اولیا میں سے بہت کم ایسے ہیں جن کو یہ دولت دنیا میں میسر ہو جاتی ہے۔ اور اس دنیاوی زندگی کے باوجود خیال کے غلبہ کے تصرف سے باہر نکل آتے ہیں اور مطلوب کو بے تراش وخراش اور ایجاد کے بغیر پہلو میں لے لیتے ہیں۔ اس وقت تجلی ذاتی برقی ان بزرگوں کے حق میں دائمی ہو جاتی ہے اور وصل عریاں پرتو ڈالتا ہے ۵

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

(مبارک منعموں کو ان کی دولت مبارک عاشقوں کو درد و کلفت)

سوال: ایک جماعت اپنے واقعات و منامات میں (عالم) مثال و خیال میں دیکھتی ہے کہ ہم بادشاہ ہو گئے ہیں اور اپنے خدم و حشم کا معائنہ کر رہے ہیں، اور (بعض) ایسا بھی دیکھتے ہیں کہ ہم قطب بن گئے ہیں اور ایک عالم ہماری طرف متوجہ ہے۔ حالانکہ عالمِ بیداری اور ہوش میں جو کہ عالمِ شہادت ہے ان کمالات میں سے کسی کا بھی ظہور نہیں ہوتا۔ اس رویت کی کوئی حقیقت ہے یا باطل محض ہے؟

جواب: یہ رویت کسی قدر سچائی رکھتی ہے اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس جماعت میں بادشاہت اور قطبیت بننے کے معنی اور استعداد پائی جاتی ہے لیکن یہ معنی ان میں بہت کمزور ہیں اور اس لائق نہیں کہ عالم شہادت میں اس کا ظہور ہو۔ بعد ازاں یہ بات دو حال سے خالی نہیں ہے۔ اگر یہ معنی اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے قوت حاصل کر لیں تو اللہ سبحانہٗ کی قدرت سے عالمِ شہادت میں بھی وہ بادشاہ بن جاتا ہے، اور اسی طرح قطب وقت بھی ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ معنی اس قدر طاقت نہ پیدا کر سکے کہ عالم شہادت میں اس کا اظہار ہو سکے تو پھر اسی ظہورِ مثالی پر جو کمزور ظہور ہے کفایت کرنی پڑتی ہے اور اپنی قوت کے مطابق ظہور پاتا ہے ——— اسی قسم کے وہ واقعات ہیں جو اس راہ کے طالب دیکھتے ہیں اور اپنے آپ کو مقاماتِ عالیہ میں پاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اربابِ ولایت کے مناصب سے سرفراز ہو گئے ہیں۔ اگر یہ معنی عالمِ شہادت میں ظہور کریں تو یہ بہت بڑی دولت ہے اور اگر ظہورِ مثالی پر ہی کفایت ہو تو پھر لاحاصل اور جائے مصیبت ہے کیونکہ ہر حیلاہا اور حجام بھی خواب میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھتا ہے لیکن اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا اور خسارہ کے سوا ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں آتا۔ لہٰذا واقعات (و مشاہدات) پر کوئی اعتبار نہیں کرنا چاہیئے اور عالمِ شہادت میں جو کچھ میسر ہو جائے وہی اس کا ہے ؎

چو غلامِ آفتابم ہم ز آفتاب گویم نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

(غلام خود ہوں اُسی کی میں بات کرتا ہوں نہ شب پرست نہ شب ہوں کہ خواب کہتا پھروں)

یہی وجہ ہے کہ اکابرِ نقشبندیہ واقعات (اور خوابوں) کا کوئی اعتبار نہیں کرتے اور طالبوں کے واقعات کی تعبیر میں توجہ نہیں دیتے کیونکہ ان چیزوں میں نفع بہت کم ہے۔ معتبر وہی ہے جو ہوش اور بیداری میں میسر ہو جائے۔ لہٰذا دوامِ شہود کا اعتبار کرتے ہیں اور دائمی حضوری کو دولت سمجھتے ہیں۔

اور وہ حضوری جس کے پیچھے غیبت (فراموشی) ہو ان بزرگوں کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نسیانِ ماسوا (یعنی غیر حق کو بھول جانا) ان کے حق میں دائمی ہو گیا ہے اور غیر کے خطرے ان کے قلب سے ہمیشہ کے لئے زائل ہو گئے ہیں۔ ہاں جس شخص کی بدایت میں نہایت درج ہو چکی ہے اس سے ان کمالات کا ظہور کچھ بعید نہیں ہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (آل عمران آیت ۱۴۷) (اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمارے کاموں میں زیادتی ہوئی ہے اس کو بھی (بخش دے) اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور ہم کو کافروں پر غالب فرما) والسّلامُ

پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ معقول و موہوم اور مکشوف و مشہود سب ماسوی میں داخل ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ وہ صحیفۂ شریفہ جو قرۃ العین (آنکھوں ٹھنڈک) نے ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ (اس میں تحریر تھا کہ حضرتِ حق سبحانہ و تعالیٰ کے کرم سے وہ شعبدے برطرف ہو گئے ہیں اور اس قسم سے کچھ بھی باقی نہیں رہا اب ہمت کی توجہ اس جانب لگی ہوئی ہے کہ اثبات سے متعلق کوئی چیز بھی ہاتھ نہ آئے، معقول اور موہوم سب لا کے تحت آجائیں۔ اور اسی طرح کی اور باتیں بھی جو لکھی تھیں یہ سب تکلف کے ساتھ ہے، امید ہے کہ یہ بھی بے تکلف نصیب ہو جائے گی۔

اے شرافت کے نشان والے! معقول و موہوم بلکہ مشہود و مکشوف، خواہ آفاقی ہو یا انفسی سب کا سب ماسوی کے دائرے میں داخل ہے اور یہ سب لہو و لعب ہے۔ اور (اس کی حقیقت) شعبدہ بازی کی گرفتاری سے زیادہ نہیں ہے۔ اس گرفتاری کا زائل ہونا اگر تکلف کے ساتھ ہے تو طریقت میں داخل ہے اور علم الیقین کی قسم سے ہے۔ بہر تقدیر اگر یہ دولت بے تکلف میسر ہو جائے اور نفی کے تکلف سے ماسوی کی دوری بھی نصیب ہو جائے تو طریقت کی تنگی سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور علم کے کوچہ سے باہر نکل جاتا ہے اور فنا کے ساتھ مشرف ہو جاتا ہے۔ یہ بات کہنے میں تو بہت آسان ہے

---

۱؎ آپ کے نام سات مکتوبات ہیں اور تفصیل و تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۶۶ پر گذر چکا ہے۔

لیکن اس تک پہنچنا دشوار اور بہت دشوار ہے۔ مگر جس کے لئے اللہ سبحانہ آسان فرمادے۔

وہ کاروبار جو حقیقت سے تعلق رکھتا ہے آگے ہے اور نفی سے گذر جانے بلکہ مقامِ اثبات کی نفی کرنے میں ہے اور بیرون علم، عین (اور بیرون علم الیقین، عین الیقین) ہے ــــــ جاننا چاہئے کہ حقیقت کے مقابلے میں طریقت کا کوئی اعتبار نہیں اور نفی کو اثبات سے کچھ نسبت نہیں کیونکہ متعلقِ نفی ممکنات ہیں اور متعلقِ اثبات واجب تعالیٰ ہے۔ اور نفی اثبات کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے دریائے بے کنار کے پہلو میں ایک قطرہ۔ اور جب یہ نفی و اثبات حاصل ہو جاتا ہے تو ولایتِ خاصہ تک پہنچ جاتے ہیں پھر ولایتِ خاصہ کے حصول کے بعد عروج ہے یا نزول، اگرچہ اس عروج کے لئے بھی نزول لازم ہے۔
رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (تحریم آیت ۸) (اے ہمارے پروردگار ہمارے نور کو کامل کردے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر شے پر قادر ہے) وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (سلام ہو آپ پر اور ان لوگوں پر جنھوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)۔

محمد نقیؒ[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ ان کے خط کے جواب میں اور اس بیان میں کہ فضولیاتِ دین سے منہ پھیر کر دین کی ضروری باتوں میں مشغول ہو جانا چاہئے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــــ آپ کے صحیفۂ شریفہ کے مطالعہ سے مشرف ہوا جن دلائل کی طرف آپ نے رہنمائی پائی تھی اور جو کچھ آپ نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی حقیقت کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ وہ اہل حل وعقد کے اجماع سے اور صدرِ اول یعنی خیر القرون سے ثابت ہے، اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی افضلیت کے بارے میں جو کہ ان کی خلافت کی ترتیب پر (ان کی افضلیت) مرتب ہے، اور اصحابِ خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اختلافات اور جھگڑوں کے بارے میں خاموشی اختیار کرنے کے متعلق جو کچھ تحریر کیا ہے بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں دفتر دوم مکتوب ۳۶، ۵۸، ۶۰۔ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

امامت کی بحث میں یہی اعتقاد کافی ہے اور اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیھم کے موافق ہے۔

میرے مخدوم شفقت کے نشان والے! امامت کی بحث فروعاتِ دین میں سے ہے نہ کہ اصولِ شریعت سے دین کی ضروریات دوسری چیزیں ہیں جو اعتقاد اور عمل سے تعلق رکھتی ہیں جن کا متکفل علمِ کلام اور علمِ فقہ ہے۔ ضروری باتوں کو چھوڑ کر فضولیات میں مشغول ہونا اپنی عمر کو غیر ضروری باتوں میں صرف کرنے کے مترادف ہے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے: عَلَامَۃُ اِعْرَاضِہٖ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُہٗ بِمَا لَا یَعْنِیْہِ[1] (بندہ کا غیر ضروری باتوں میں مشغول ہونا بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے منہ پھیر لینے کی علامت ہے)۔

——— اگر امامت کی بحث ضروریاتِ دین اور اصولِ شریعت میں سے ہوتی جیسا کہ شیعہ گمان کرتے ہیں تو حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی کتاب مجید میں خلافت کی ترتیب کا تعین فرما دیتا اور خلیفہ کی تشخیص کا امر کر دیتا۔ اور حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات بھی کسی ایک کی خلافت کا حکم فرما دیتے اور صراحت ووضاحت کے ساتھ کسی ایک کو خلیفہ بنا دیتے۔ اور چونکہ کتاب وسنت میں اس امر کا اہتمام مفہوم نہیں ہوتا لہذا معلوم ہوا کہ امامت کی بحث دین میں غیر ضروری ہے اور اصولِ دین سے نہیں ہے۔ وہ شخص فضول ہی ہوگا جو ایسی فضول باتوں میں مشغول ہو۔ دین کی ضروریات اتنی زیادہ ہیں کہ فضول باتوں کی نوبت ہی نہیں آتی ——— سب سے پہلے اعتقاد کی تصحیح کے بغیر چارہ نہیں جس کا تعلق حق جل سلطانہٗ کی ذات وصفات اور اس کے افعالِ واجبی سے ہے۔ نیز یہ اعتقاد بھی رکھنا چاہئے کہ جو کچھ پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام حق جل وعلا کی طرف سے لائے ہیں اور دین کی جو باتیں یقین وتواتر سے معلوم ہوئی ہیں یعنی حشر ونشر عذاب وثوابِ اُخروی دائمی اور وہ تمام باتیں جو شارع علیہ السلام سے سُنی گئی ہیں سب حق ہیں اور ان میں تخلف اور عدم وجود کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ اگر یہ اعتقاد نہ ہوگا تو نجات بھی نہ ہوگی ———

دوم یہ کہ احکامِ فقہیہ کی بجا آوری کے بغیر چارہ نہیں ہے اور فرائض وواجبات کی ادائیگی بلکہ سنن ومستحبات کی ادائیگی کے بغیر بھی گذر نہیں ہے۔ شریعت کی حلال وحرام کی ہوئی چیزوں کی رعایت بھی اچھی طرح کرنی چاہئے اور حدودِ شریعت کو ملحوظ رکھنا چاہئے تاکہ آخرت کے عذاب سے نجات وفلاح حاصل ہو۔ اور جب اعتقاد وعمل درست ہو جائے تو طریقۂ صوفیہ کی نوبت آتی ہے اور کمالاتِ ولایت کا امیدوار بنتا ہے۔ امامت کی بحث کو دین کی ضروریات کی نسبت ایسی ہے جیسے راستہ میں کوڑا پڑا ہوا ہوتا ہے!

[1] یہ حدیث دفتر اول مکتوب ۱۵۷ پر گذر چکی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ چونکہ مخالفین نے اس (امامت) کے بارے میں غلو اور مبالغہ کیا ہے اور اصحاب حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اس لئے ضرورت کی وجہ سے ان کے رد میں لمبے چوڑے مقدمات لکھنے پڑے کیونکہ دین متین سے فساد دور کرنا بھی ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ والسلام

# مکتوب ۶۱

مرحوم مولانا احمد برکی کی تعزیت اور دوستوں کو نصیحت کرتے ہیں اور مولانا حسن کو ان کے حلقہ کا سردار بناتے ہیں اور اس کے مناسب بیان میں صادر فرمایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد اور مغفرت پناہ مولانا احمد علیہ الرحمۃ کی تعزیت کرتے ہوئے عرض ہے کہ مولانا (احمد برکی) کا وجود شریف اس وقت (وہاں کے) مسلمانوں کے لئے حق جل وعلا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اس بزرگ و برتر کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحۡرِمۡنَا اَجۡرَہٗ وَلَا تَفۡتِنَّا بَعۡدَہٗ (اے اللہ! تو اس کے اجر سے ہم کو محروم نہ کر اور اس کے بعد ہم کو فتنے میں نہ ڈال) ——— احباب اور دوستوں سے امید و التجا ہے کہ گذرے ہوئے لوگوں کی (ایصالِ ثواب کے ذریعے) امداد و اعانت فرمائیں اور مرحوم کے فرزندوں اور متعلقین کی خدمت گاری اور دل جوئی کرنا محبوں اور مخلصوں پر لازم ہے۔ اور اس امر میں بہت کوشش کریں کہ مولانا مرحوم کے فرزند تعلیم جاری رکھیں اور علوم شرعیہ سے آراستہ ہو جائیں، مرحوم کے احسان کا بدلہ ان کے بیٹوں پر احسان کرنا ہے۔ ھَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ (رحمٰن آیت ۶۰) (احسان کا بدلہ احسان ہی ہے) ——— اور مرحوم کے اوضاع و اطوار کی رعایت رکھیں اور ان کے احوال و اوقات کو مدِّ نظر رکھیں، طریقہ ذکر اور حلقہ مشغولی میں کسی قسم کا قصور واقع نہ ہونے پائے۔ سب دوست جمع ہو کر بیٹھیں اور ایک دوسرے میں فانی ہوں تاکہ صحبت کا اثر ظاہر ہو۔

اس فقیر نے اس سے پہلے اتفاقیہ طور پر لکھا تھا کہ اگر مولانا (احمد برکی) سفر اختیار کریں تو ان کو چاہیئے کہ شیخ حسن کو اپنی جگہ پر مقرر کر دیں۔ شاید قضا و قدر کو یہی سفر مقصود تھا۔ اب بھی بار بار ملاحظہ کرتا ہوں تو شیخ حسن ہی کو اس امر پر متعین اور مقرر پاتا ہوں۔ یہ بات بعض دوستوں کو ناگوار

نہ گذرے کیونکہ ہمارے اور ان کے اختیار میں نہیں ہے، بہر صورت انقیاد و فرمانبرداری لازم ہے ——— ——— شیخ حسن کا طریق مولانا (برکی) کے طریقے کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے، اور مولانا نے آخر میں جو نسبت اس طرف سے حاصل کی تھی شیخ حسن بھی اس نسبت میں شریک ہے اور دوسرے دوستوں کو اس معنی میں بہت کم حصہ ملا ہے اگرچہ وہ کشف و شہود حاصل کر لیں اور توحید و اتحاد سے مشرف ہو جائیں لیکن پھر بھی یہ دولت اور چیز ہے اور یہ کار و بار الگ ہے، اور یہاں ان کشوف کو ایک جو سے بھی نہیں خریدتے اور ایسے توحید و اتحاد سے استغفار کرتے ہیں ——— غرض دوستوں کو لازم ہے کہ شیخ حسن کی تقدیم (قائم مقام بناتے میں) توقف نہ کریں اور ان کو سرِ حلقہ بنا کر اپنے کام میں مشغول ہو جائیں ——— برادرم خواجہ اویس یہ بات دوستوں کو ذہن نشین کرا کر حلقۂ مشغولی کی طرف رہنمائی کریں اور شیخ حسن کی طرف ترغیب و تربیت فرمائیں ——— شیخ حسن کو بھی چاہیئے کہ اپنے پیر بھائیوں کے دل کی محافظت کریں اور برادری کے حقوق اچھی طرح بجا لائیں، اور فقہ کی کتابوں کا مطالعہ نہ چھوڑیں، احکام شریعت کی اشاعت کریں اور سنتِ سنیہ کی متابعت کی ترغیب دیں اور بدعت سے ڈرائیں اور ہٹائیں اور التجا و تضرع و زاری کے طریق کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ ایسا نہ ہو کہ نفسِ امارہ دوستوں پر تقدم و ریاست حاصل ہونے کی وجہ سے ہلاکت میں ڈال دے اور خراب و ابتر کر دے لہذا ہر وقت اپنے آپ کو قاصر و ناقص جان کر کمال کے طالب رہیں۔ اور نفس و شیطان جو دو بڑے دشمن گھات میں لگے ہوئے ہیں ایسا نہ ہو کہ راستے سے بھٹکا دیں اور محروم و خاسر کر دیں۔

همه اندرزِ من بتو ایں است ‌ ‌ ‌ ‌ که تو طفلی و خانہ رنگیں است

(یہ نصیحت مگر ہے تیرے لئے ‌ ‌ ‌ ‌ کہ تو بچہ ہے، گھر ہے رنگ برنگ)

ہندوستان آپ لوگوں سے بہت دور ہے اور سال بھر میں ایک قافلہ آتا ہے جو خبر لاتا اور لے جاتا ہے۔ احوال لکھتے رہا کریں اگر ہم تک نہیں پہنچ سکتے تو بھی حالات لکھنے سے غافل نہ رہیں ——— ——— میاں شیخ یوسف بھی ہمارے قریبی دوستوں میں سے ہیں اور ایک عرصہ تک یہاں مقیم رہے ہیں اور بہت فوائد اخذ کر چکے ہیں اور فنا کی حقیقت سے بھی مطلع ہو گئے ہیں اور واپس آنے کا وعدہ کر کے اپنے گھر گئے ہیں، مردِ مستعد صادق الاخلاص ہیں، اللہ سبحانہٗ توفیق دینے والا ہے ——— چونکہ آپ لوگ دور ہیں اس لئے نصیحت میں مبالغہ کیا گیا ہے۔ ہوشیار رہیں اور ریاست و امارت کو اپنے لئے بلائے جان سمجھتے ہوئے

اس سے ترساں و لرزاں رہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس ریاست میں لذت پیدا ہو جائے اور ہلاکتِ ابدی تک پہنچا دے ——— رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْۤ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (آل عمران آیۃ ۱۴۷) (اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کاموں میں جو ہم سے زیادتیاں ہوئی ہیں ان کو بھی بخش دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہماری مدد فرما) ——— سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (صٰفّٰت آیۃ ۱۸۰ تا ۱۸۲) (پاک ہے تمہارا رب عزت والا ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو تمام رسولوں پر اور تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے)

## مکتوب ۶۲
### شصت و دوم

(عبد الرحیم) خانِ خاناں[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور اپنے تمدن و تعیش میں بنی نوعِ انسان کا محتاج ہے اور انسان کی خوبی بھی اسی احتیاج میں ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے آپ کی ظاہری و باطنی ترقی کے لئے سوال کرتا ہوں، کیونکہ آپ کی خیر و صلاح میں مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کی دل جمعی اور عیش و آرام متضمن ہے۔ آپ کے لئے دعا کرنا گویا ان تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت سید المرسلین علیہ و علیہم و علیٰ آل کل من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کے طفیل آپ کو ان تمام برائیوں سے محفوظ رکھے جو آپ کے لائق نہیں ہیں۔ چونکہ (یہ فقیر) جانتا ہے کہ آپ کی محبت و ارادت اور اخلاص کی نسبت سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے اکابرین کے ساتھ کامل اور اتم جانتا ہے اسی وجہ سے آپ کو تکلیف دی جاتی ہے۔

میرے مخدوم و مکرم! اس سلسلۂ عالیہ کے لوگ اس ملک (ہندوستان) میں نو وارد اجنبیوں کی طرح پڑے ہوئے ہیں اور بدعتوں کے رواج پانے کی وجہ سے اس ملک کے رہنے والوں کو ان بزرگواروں کے طریقے کے ساتھ جس میں سنت کا التزام ہے بہت کم مناسبت ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس سلسلہ کے

---

[1] آپ کے نام تیرہ ۱۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ و تفصیل مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۳ پر درج ہے

لوگوں میں سے بھی بعض نے قصور نظر کے باعث اس طریقۂ عالیہ میں بھی بدعتوں کو اختیار کر لیا ہے اور بدعت کا ارتکاب کر کے لوگوں کے دلوں کو اپنی جانب مائل کر رہے ہیں اور اس عمل کو اپنے خیال میں اس طریقۂ عالیہ کی تکمیل گمان کرتے ہیں۔ حاشا وکلا، بلکہ یہ لوگ اس طریقے کے خراب و برباد کرنے میں کوشش کر رہے ہیں ان کو اس طریقے کے اکابرین کے معاملے کی حقیقت معلوم ہی نہیں۔ اللہ سبحانہٗ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دے ——— اور چونکہ اس سلسلۂ عالیہ کے حضرات اس شہر میں بہت کم ہیں، لہذا اس سلسلے کے مریدوں اور محبوں پر لازم ہے کہ ان اکابرین کے خلفا اور طلبا کی امداد و اعانت کریں کیونکہ آدمی مدنی الطبع (مل جل کر رہنے کا عادی) پیدا کیا گیا ہے اور وہ تمدن اور اسبابِ معیشت حاصل کرنے میں اپنے بنی نوع (دوسرے انسان) کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (انفال آیت ۶۴) (اے نبی! آپ کے لئے اللہ تعالیٰ اور آپ کے تابعدار مومنین کافی ہیں) ——— جبکہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ضروری امور کی کفایت میں مومنوں کو داخل کیا گیا ہے تو دوسروں کے لئے کیا مضائقہ ہے۔ اس وقت کے اکثر امراء درویش کے لئے سمجھتے ہیں کہ ان کو کسی چیز کی حاجت نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ انسان اپنی ذات میں بھی محتاج ہے بلکہ تمام کائنات کا ذاتی خاصہ (احتیاج) ہے، بلکہ انسان کی خوبی بھی اسی احتیاج میں ہے، اور اس میں عاجزی و بندگی بھی اسی راستے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر بالفرض انسان کی محتاجی زائل ہو کر استغنا پیدا ہو جائے تو سوائے گناہ و سرکشی اور فساد و نافرمانی کے اس کو نقد وقت کیا حاصل ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی (علق آیت ۶ و ۷) (بیشک انسان (اسوقت) سرکشی کرتا ہے جب اپنے آپ کو غنی دیکھتا ہے)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ فقرا جو ماسوی کی گرفتاری سے آزاد ہیں اور وہ احتیاج جو اسباب سے متعلق ہے اس کو مسبب الاسباب کے حوالے کر دیتے ہیں اور دولت کی فراخی کو اللہ تعالیٰ کے خوانِ نعمت سے جانتے ہیں، اور معطی (عطا کرنے والا) اور مانع (نہ دینے والا) حقیقت میں اسی سبحانہٗ کو تصور کرتے ہیں۔ اور چونکہ (کارکنانِ قضا و قدرت نے) اسباب کو حکمتوں اور مصلحتوں کے پیشِ نظر واسطہ بنایا ہے اور اچھائی اور برائی کو اسباب کے ساتھ منسوب کر دیا ہے اس لئے یہ بزرگوار بھی شکر و شکایت کو اسباب کی طرف راجع کرتے ہیں اور اچھے برے کو بظاہر ان ہی اسباب سے جانتے ہیں، کیونکہ اگر اسباب کو دخل نہ دیں

تو دنیا کا یہ عظیم کارخانہ باطل ہو جاتا ہے: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران آیۃ ۱۹۱) (اے ہمارے پروردگار! یہ کارخانہ تونے بے فائدہ نہیں بنایا)۔

سیادت پناہ حقائق و معارف آگاہ اخوی اعزی میر محمد نعمان کا وجود شریف آپ کے علاقہ میں بہت غنیمت ہے اور ان کی دعا و توجہ کبریتِ احمر (اکسیر) کا حکم رکھتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کی توجہات کے برکات و فیوض آپ کی دولت کو قائم رکھنے والے ہیں اور حضور و غیبت میں ان کو آپ کا ہمدرد و معاون پاتا ہوں۔ ایک سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے کہ انھوں نے غائبانہ طور پر اس فقیر کو آپ کی خوبیاں لکھی تھیں اور اس میں وہ محبت و اخلاص بھی درج تھا جو آپ کو اس فقیر کی نسبت حاصل ہے اور اس کا بھی اظہار تھا کہ "اس علاقہ کی صوبیداری کسی دوسرے کو سپرد کر دی گئی ہے لہذا توجہ اور دستگیری فرمائیں ــــــــ فقیر کو اس خط کے مطالعہ کے دوران اس بارے میں توجہ حاصل ہو گئی تو آپ کو اس وقت رفیع القدر پایا۔ اتفاقاً اسی وقت ایک شخص اس طرف جا رہا تھا لہذا اس خط کے جواب میں یہ عبارت لکھدی کہ "خان خاناں در نظر رفیع القدر می درآید" (یعنی خان خاناں نظرِ کشفی میں بلند درجہ دکھائی دیتے ہیں) وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ (سب کام اللہ سبحانہٗ کے اختیار میں ہیں) وَالسَّلَام۔

نور محمد انبالوی[1] کی طرف صادر فرمایا ــــ ان کے سوال کے جواب میں کہ اگر کوئی طالب اپنے پیر کی زندگی میں کسی دوسرے شیخ کے پاس حاضر ہو کر اس سے حق جل و علا کی طلب کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ جو گرامی نامہ آپ نے ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ آپ نے دریافت کیا تھا کہ اپنے پیر کی زندگی ہی میں اگر کوئی طالب کسی دوسرے شیخ کے پاس چلا جائے اور اس سے حق جل و علا کی طلب کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ ــــ ــــ جاننا چاہئے کہ (اصل) مقصود حق سبحانہٗ ہے، اور پیر حق تعالیٰ کی جناب قدس تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ اگر طالب اپنی ہدایت کسی دوسرے شیخ کے پاس دیکھے اور اپنے دل کو اس کی صحبت میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ خاطر جمع پائے تو جائز ہے کہ طالب پیر کی زندگی ہی میں پیر کی اجازت کے بغیر

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔

اس شخص کے پاس جائے اور اس سے رشد و ہدایت طلب کرے۔ لیکن چاہئے کہ پیر اول کا بھی انکار نہ کرے اور اس کو نیکی کے ساتھ یاد رکھے۔ اس زمانے میں خصوصاً پیری و مریدی محض رسم و عادت کے طور پر رہ گئی ہے۔ جبکہ اس وقت اکثر پیروں کو اپنی ہی خبر نہیں ہے اور ایمان و کفر میں امتیاز نہیں کر سکتے تو پھر وہ خدائے جل شانہٗ سے متعلق کیا خبر دیں گے اور مرید کو کونسا راستہ دکھائیں گے ؎

آگہ از خویشتن چو نیست جنین　　کے خبر دارد از چنان و چنیں

(جب وہ خود ہی خبر نہیں رکھتے　　دوسروں کو وہ کیا بتائیں گے)

ایسے مرید پر افسوس ہے کہ اس طرح کے (ناقص) پیر پر اعتقاد کر کے بیٹھ جائے اور کسی دوسرے پیر کی طرف رجوع نہ کرے اور خداوند جل شانہٗ کا راستہ معلوم نہ کرے۔ یہ شیطانی خطرات ہیں جو ناقص پیر کی زندگی کی راہ سے آکر طالب کو حق سبحانہٗ سے ہٹائے رکھتے ہیں۔ جس جگہ بھی ہدایت اور دل جمعی پائے بلا توقف ادھر رجوع کرنا چاہئے اور شیطانی وسوسوں سے پناہ مانگنی چاہئے۔

## مکتوب ۶۴
شصت و چہارم

محمد مومن[1] ولد خواجہ علی خاں مرحوم کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ تلونِ احوال اور کمینی دنیا کی امیدوں کے حاصل نہ ہونے سے دل تنگ نہیں ہونا چاہئے اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان باتوں سے محفوظ رکھے جو آپ کے حال کے لائق نہ ہوں —— اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ[2] (دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے)۔ اور قید خانہ کے مناسبِ حال تو درد و الم اور رنج و مصیبت ہی ہیں۔ تلونِ احوال (احوال کی تبدیلی) سے دل تنگ نہ ہوں اور امیدوں کے حاصل نہ ہونے سے بھی دل گیر نہ ہوں۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (انشراح آیت ۵-۶) (پس بیشک ہر سختی کے ساتھ آسانی ہے بیشک ہر سختی کے ساتھ آسانی ہے) اس جگہ ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں[3] ملا دی گئی ہیں شاید اس سے فراخیِ دنیا اور فراخیِ آخرت مراد ہو۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔
[2] شرح السنۃ میں اس روایت کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا۔
[3] حدیث صحیح میں وارد ہے لَنْ يَّغْلِبَ عُسْرٌ يُّسْرَيْنِ۔ یعنی ایک سختی دو آسانیوں پر غلبہ نہیں کر سکتی۔

ع باکریماں کارہا دشوار نیست (کریموں کے لئے مشکل نہیں کام)

اس علاقہ کے باقی احوال سیادت مآب توفیق آثار برادرم میر سید عبدالباقی بالمشافہ آپ سے بیان کریں گے میر صاحب موصوف آپ کی عنایات اور مہربانیوں کو مدنظر رکھ کر آپ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ والسلام

## مکتوب ۶۵
شصت و پنجم

مولانا محمد ہاشم خادم[1] کی طرف بے فائدہ کاموں سے بچنے کے بارے میں صادر فرمایا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ نے اس عرصہ میں اپنے باطنی احوال کی کوئی معتدبہ ( خاص ) خبر نہیں لکھی جو فرحت و خوشی کا باعث ہوتی۔ دنیا کے کام بے فائدہ ہیں۔ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ اس لائق نہیں کہ آخرت کے احوال کی یاد کو چھوڑ کر کوئی شخص ان لغویات میں مشغول ہو جائے۔ اگرچہ آپ کی نیت درست ہو لیکن آپ نے سنا ہوگا: حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے حق میں برائیاں ہوتی ہیں) ——— بہر حال اپنے باطنی احوال میں متوجہ رہیں اور ضمنی کاموں کو بھی ضرورت کے مطابق انجام دیتے رہیں۔

اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ اس جگہ کے فقراء اگرچہ کوئی رزقِ معیّن نہیں رکھتے لیکن بغیر سعی و کوشش فراغت اور وسعت کے ساتھ گذر بسر کر رہے ہیں، بلکہ ضرورت سے زیادہ رزق پہنچ رہا ہے۔ ہر نئے دن نئی روزی ہمارے لئے نقد وقت ہے۔ باقی اس علاقے کے حالات حمد و ستائش کے لائق ہیں ——— کچھ عرصہ ہوا (کہ یہاں) وبا پھیل گئی تھی اور جس شخص کی موت مقدر تھی وہ مر گیا اب وبا دور ہو گئی ہے۔ تمام نعمتوں پر اللہ سبحانہٗ کا شکر اور اس کا احسان ہے۔ والسلام

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے خادم ہیں حضرت نے بوقتِ رحلت پیشاب کرنے کے لئے طشت منگایا تو آپ نے عجلت میں جو طشت پیش کیا اس میں ریت ڈالنا بھول گئے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس میں ریت نہیں ہے جس کی وجہ سے احتمال ہے کہ پیشاب کے قطرات اڑ کر لباس کو ناپاک کر دیں۔ لہٰذا دوسرا طشت ریت والا پیش کیا گیا تو فرمایا کہ اب اتنا وقت کہاں کہ استنجے کے بعد وضو بھی کر سکوں لہٰذا اب مجھے بستر پہ لٹا دو۔ بعد ازاں حضرت کی روح پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

# مکتوب ۶۶ (عربی) شصت و ششم

(عبدالرحیم) خان خاناں[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ توبہ و انابت، پرہیزگاری اور تقوی اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ چونکہ عمرِ عزیز معاصی و تقصیرات اور بیہودہ کاموں میں گذری ہے اس لئے مناسب ہے کہ توبہ و انابت کی نسبت کلام کیا جائے اور ورع و تقوی کو بیان کیا جائے ـــــ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (نور آیۃ ۳۱) (اے ایمان والو! تم سب مل کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کرو تاکہ تم کو فلاح حاصل ہو) ـــــ اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (تحریم آیۃ ۸) (اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سچے دل سے توبہ کرو امید ہے کہ تمہارا رب برائیوں کو تم سے دور کردے اور تم کو ایسی جنت میں داخل کرے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں) ـــــ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (انعام آیۃ ۱۲۰) (اور ظاہری و باطنی گناہوں کو چھوڑ دو)۔

پس گناہوں سے توبہ کرنا ہر شخص کے لئے واجب اور فرضِ عین ہے، کوئی بشر اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تک توبہ سے مستغنی نہیں ہیں تو پھر اوروں کا کیا ذکر۔ چنانچہ حضرت خاتم الرسل سید المرسلین علیہ و علیہم الصلوات والتحیات فرماتے ہیں: اِنَّهٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَةِ سَبْعِیْنَ مَرَّةً[2] (میرے دل پر بھی کچھ غبار سا آجاتا ہے اس لئے میں دن رات میں اللہ تعالیٰ سے ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں)

پس اگر گناہ اس قسم کے ہیں کہ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ہے اور بندوں کے مظالم اور حقوق کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے جیسا کہ زنا ـــ شراب کا پینا ـــ سرود و ملاہی (لہو و لعب) کا

---

[1] آپ کے نام تیرہ ۱۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳ میں گذر چکا ہے

[2] اس کو مسلم نے اغر المزنی سے روایت کیا۔ (تشبیہ البانی)

سُننا ـــــ غیر محرم کی طرف بنظرِ شہوت دیکھنا ـــــ بغیر وضو قرآن مجید کو ہاتھ لگانا ـــــ اور بدعت پر اعتقاد رکھنا وغیرہ وغیرہ ـــــ تو ان امور کی توبہ ندامت اور استغفار اور حسرت و افسوس اور بارگاہِ الٰہی عزوجل میں عذر خواہی کرنے سے ہے ـــــ اور اگر فرائض میں سے کوئی فرض ترک ہو گیا ہو تو توبہ کے ساتھ ساتھ اس کا ادا کرنا بھی ضروری ہے ـــــ اور اگر گناہ اس قسم کے ہیں جو بندوں کے مظالم اور حقوق سے تعلق رکھتے ہیں تو اُن سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ بندوں کے حقوق ادا کرے اور (مظالم پر) معافی مانگے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور ان کے حق میں دعا کرے۔ ـــــ اور اگر صاحبِ مال و آبرو فوت ہو گیا ہو تو اس کے لئے استغفار کرے اور اس کی طرف سے صدقہ کرے۔ اور اس کا مال اس کے وارثوں اور اولاد کے سپرد کرے۔ اگر اس کے وارث معلوم نہ ہو سکیں تو مال کے اندازہ کے مطابق صاحبِ مال اور اس شخص کی نیت کر کے جس کو ناحق ایذا دی ہو فقراء اور مساکین پر صدقہ و خیرات کرے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو صادق ہیں سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا ہے: مَا مِنْ عَبْدٍ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَامَ فَتَوَضَّأَ وَصَلّٰى وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ مِنْ ذَنْبِهٖ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَّغْفِرَ لَهٗ۔[1] (جب کسی بندہ سے گناہ سرزد ہو جائے تو وہ کھڑا ہو اور وضو کرے، نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے گناہ بخش دیتا ہے) ـــــ اس لئے کہ اللہ جل وعلا خود فرماتا ہے: وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (نساء، آیہ ۱۱۰) (جو شخص برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا رحم کرنے والا پائے گا)۔

اور آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے: مَنْ اَذْنَبَ ذَنْبًا ثُمَّ نَدِمَ عَلَيْهِ فَهُوَ كَفَّارَتُهٗ[2] (جس شخص نے کوئی گناہ کیا پھر اس گناہ پر نادم ہوا تو یہ ندامت اس کے گناہ کا کفارہ ہے) حدیث میں یہ بھی آیا ہے: اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا قَالَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ ثُمَّ عَادَ ثُمَّ قَالَهَا ثُمَّ عَادَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ كُتِبَ فِي الرَّابِعَةِ مِنَ الْكَبَائِرِ[3] (جب آدمی کہتا ہے کہ میں تجھ سے

---

[1] سنن اربعہ و ابن ماجہ، ابن السنی اور امام سیوطی نے جامع الکبیر میں روایت کیا۔
[2] احمد والطبرانی اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ روایت کیا۔ [3] دیلمی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا۔

بخشش مانگتا ہوں اور تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں۔ پھر اس نے گناہ کیا اور پھر اسی طرح کہا۔ پھر تیسری مرتبہ گناہ کیا اور معذرت کی۔ پھر چوتھی بار کیا تو کبیرہ گناہ لکھا جاتا ہے) ـــــ ایک اور حدیث میں آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: هَلَكَ الْمُسَوِّفُوْنَ يَقُوْلُوْنَ سَوْفَ نَتُوْبُ[1] (ہلاک ہوگئے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم عنقریب توبہ کرلیں گے) ـــــ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو بطورِ نصیحت فرمایا "اے بیٹا! توبہ کرنے میں کل تک کی بھی تاخیر نہ کرنا کیونکہ موت اچانک آجاتی ہے" ـــــ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح شام توبہ نہ کرے وہ ظالموں میں سے ہے ـــــ اور عبد اللہ بن مبارکؒ رحمہ اللہ سبحانہٗ فرماتے ہیں کہ حرام کے ذریعے ایک پیسہ لیا ہوا واپس کر دینا ۱۰۰ سو پیسوں کے صدقہ کر دینے سے افضل ہے ـــــ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک رتی چاندی (جو غلط طریقے سے حاصل کی گئی ہو اس) کا واپس کر دینا ۶۰۰ چھ سو مقبول حجوں سے افضل ہے ـــــ

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اعراف آیہ ۲۳) (اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو نے ہم پر بخشش اور رحمت نہ فرمائی تو ہم خسارہ والوں میں سے ہو جائیں گے)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ فرماتا ہے: عَبْدِيْ اَدِّ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْكَ تَكُنْ مِنْ اَعْبَدِ النَّاسِ وَانْتَهِ عَمَّا نَهَيْتُكَ عَنْهُ تَكُنْ مِّنْ اَوْرَعِ النَّاسِ وَاقْنَعْ بِمَا رَزَقْتُكَ تَكُنْ مِّنْ اَغْنَى النَّاسِ[2] (میرے بندے! جو کچھ میں نے تجھ پر فرض کیا ہے اس کو ادا کر، پس تو سب لوگوں سے زیادہ عابد ہو جائے گا۔ اور جن باتوں سے میں نے تجھ کو منع کیا ہے ان سے باز رہ پس تو سب لوگوں سے زیادہ پرہیزگار ہو جائے گا اور جو کچھ میں نے تجھ کو رزق دیا ہے اس پر قناعت کر پس تو سب سے زیادہ غنی ہو جائے گا) ـــــ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: كُنْ وَرِعًا تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ[3] (تو پرہیزگار بن، پس تو تمام لوگوں سے زیادہ عابد ہو جائے گا) ـــــ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سبحانہٗ فرماتے ہیں کہ ایک ذرہ کی برابر تقویٰ، ہزار مثقال والے نماز روزوں سے بہتر ہے ـــــ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہمنشین پرہیزگار اور زاہد لوگ ہوں گے ـــــ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی کہ میرا تقرب حاصل کرنے کے لئے

---

[1] اس کی تخریج دفتر اول مکتوب ۳۷ میں گزر چکی ہے۔ [2] صاحب کنز حقی نے اور قاضی ابو سعید بزدوی نے اس کو روایت کیا ہے۔ (تشبید)
[3] اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔ (تشبید المبانی)

جسقدر ورع (پرہیزگاری) ضروری ہے اتنی کوئی اور چیز نہیں ـــــــ

بعض علمائے ربّانی فرماتے ہیں کہ جبتک انسان ان دس چیزوں کو اپنے اوپر لازم نہ کرلے اسوقت تک ورع حاصل نہیں ہوتا ـــــ (۱) غیبت سے زبان کو بچائے ـــــ (۲) بدگمانی سے بچے ـــــ (۳) مسخرہ پن سے پرہیز کرے ـــــ (۴) حرام چیزوں سے آنکھ بند رکھے ـــــ (۵) سچ بولے ـــــ (۶) ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا احسان جانے تاکہ نفس مغرور نہ ہو ـــــ (۷) اپنا مال راہِ حق میں خرچ کرے اور باطل جگہ میں خرچ کرنے سے بچے ـــــ (۸) اپنے نفس کے لئے بلندی اور بڑائی کا طالب نہ ہو ـــــ (۹) نمازوں کی محافظت کرے ـــــ (۱۰) اہلِ سنت وجماعت (کے عقائد) پر استقامت اختیار کرے ـــــ رَبَّنَآ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۶۶ (تحریم آیت ۸)

(اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے لئے نور کو کامل کردے اور ہم کو بخش دے، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

میرے مخدوم ومکرم! اور اے شفقت ومکرمت کی نشانیوں والے! اگر تمام گناہوں سے توبہ میسر ہوجائے اور تمام محرمات ومشتبہات چیزوں سے ورع وتقویٰ حاصل ہوجائے تو یہ ایک بڑی نعمت اور اعلیٰ درجہ کی دولت ہے، ورنہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا اور بعض محرمات سے بچنا بھی غنیمت ہے۔ شاید ان بعض کے برکات وانوار بعض دوسروں میں بھی اثر کرجائیں اور تمام گناہوں سے توبہ اور ورع کی توفیق نصیب ہوجائے: مَا لَا يُدۡرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتۡرَكُ كُلُّهٗ (جو چیز پوری کی پوری نہ حاصل ہوسکے اس کو بالکل ہی ترک نہ کرنا چاہیئے)۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقۡنَا لِمَرۡضَاتِكَ وَثَبِّتۡنَا عَلٰى دِيۡنِكَ وَعَلٰى طَاعَتِكَ بِصَدَقَةِ سَيِّدِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ وَقَائِدِ الۡغُرِّ الۡمُحَجَّلِيۡنَ عَلَيۡهِ وَعَلَيۡهِمۡ وَعَلٰى اٰلِ كُلٍّ مِّنَ الصَّلَوٰتِ اَفۡضَلُهَا وَمِنَ التَّسۡلِيۡمَاتِ اَكۡمَلُهَا (اے اللہ! ہم کو سید المرسلین وقائد الغر المحجلین علیہ وعلیہم وعلی آل کل من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے صدقہ میں اپنی رضامندی کی توفیق دے اور اپنے دین اور اپنی طاعت پر ثابت قدم رکھ (آمین)۔

# مکتوب ۶۷ شصت و ہفتم

خان جہاں[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اہلِ سنت وجماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عقائد اور اسلام کے پانچ ارکان اور کلمۂ حق کہنے کی ترغیب میں یعنی اسلام کی باتیں بادشاہِ وقت (جہانگیر) کے گوش گزار کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ـــــ

آپ کا صحیفۂ شریفہ جو از روئے کرم والتفات فقرائے خستہ حال کے نام تحریر کیا تھا موصول ہوا۔ اللہ سبحانہٗ کی حمد ہے کہ اس پُر فتن زمانے میں بھی سعادت مند اغنیا (دولتمند حضرات) اپنے حسنِ فطرت کی وجہ سے بے مناسبتی کے باوجود دُور افتادہ فقرا کے ساتھ عجز و نیاز سے پیش آتے ہیں اور اس گروہ کے ساتھ ایمان و اعتبار رکھتے ہیں۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ متفرق تعلقاتِ (دنیاوی) کے باوجود اس دولت (عقیدت) کے حصول میں کوئی چیز مانع نہیں ہوئی اور مختلف امور میں منقسم توجہ نے ان درویشوں کی محبت سے باز نہیں رکھا، اس نعمتِ عظمٰی کا بھی شکر بجا لانا چاہئے اور امید رکھنی چاہئے کیونکہ حدیثِ نبوی علیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہے: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (بخاری و مسلم) (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے)

اے سعادت و نجابت کے نشان والے! آدمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقائد کو فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت وجماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو سوادِ اعظم اور جمِّ غفیر ہیں کے عقائد کے موافق درست کرے تاکہ فلاح و نجاتِ اُخروی متصور ہو سکے۔ خبثِ اعتقاد یعنی بداعتقادی جو اہلِ سنت وجماعت کے مخالف ہے زہرِ قاتل ہے جو دائمی موت اور ہمیشہ کے عذاب و عتاب تک پہنچا دیتی ہے۔ عمل میں سستی اور کاہلی ہو تو مغفرت کی امید ہے لیکن اعتقاد کی خرابی اور کمزوری میں مغفرت

---

[1] آپ کے نام دو مکتوب ہیں ایک یہی اور دوسرا دفتر سوم مکتوب ۵۴۔ آپ کا نام پیر خاں اور لقب خان جہاں' ابن دولت خاں لودھی شاہو خیل کے قبیلے سے تھے۔ شہزادہ دانیال کا تقرب حاصل کر کے جہانگیر کے امراء میں شامل ہو گئے۔ آپ بڑے علم دوست تھے اور علماء سے بہت محبت کرتے تھے عوام کے ساتھ بھی اچھا سلوک تھا۔ جہانگیر کو آپ پر بہت اعتماد تھا اور اس درجہ محبت تھی کہ اس سے زیادہ متصور نہیں۔ جہانگیر کے انتقال کے بعد شاہجہاں بادشاہ ہوا تو خان جہاں اس سے مشکوک ہو گیا اور اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ شاہجہاں نے اس پر لشکر کشی کر کے سنہ ۱۰۴۰ھ میں قتل کرا دیا۔ (نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۳۹)

کی گنجائش نہیں ہے (حق تعالیٰ فرماتا ہے) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (نساء آیت ۴۸) (بیشک اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش دیگا)

اہلِ سنت وجماعت کے معتقدات[1] مختصر طور پر بیان کئے جاتے ہیں، ان کے مطابق اپنے عقائد کو درست کر لینا چاہئے اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ اس دولتِ (عقائد) پر استقامت کا سوال کرنا چاہئے:۔

عقیدہ ۱ — (عقیدہ ۱) جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ قدیم کے ساتھ موجود ہے اور تمام اشیا اس سبحانہٗ کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں اور وہ بلند و برتر ہستی ان کو پیدا کرکے عدم سے وجود میں لائی ہے لہٰذا حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اور تمام اشیاء حادث اور نوپید (بعد کی پیدا کی ہوئی) ہیں۔ اور (حق تعالیٰ) جو قدیم وازلی ہے وہ باقی اور ابدی ہے اور جو چیزیں حادث اور نوآمدہ (نئی پیدا شدہ) ہیں وہ فانی اور ہلاک ہونے والی ہیں یعنی معرضِ زوال (زوال کے میدان) میں ہیں۔

عقیدہ ۲ — (عقیدہ ۲) حق سبحانہٗ ایک ہے، یگانہ اور منفرد ہے، وُجوب وُجود میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور عبادت کا استحقاق بھی کسی کو نہیں ہے۔ وُجوبِ وجود اس تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لئے شایاں نہیں اور نہ اس سبحانہٗ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق ہے اور خاص اسی تعالیٰ کے لئے صفات کاملہ ہیں۔

عقیدہ ۳ — (عقیدہ ۳) منجملہ ان میں (حق تعالیٰ کی صفات) یہ ہیں: حیاتؔ[1]، علمؔ[2]، قدرتؔ[3]، ارادہؔ[4]، سمعؔ[5]، بصرؔ[6]، کلامؔ[7] اور تکوینؔ[8] ہیں۔ جو کہ قِدَم اور ازلیت (قدیم اور ازلی) صفات سے متصف ہیں، اور حضرتِ ذات جل سلطانہٗ کے ساتھ قائم ہیں۔ حوادث کے تعلقات صفات کے قدیم ہونے میں خلل انداز نہیں ہوتے اور متعلق کا حدوث ان صفات کی ازلیت کا مانع نہیں ہوتا۔ فلاسفہ اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اور معتزلہ اپنے اندھے پن کے باعث حدوثِ متعلَّق سے حدوثِ متعلِّق کو وابستہ کرتے ہیں اور صفاتِ کاملہ کی نفی کرتے ہیں، اور حق تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں جانتے کہ جس سے تغیر لازم آتا ہے جو حدوث کی علامت ہے۔ (فلاسفہ اور معتزلہ) یہ بھی نہیں جانتے کہ صفات ازلی ہوتے ہیں۔ اور صفات کے وہ تعلقات جو اپنے حادثہ متعلقات کے ساتھ ہیں وہ بھی حادث ہوتے ہیں۔

عقیدہ ۴ — (عقیدہ ۴) اور نقائص کی باتیں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی جنابِ قدس سے مسلوب ہیں

---

[1] اسی طرح عقائد سے متعلق ایک مکتوب ۲۶۶ دفتر اول میں بھی ہے۔

اور حق تعالیٰ جواہر، اجسام اور اعراض کی صفات و لوازم سے پاک و منزہ ہے، نیز زمان و مکان اور جہت کی بھی حضرت حق تعالیٰ کی شان میں گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ سب چیزیں اسی کی مخلوق ہیں۔ وہ شخص بہت بے خبر ہے جو حق سبحانہ کو فوق العرش جانتا ہے اور فوق کی جہت کا اثبات کرتا ہے، کیونکہ عرش اور اس کے علاوہ بھی تمام چیزیں حادث ہیں اور اس کی مخلوق ہیں۔ مخلوق اور حادث کی کیا مجال ہے کہ وہ خالقِ قدیم کا مکان بن جائے اور اس کی قرارگاہ ہو جائے۔ بس اتنا ضرور ہے کہ عرش اُس تعالیٰ کی سب سے اشرف مخلوقات میں سے ہے اور اس میں نورانیت و صفائی تمام ممکنات سے زیادہ ہے اور لازمی طور پر وہ آئینہ کا حکم رکھتا ہے جس سے حق جل وعلا کی عظمت و کبریائی کا ظہور ہوتا ہے، اس ظہور کے تعلق کی وجہ سے اس کو "عرش اللہ" کہتے ہیں، ورنہ عرش وغیرہ تمام اشیا اس تعالیٰ کے نزدیک ایک جیسی حیثیت رکھتی ہیں اور سب اس کی مخلوق ہیں۔ لیکن عرش کو نمائندگی (آئینہ داری) کی قابلیت حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں ہے۔ آئینہ جو کسی شخص کی صورت ظاہر کرتا ہے (اس کے متعلق) یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شخص آئینے میں موجود ہے بلکہ اس شخص کی نسبت اور دوسری تمام اشیاء کی نسبت آئینے کے سامنے برابر ہے۔ صرف قبول کرنے کی قابلیت کا فرق ہے کہ آئینہ اس شخص کی صورت قبول کر کے ظاہر کرتا ہے اور دوسروں میں یہ قابلیت نہیں ہے۔

عقیدہ ۵

(عقیدہ ۵) حق سبحانہ وتعالیٰ نہ جسم ہے نہ جسمانی، نہ جوہر ہے نہ عرض، نہ محدود ہے نہ متناہی، نہ طویل ہے نہ عریض، نہ دراز ہے نہ کوتاہ، نہ فراخ ہے نہ تنگ، بلکہ واسع ہے لیکن ایسی وسعت نہیں جو ہماری سمجھ میں آسکے، اور محیط ہے لیکن ایسا احاطہ نہیں جو ہمارے ادراک میں آسکے، وہ قریب ہے لیکن ایسا قرب نہیں جو ہماری عقل میں آجائے، وہ ہمارے ساتھ ہے لیکن ایسی معیت نہیں جو عام طور پر متعارف ہے۔ پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ (حق تعالیٰ) واسع ہے، محیط ہے، ہمارے قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ان صفات کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیسی ہے، اور ہم جو کچھ جانتے ہیں یہی جانتے ہیں (اگر اس کی ذات کے جاننے کے بارے میں کچھ بیان کریں تو) مجسمہ (یعنی جسم کا قائل ہونا) کے مذہب میں قدم رکھتا ہے۔

عقیدہ ۶

عقیدہ ۶) حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہے، اور نہ ہی کوئی چیز اس تعالیٰ میں حلول کر سکتی ہے اور نہ وہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے۔ تبعض (حصہ حصہ ہونا)

تجزّی (جز جز ہونا) اس کی جنابِ قدس میں محال ہے اور ترکیب و تحلیل (جڑنا اور پارہ پارہ ہونا) بھی حضرت جل شانہٗ کی بارگاہ میں ممنوع ہے۔

حق تعالیٰ کا مثل اور ہم جنس بھی کوئی نہیں ہے، اور نہ ہی اس کے بیوی بچے،

حق تعالیٰ کی ذات و صفات بے مثل اور بے کیف ہیں، بے شبہ اور بے نمونہ ہیں۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہے اور ان صفاتِ کاملہ کے ساتھ متصف ہے جن کے ساتھ اس نے خود اپنی ذات کی تعریف فرمائی ہے لیکن جو کچھ اس سے ہماری فہم و ادراک میں آتا ہے اور جو کچھ ہماری عقل متصور کرتی ہے حق تعالیٰ اس سے منزہ اور بلند ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے: لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) ؎

دوربینانِ بارگاہِ الست  پیش ازیں پے نبردہ اند کہ ہست
(بارگاہِ الست جو پہنچے  کہہ سکے یہ کہ ہاں وہاں وہ ہے)

یہ بھی جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یعنی صاحب شرع سے سننے پر موقوف ہیں۔ ہر وہ اسم جس کا اطلاق شرع شریف میں حضرت حق سبحانہٗ پر ہوا ہے اس کا اطلاق کرنا چاہئے اور جس اسم کا نہیں ہوا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہئے اگرچہ اس اسم میں کتنے ہی کمال درجے کے معانی پائے جاتے ہوں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ پر "جواد" کا اطلاق کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اسم آیا ہے مگر (حق تعالیٰ کو) سخی نہیں کہنا چاہئے کیونکہ (حق تعالیٰ کی یہ صفت شرع میں) نہیں آئی۔

(عقیدہ ۵) قرآن مجید، خداوند جل سلطانہٗ کا کلام ہے جس کو حرف و آواز کے لباس میں ہمارے پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا گیا ہے اور اس کے ذریعے بندوں کو امر و نہی کا حکم کیا گیا ہے۔ جس طرح ہم اپنے کلامِ نفسی کو تالو و زبان کے ذریعے حرف و آواز کے لباس میں لا کر ظاہر کرتے ہیں اور اپنے پوشیدہ مقاصد و مطالب کا اظہار کرتے ہیں اسی طرح حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے کلامِ نفسی کو تالو و زبان کے واسطے کے بغیر محض اپنی قدرتِ کاملہ سے حرف و آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں کے لئے بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر و نواہی کو حرف و آواز کے ضمن میں لا کر ظاہر فرما دیا ہے۔ پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی نفسی اور لفظی حق جل وعلا کا کلام ہیں اور ان دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق کرنا حقیقت کے طور پر ہے جس طرح کہ ہمارے

کلام کی دونوں قسمیں نفسی و لفظی حقیقت کے طور پر ہمارا کلام ہیں نہ یہ کہ قسمِ اول حقیقت ہے اور قسمِ ثانی مجاز، کیونکہ مجاز کی نفی جائز ہے اور کلامِ لفظی کی نفی کرنا اور اس کو کلامِ خدا نہ کہنا کفر ہے ——— اسی طرح دوسری کتابیں اور صحیفے جو پہلے انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات پر نازل فرمائی ہیں سب حق سبحانہٗ کا کلام ہیں۔ اور جو کچھ قرآن مجید اور ان کتابوں و صحیفوں میں درج ہے وہ سب خدا وند جل سلطانہٗ کے کلام ہیں جن کا ہر زمانے کے موافق بندوں کو مکلف فرمایا ہے۔

(عقیدہ ۸) مؤمنوں کا حضرتِ حق سبحانہٗ کو بہشت میں بے جہت، بے مقابلہ، بے کیف اور بے احاطہ دیکھنا حق ہے۔ اس رویتِ اُخروی (اور دیدار) پر ہمارا ایمان ہے، لیکن اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے کیونکہ حق تعالیٰ کی رویت بے چون و بے مثل ہے، اربابِ چون پر اس دنیا میں اس کی حقیقت ظاہر نہیں ہو سکتی۔ سوائے ایمان لانے کے ان کا کوئی نصیب (حصہ) نہیں۔ ——— فلاسفہ، معتزلہ اور باقی تمام دوسرے باطل فرقوں پر افسوس ہے جو اپنی محرومی اور اندھے پن کی وجہ سے رویتِ اُخروی کا انکار کرتے ہیں اور غائب کا قیاس حاضر پر کرتے ہیں اور اس پر بھی ایمان کی دولت سے مشرف نہیں ہوتے۔

(عقیدہ ۹) حق تعالیٰ جس طرح بندوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے خواہ وہ افعال خیر ہوں یا شر، سب اسی کی تقدیر و مشیت سے ہیں لیکن خیر سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اور شر سے راضی نہیں۔ اگرچہ (افعالِ خیر و شر) دونوں حق سبحانہٗ کے ارادہ اور مشیت سے ہیں۔ لیکن جاننا چاہئے کہ صرف تنہا "شر" کو سوءِ ادب کے باعث حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنا چاہئے اور خالقِ شر نہ کہنا چاہئے بلکہ خالقِ خیر و شر کہنا مناسب ہے ——— چنانچہ علماء نے کہا ہے کہ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ کہنا چاہئے، خَالِقُ الْقَاذُوْرَاتِ وَالْخَنَازِیْرِ (گندگیوں اور خنزیروں کا خالق) نہیں کہنا چاہئے کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کی جنابِ قدس میں بے ادبی ہے ——— معتزلہ ثنویت یعنی دوئی کے قائل ہونے کے باعث افعال کا خالق بندہ کو جانتے ہیں اور خیر و شر پیدا کرنے کی نسبت کو بندہ کی طرف کرتے ہیں جس کی شرع اور عقل دونوں تکذیب کرتے ہیں۔ ہاں علمائے حق بندہ کی قدرت کو اس کے فعل میں دخل انداز جانتے ہیں اور بندے کے لئے کسب کا اثبات کرتے ہیں، کیونکہ حرکتِ مرتعش (رعشہ والی حرکت) اور حرکتِ مختار (اختیار والی حرکت) میں واضح فرق ہے۔ حرکتِ ارتعاش میں بندہ

کی قدرت اور کسب کا کچھ دخل نہیں اور حرکتِ اختیاری میں دخل ہے، اور اتنا فرق ہی مواخذہ کا باعث ہو جاتا ہے اور ثواب و عذاب کو ثابت کرتا ہے ـــــــ اکثر لوگ بندہ کی قدرت و اختیار میں تردد رکھتے ہیں اور بندہ کو محض بے چارہ اور عاجز جانتے ہیں۔ ان لوگوں نے علماء کی مراد کو نہیں سمجھا، بندہ میں قدرت و اختیار کا ثابت کرنا اس معنیٰ کے لحاظ سے نہیں ہے کہ بندہ جو کچھ چاہے کر لے اور جو چاہے نہ کرے، یہ بات بندگی کی حقیقت سے دور ہے۔ بلکہ اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ بندہ جس بات کے ساتھ مکلّف ہے اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ مثلاً (بندہ) پانچوں[1] وقت نماز ادا کر سکتا ہے، (مال کا) چالیسواں حصہ زکوٰۃ[2] دے سکتا ہے، اور بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ (رمضان) کے روزے[3] رکھ سکتا ہے، اور اپنی عمر میں سواری اور خرچ کے ہوتے ہوئے ایک بار حج[4] کر سکتا ہے ـــــــ اسی طرح باقی احکامِ شرعیہ ہیں جن میں حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے بندہ کے ضعف و کمزوری کا لحاظ رکھتے ہوئے سہولت و آسانی کی رعایت فرمائی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ[2] (بقرہ آیت ۱۸۵) (اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے اور تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا) ـــــــ نیز اللہ جل سلطانہٗ فرماتا ہے: يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا (نساء آیت ۲۹) (اللہ تعالیٰ تم پر تخفیف کرنا چاہتا ہے (کیونکہ) انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے)۔ انسانِ ضعیف شہوات سے صبر نہیں کر سکتا اور نہ سخت تکالیف برداشت کر سکتا ہے۔

(عقیدہ ۱۶) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات حق جل شانہٗ کی طرف سے مخلوق کی طرف بھیجے ہوئے ہیں تاکہ وہ مخلوق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت دیں اور گمراہی سے ہٹا کر سیدھے راستے پر لائیں، اور جو شخص ان کی دعوت کو قبول کرے اس کو بہشت کی خوشخبری دیں اور جو کوئی انکار کرے اس کو دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں، اور جو کچھ انھوں نے حق جل و علا کی طرف سے پہنچایا اور بتایا ہے سب حق اور سچ ہے، اس میں خلاف ہونے کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم علیہ وعلیٰ آلہٖ وعلیہم اجمعین خاتم انبیاء ہیں، اور آپ کا دین تمام سابقہ ادیان کا ناسخ ہے، اور آپ کی کتاب (قرآن مجید) پہلی تمام کتابوں سے بہترین ہے، اور آپ کی شریعت کو کوئی منسوخ کرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ قیامت تک باقی رہے گی

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام (قیامت کے قریب آسمان سے نزول فرما کر آپ ہی کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ ہی کے امتی کی حیثیت سے رہیں گے۔

عقیدہ ۱۱

(عقیدہ ۱۱) اور آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے جو کچھ آخرت کے احوال کی نسبت خبر دی ہے سب حق اور سچ ہے یعنی: — قبر کا عذاب اور اس کی تنگی — منکر نکیر کا سوال — دنیا کا فنا ہونا — آسمانوں کا پھٹ جانا — ستاروں کا پراگندہ ہو جانا — زمین اور پہاڑوں کا اُٹھا لینا اور ان کا ریزہ ریزہ ہو جانا — مرنے کے بعد زندہ ہو کر اُٹھنا — روح کا جسم میں واپس ڈالنا — قیامت کا زلزلہ — قیامت کی ہولناکیاں — اعمال کا محاسبہ — اعمال کے متعلق اعضا کی گواہی — نیکیوں اور برائیوں کے اعمال ناموں کا دائیں اور بائیں ہاتھ اُڑ کر آنا — میزان کا رکھا جانا تاکہ اس کے ذریعے نیکی اور بدی کی کمی و زیادتی معلوم کریں — اگر نیکیوں کا پلہ بھاری ہوا تو نجات کی علامت ہے اور اگر ہلکا ہوا تو یہ خسارہ کا نشان ہے — اس میزان کا ہلکا اور بھاری ہونا دنیاوی میزان کے ہلکا اور بھاری ہونے کے برخلاف ہے وہاں جو پلہ اوپر کو جائے گا وہ بھاری ہوگا اور جو پلہ نیچے ہوگا وہ خفیف اور ہلکا ہوگا۔

عقیدہ ۱۲

(عقیدہ ۱۲) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شفاعت حق ہے یعنی اولاً پیغمبر مالک یوم الدین جل سلطانہٗ کی اجازت سے گنہگار مومنوں کی شفاعت کریں گے پھر صالحین — آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ[1] (میری شفاعت، میری امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہوگی)۔

عقیدہ ۱۳

(عقیدہ ۱۳) پل صراط کو دوزخ کی پشت پر رکھا جائے گا اور مومن اس پل کو عبور کر کے بہشت میں چلے جائیں گے لیکن کافروں کے پاؤں لڑکھڑا کر دوزخ میں گریں گے۔ یہ بات حق اور ثابت ہے۔

عقیدہ ۱۴

(عقیدہ ۱۴) اور بہشت جو مومنین کو نعمتیں مہیا کرنے کے لئے تیار کی گئی ہے اور دوزخ جو کافروں کو عذاب دینے کے لئے بنائی گئی ہے، دونوں مخلوق ہیں، ہمیشہ باقی رہیں گے اور کبھی فانی نہ ہوں گے اور حساب و کتاب کے بعد جب مومن بہشت میں چلے جائیں گے تو وہ ہمیشہ بہشت ہی میں رہیں گے اور بہشت سے باہر نہیں آئیں گے۔ اور اسی طرح کفار جب دوزخ میں جائیں گے تو ہمیشہ دوزخ ہی میں

---

[1] اس حدیث کو احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔

رہیں گے اور وہاں دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے اور ان کے عذاب میں کبھی تخفیف نہ ہو گی۔ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (بقرہ آیت ۱۶۲) (نہ تو ان (کفار) کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی ان کو مہلت دی جائے گی)۔ ——— اور جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ اگرچہ اپنے گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے دوزخ میں جائے گا لیکن اس کو بقدرِ عصیان عذاب دے کر آخر کار دوزخ سے نکال لیا جائے گا، نیز اس کے چہرہ کو سیاہ بھی نہیں کیا جائے گا جبکہ کفار کا چہرہ سیاہ کر دیا جائے گا۔ اور حرمتِ ایمان کی وجہ سے گنہگار مومن کی گردن میں طوق و زنجیر نہیں ڈالی جائے گی، جیسا کہ کفار کے لئے ہوگا۔

عقیدہ ۱۵

(عقیدہ ۱۵) اور فرشتے خداوند جل وعلا کے مکرم بندے ہیں، حق تعالیٰ جل شانہ کے امر کی نافرمانی کرنا ان کے حق میں جائز نہیں، جس کام کا ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجا لاتے ہیں، عورت مرد ہونے سے پاک ہیں، توالد و تناسل ان کے حق میں مفقود ہے۔ بعض فرشتوں کو حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے رسالت کے لئے برگزیدہ کیا ہے اور ان کو وحی پہنچانے کے کام سے مشرف کیا ہے، انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی کتابوں اور صحیفوں کو (حق تعالیٰ کی طرف سے) لانے والے بھی یہی ملائکہ ہیں جو خطا و خلل سے محفوظ اور دشمن کے مکر و فریب سے معصوم ہیں، جو کچھ انھوں نے حضرت حق سبحانہٗ کی طرف سے پہنچایا ہے سب صدق و صواب ہے اس میں کسی قسم کا شائبہ احتمال و اشتباہ نہیں۔ اور یہ ملائکہ حق سبحانہٗ کی عظمت و جلال سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کے اوامر کی تعمیل کے سوا ان کو کچھ کام نہیں ہے۔

عقیدہ ۱۶

(عقیدہ ۱۶) ایمان نام ہے تصدیقِ قلبی اور اقرارِ لسانی کا، اور جو کچھ دین سے متعلق تواتر اور یقین کے ساتھ اجمالاً و تفصیلاً ہم تک پہنچا ہے (اس کو صحیح مانا جائے) لیکن اعضا کے اعمال نفسِ ایمان سے خارج ہیں، البتہ ایمان میں کمال کو بڑھانے والے اور حسن پیدا کرنے والے ہیں ——— ——— امام اعظم کوفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایمان، زیادتی و نقصان (یعنی کمی بیشی) کو قبول نہیں کرتا کیونکہ تصدیقِ قلبی، نفسِ ایمان اور اذعانِ قلب (قلبی یقین) سے عبارت ہے جس میں کمی و زیادتی کے فرق کی گنجائش نہیں، اور جو فرق کو قبول کرے وہ ظن و وہم کے دائرہ میں داخل ہے۔ ایمان میں کمال اور نقص، طاعات و حسنات کے اعتبار سے ہے۔ جس قدر طاعت زیادہ ہوگی اتنا ہی ایمان میں کمال بھی زیادہ ہوگا۔ لہٰذا عام مومنوں کا ایمان انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے

مثل نہیں ہوتا کیونکہ ان کا ایمان طاعات کی قربتوں کی وجہ سے کمال کے اس عالی مقام پر پہنچ گیا ہے کہ عام مؤمنوں کا ایمان ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ یہ دونوں ایمان، نفسِ ایمان میں شرکت رکھتے ہیں لیکن ان (انبیاء) کے ایمان نے طاعات کی بجا آوری کی وجہ سے ایک اور حقیقت پیدا کرلی ہے، گویا کہ دوسروں کا ایمان اس ایمان کی فرد نہیں ہے اور ان کے درمیان مماثلت و مشارکت مفقود ہے ـــــ اگرچہ عام انسان نفسِ انسانیت میں انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کے ساتھ شریک ہیں لیکن دوسرے کمالات کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بہت بلند درجات پر پہنچے ہیں اور ایک اور ہی حقیقت حاصل کرلی ہے، گویا کہ حقیقتِ مشترکِ (انسانی) میں وہ عالی مرتبہ ہیں بلکہ انسان وہی ہیں اور عوام لوگ نسناس (یعنی بن مانس) کا حکم رکھتے ہیں۔

ـــــ امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا (تحقیق میں مومن ہوں) اور امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی (انشاء اللہ تعالیٰ میں مومن ہوں)۔ ہر ایک کے لئے توجیہ ہوسکتی ہے یعنی فی الحال حالتِ ایمان کے اعتبار سے تو کہا جاسکتا ہے اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا۔ اور خاتمہ انجام کے اعتبار سے کہا جاسکتا ہے: اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ لیکن یہ قول جس وجہ سے بھی کہا جائے بہر صورت انشاء اللہ کہنے سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔

(عقیدہ ۱۷) مؤمن گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے اگرچہ وہ گناہِ کبیرہ ہی کیوں نہ ہوں ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور دائرۂ کفر میں داخل نہیں ہوتا ـــــ منقول ہے کہ ایک روز امام اعظم علیہ الرحمۃ علماءِ کبار کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ایک شخص نے آکر پوچھا کہ "اس مؤمن فاسق کے لئے کیا حکم ہے جو اپنے باپ کو ناحق مار ڈالے اور اس کے سر کو تن سے جدا کرکے اس کے کاسۂ سر میں شراب ڈال کر پیئے اور شراب پی کر اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے، آیا وہ مؤمن ہے یا کافر؟"۔ علماء میں سے ہر ایک نے اس کے حق میں غلط فیصلہ کیا اور اصل معاملہ سے دور چلے گئے۔ امام اعظمؒ نے اسی اثنا میں فرمایا کہ "وہ مؤمن ہے اور ان کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے وہ ایمان سے خارج نہیں ہوا"۔ امام صاحبؒ کی یہ بات علماء کو بہت گراں گزری، اور انھوں نے (امام صاحبؒ کے حق میں) طعن و تشنیع کی زبان دراز کی۔ آخر چونکہ امام صاحب کی بات برحق تھی سب نے (بحث و مباحثہ کے بعد) اس کو قبول کرلیا اور اس کے درست ہونے کا اعتراف کیا۔

عقیدہ ۱۷

(عقیدہ ۱۸) اگر کسی گنہگار مومن کو موت کے غرغرہ (حالتِ نزع) سے پہلے پہلے توبہ حاصل ہو جائے تو بھی اس کی نجات کی بہت بڑی امید ہے کیونکہ (اس وقت تک) توبہ کے قبول ہونے کا وعدہ ہے اور اگر وہ توبہ و انابت سے مشرف نہ ہوا تو پھر اس کا معاملہ خدائے جل سلطانہٗ کے سپرد ہے اگر چاہے تو اس کو معاف کر دے اور بہشت میں بھیج دے اور اگر چاہے تو بقدرِ گناہ عذاب دے اور آگ سے یا بغیر آگ سزا دے، لیکن آخر کار وہ نجات پائے گا اور انجام کار اس کے لئے بہشت ہے۔ کیونکہ آخرت میں رحمتِ خداوندی جل سلطانہٗ سے محروم ہونا کافروں کے لئے مخصوص ہے، اور جو کوئی ذرہ برابر بھی ایمان رکھتا ہے وہ رحمتِ الٰہی کا امیدوار ہے، اگر وہ گناہ کے باعث ابتداء میں رحمتِ خداوندی سے محروم رہا تو آخر میں اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے رحمت میسر ہو جائے گی۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

(آل عمران آیت ۸) (اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ہدایت فرمانے کے بعد کجی سے بچا اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بیشک تو بہت عطا فرمانے والا ہے)۔

خلافت و امامت کی بحث

خلافت و امامت کی بحث اہلِ سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے نزدیک اگرچہ اصول دین میں سے نہیں ہے اور نہ ہی یہ اعتقاد کے ساتھ تعلق رکھتی ہے لیکن چونکہ شیعہ اس بارے میں غلو کرتے ہیں اور انھوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے، لہٰذا مجبوراً علمائے اہلِ حق رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس بحث کو علمِ کلام یعنی عقائد کے ساتھ ملحق کر دیا ہے اور حقیقتِ حال سے آگاہ فرما دیا ہے ——

حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد امام برحق اور خلیفۂ مطلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان (خلفاءِ راشدین) کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے ہے۔

حضرات شیخینؓ کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے چنانچہ اس کو اکابر ائمہ نے نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعیؒ ہیں —— شیخ ابوالحسن اشعریؒ جو اہلِ سنت کے سردار ہیں فرماتے ہیں کہ شیخین کی افضلیت باقی تمام امت پر یقینی ہے۔ دوسرے صحابہ پر شیخین کی افضلیت کا انکار سوائے جاہل یا متعصب کے اور کوئی نہیں کرتا —— حضرت امیر (علی) کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ

فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھ کو ابو بکرؓ و عمرؓ پر فضیلت دے وہ مفتری ہے میں اس کو اسی طرح کوڑے لگاؤں گا جس طرح مفتری کو لگائے جاتے ہیں (یعنی اسّی کوڑے) ـــــ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں اور ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں عروج واقع ہوا تو میں نے اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ "میرے بعد میرا خلیفہ علیؓ ہو"۔ فرشتوں نے کہا "اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ خدائے تعالیٰ چاہے وہی ہوگا اور آپ کے بعد خلیفہ ابو بکرؓ ہیں ـــــ نیز حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر (علیؓ) نے فرمایا کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک مجھ سے یہ عہد نہیں لے لیا کہ میری وفات کے بعد خلیفہ ابو بکرؓ ہوں گے اس کے بعد عمرؓ پھر عثمانؓ اور اس کے بعد تو خلیفہ ہوگا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ۔ (ابن شاہینؒ نے السنۃ میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں اور ابو العباس لید بن احمد نے کتاب شجرۃ العقل میں حضرت علیؓ سے روایت کیا (زرشیبی)

اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہیں ـــــ

اور علمائے اہلِ سنت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو علم و اجتہاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر فضیلت دیتے ہیں۔ اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں حضرت عائشہؓ کو مطلقاً فضیلت دیتے ہیں لیکن جو کچھ اس فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ علم و اجتہاد میں پیش پیش ہیں اور حضرت فاطمہؓ زہد و تقویٰ اور انقطاع (مخلوق سے علیحدگی) میں پیش رو ہیں اسی لئے حضرت فاطمہؓ کو "بتول" کہتے ہیں جو انقطاع میں مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور حضرت عائشہؓ اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فتاویٰ کا مرجع تھیں۔ اور اصحابِ پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کی کوئی علمی مشکل ایسی نہ تھی جس کا حل حضرت عائشہؓ کے پاس نہ ہو۔

وہ جنگ و جدال اور جھگڑے جو اصحاب کرام علیہم الرضوان کے درمیان واقع ہوئے ہیں مثلاً جنگِ جمل، جنگِ صفین، ان کو اچھے معانی اور نیک نیتی پر محمول کرنا چاہیے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہیے کیونکہ ان بزرگواروں کے نفوس حضرت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات کی صحبت میں رہ کر ہوا و ہوس اور تعصب سے پاک اور حرص و کینہ سے بالکل صاف ہو چکے تھے، وہ اگر صلح کرتے تھے تو حق کے لئے اور اگر لڑائی جھگڑا کرتے تھے تو وہ بھی حق کے لئے ہوتا تھا، اور ہر گروہ اپنے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کرتا تھا اور خواہشات و تعصب کے شائبہ سے پاک ہو کر مخالف دشمن کی

مدافعت کرتے تھے۔ ان میں سے جو شخص اپنے اجتہاد میں مصیب (راستی پر) تھا اس نے دو درجے بلکہ ایک قول کے مطابق دس درجے ثواب پایا، اور جو مخطی (خطا پر) تھا اس کو بھی ایک درجہ ثواب حاصل ہوا۔ پس مخطی مصیب کی طرح ملامت سے دُور ہے بلکہ درجاتِ ثواب میں سے ایک درجہ ثواب کی امید رکھتا ہے ــــــ علماء نے فرمایا ہے کہ ان جنگوں میں حق حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی جانب تھا اور مخالفوں سے اجتہاد میں غلطی ہوئی لیکن اس کے باوجود ان پر طعن نہیں کیا جاسکتا اور ان پر ملامت کی بھی کوئی گنجائش نہیں چہ جائے کہ ان کی طرف کفر و فسق کی نسبت کی جائے ــــ

ــــ حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی، وہ نہ کافر ہیں نہ فاسق، کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے جو کفر و فسق کو روکتی ہے ــــــ ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اِیَّاکُمْ وَمَا شَجَرَ بَیْنَ اَصْحَابِیْ[1] (جو اختلافات میرے اصحاب کے درمیان ہوں تم ان سے بچتے رہو) ــــ پس پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے تمام اصحاب کو بزرگ جاننا چاہئے اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہئے اور ان میں سے کسی کے حق میں بدگمان نہ ہونا چاہئے اور ان کے لڑائی جھگڑوں کو دوسروں کی مصلحت سے بہتر جاننا چاہئے، فلاح و نجات کا صرف یہی طریقہ ہے۔ کیونکہ اصحاب کرامؓ کی دوستی پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی دوستی کے باعث ہے اور ان سے بغض رکھنا پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی دشمنی تک لے جاتا ہے ــــــ

ایک بزرگ فرماتے ہیں، مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ مَنْ لَّمْ یُوَقِّرْ اَصْحَابَہٗ (اس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہی نہیں جس نے آپ کے اصحاب کی عزت و توقیر نہ کی)۔

**نبوت ائمہ**

(عقیدہ ۱۹) اور علاماتِ قیامت میں سے جن کی خبر مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے دی ہے سب حق ہیں، ان میں کسی قسم کے اختلاف کا کوئی احتمال نہیں، مثلاً ــــ خلافِ عادت مغرب کی جانب سے آفتاب کا طلوع ہونا ــــ ظہورِ حضرت مہدی علیہ الرضوان ــــ نزولِ حضرت روح اللہ (عیسیٰ) علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ــــ خروجِ دجّال ــــ ظہورِ یاجوج ماجوج ــــ خروجِ دابۃ الارض ــــ اور ایک دھواں جو آسمان سے اُٹھ کر تمام انسانوں کو گھیرے گا اور لوگوں کو دردناک عذاب میں مبتلا کردے گا اسوقت لوگ مضطرب ہوکر (حق تعالیٰ سے) عرض کریں گے کہ "اے ہمارے رب

---

[1] اس موقع پر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہمارے پیشِ نظر رہنا چاہئے: تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (بقرہ آیہ ۱۳۴،۱۴۱) (مرتب)

اس عذاب کو ہم سے دُور فرمادے کہ ہم ایمان لاتے ہیں ـــــ اور آخری علامت آگ ہے جو عدن سے اُٹھے گی ـــــ ایک گروہ (مہدویہ) اپنی نادانی کی وجہ سے ایک شخص کے متعلق گمان کرے گا جس نے اہلِ ہند میں سے ہوتے ہوئے "مہدیٔ موعود" ہونے کا دعویٰ کیا تھا کہ وہ مہدی ہوا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے زعم میں کہیں گے کہ وہ مہدی تو گذر چکا ہے اور فوت ہو چکا اور اس کی قبر کا نشان بتائیں گے کہ وہ فرہ میں ہے ـــــ (لیکن) وہ صحیح احادیث جو بحدِّ شہرت بلکہ معنی کے لحاظ سے حدِّ تواتر کو پہنچ چکی ہیں وہ اس گروہ (مہدویہ) کی تکذیب کرتی ہیں، کیونکہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے جو علامتیں "مہدی" کی بیان فرمائی ہیں وہ علامات ان لوگوں کے معتقد شخص کے حق میں مفقود ہیں ـــــ احادیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ "مہدی موعود" جب ظاہر ہوں گے تو ان کے سر پر بادل کا ایک ٹکڑا ہوگا اور اس ابر میں ایک فرشتہ ہوگا جو پکار کر کہے گا کہ یہ شخص مہدی ہے اس کی متابعت کرو[1] ـــــ اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ چار آدمی پوری روئے زمین کے مالک (بادشاہ) ہوئے ہیں ان میں دو مومن اور دو کافر ہیں: ذوالقرنین[1] اور سلیمان[2] مومنوں میں سے تھے اور نمرود[1] اور بخت نصر[2] کافروں میں سے، اور اس زمین کا پانچواں مالک میری اہلِ بیت میں سے ہوگا یعنی مہدی[2] ـــــ اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جبتک کہ خدائے تعالیٰ میرے اہلِ بیت میں سے ایک شخص کو پیدا نہ فرمالے کہ اس کا نام میرے نام پر اور اس کے والد کا نام بھی میرے والد کے نام کے موافق ہوگا اور وہ زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھردے گا جس طرح کہ وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی تھی[3] ـــــ اور حدیث میں وارد ہے کہ اصحابِ کہف حضرت مہدی کے معاونین میں سے ہوں گے ـــــ اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ان (مہدی) کے زمانے میں نزول فرمائیں گے اور وہ (مہدی) دجال کے قتل کرنے میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی موافقت کریں گے[4] ـــــ اور ان (مہدی) کی سلطنت کے ظہور کے زمانے میں زمانے کی عادت کے برخلاف اور نجومیوں کے حساب کے بھی برخلاف چودہ ماہِ رمضان کو سورج گہن ہوگا اور اسی ماہ کے شروع میں چاند گہن ہوگا۔

اب انصاف سے دیکھنا چاہیے کہ یہ علامات جو بیان کی گئی ہیں اس فوت شدہ شخص

---

[1] اس کو ابو نعیم نے ابن عمرؓ سے روایت کیا۔ [2] ابنِ جوزی نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت کیا (تشیید)
[3] ترمذی نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا۔ [4] حافظ ابن حجر اور سیوطی نے حاشیہ میں ابن ماجہ سے نقل کیا (تشیید)

(سید محمد جونپوری اور غلام احمد قادیانی) ہیں موجود ہیں یا نہیں ـــــ (ان کے علاوہ) اور بھی بہت سی علامات ہیں جو مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہیں ـــــ شیخ ابن حجرؒ نے "علامات مہدیٔ منتظر" کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں دو سو کے قریب علامات بیان کی گئی ہیں ـــــ بڑی نادانی اور جہالت کی بات ہے کہ مہدی موعود کا معاملہ اتنا واضح ہونے کے باوجود ایک گروہ گمراہی میں مبتلا ہے۔ هَدٰهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اِلٰى سَوَاءِ الصِّرَاطِ (اللہ سبحانہٗ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دے)۔

پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل اکہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے وہ سب ناری (دوزخی) ہیں مگر ان میں سے ایک فرقہ نجات پائے گا، اور عنقریب میری امت بھی تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی وہ بھی سوائے ایک "فرقۂ ناجیہ" کے باقی سب ناری ہوں گے (صحابہؓ نے) دریافت کیا کہ وہ فرقۂ ناجیہ کون لوگ ہیں؟ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو میرے طریقے اور میرے اصحاب کے طریقے پر ہوں گے[1]" اور وہ فرقہ ناجیہ اہل سنت وجماعت ہے جو آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم جانتے ہیں اور آں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب کی پیروی کرتے ہیں: اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰى مُعْتَقَدَاتِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَاَمِتْنَا فِیْ زُمْرَتِهِمْ وَاحْشُرْنَا مَعَهُمْ (الٰہی! تو ہم کو اہل سنت وجماعت کے اعتقادات پر ثابت قدم رکھ، اور ہم کو ان کے زمرے میں موت دے اور ان ہی کے ساتھ ہمارا حشر کرنا)۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران آیت ۸) (اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہدایت دینے کے بعد ہمارے قلوب میں کجی پیدا نہ کرنا اور ہم کو اپنی رحمت سے نواز، بیشک تو بڑا بخشش کرنے والا ہے)۔

ارکان خمسہ اسلام

عقائد کے درست ہونے کے بعد شرع کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے پرہیز کرنا بھی بہت ضروری ہے جن کا عمل سے تعلق ہے ان سے چارہ نہیں ہے: ـــــ پانچوں وقت نماز کو سستی و کاہلی کے بغیر تعدیلِ ارکان کے ساتھ باجماعت ادا کرنا چاہئے، کیونکہ کفر اور اسلام کے درمیان فرق ظاہر کرنے والی صرف نماز ہی ہے، جب مسنون طریقے پر نماز ادا کرنا میسر ہو جائے تو سمجھو کہ اسلام کی مضبوط رسّی ہاتھ میں آگئی، کیونکہ اسلام کے پنجگانہ اصول میں سے دوسری اصل نماز ہے ـــــ

اصلِ اول: اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے ـــــ

[1] اس حدیث کو احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا۔ (تشبید)

اصل دوم نماز ہے ــــ اصل سوم زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے ــــ اصل چہارم ماہِ رمضان کے روزے ــــ اصل پنجم حجِ بیت اللہ ہے ــــ اصل اول کا تعلق ایمان سے ہے، باقی چار اصول اعمال سے متعلق ہیں (ان میں) تمام عبادتوں کی جامع ترین اور افضل ترین (عبادت) نماز ہے۔ قیامت کے دن حساب کی ابتدا نماز ہی سے ہوگی اگر نماز درست ہوئی تو باقی دوسری باتوں کا محاسبہ بھی اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی عنایت سے آسانی سے گذر جائے گا، جہانتک ہوسکے شرعی ممنوعات سے بچنا چاہئے مولیٰ جل شانہٗ کی نامرضیات کو زہرِ قاتل سمجھنا چاہئے، اپنے قصوروں کے مواد کو ہر وقت نظر میں رکھنا چاہئے، اپنی کارگذاریوں پر نادم اور شرمندہ ہونا چاہئے اور ندامت و حسرت اٹھاتی چاہیئے کہ بندگی کا طریقہ یہی ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے)۔

اور جو شخص بے تحاشہ کھلم کھلا مولیٰ جل شانہٗ کی ناپسندیدہ امور کا مرتکب ہو اور اپنے اس فعل سے ذرا بھی شرمساری اور خجالت محسوس نہ کرے وہ شخص متکبر اور سرکش ہے، اس کا یہ اصرار و سرکشی ممکن ہے کہ اس کے سر کو اسلام کے حلقہ سے باہر نکال دے اور وہ دشمنوں کے دائرہ میں داخل ہوجائے: رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۸) (اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر)۔

وہ دولت کہ جس کے ساتھ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کو ممتاز فرمایا ہے دوسرے لوگ اس سے بے خبر ہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ آپ بھی اس کو محسوس نہ کریں، وہ یہ ہے کہ بادشاہِ وقت (جہانگیر) جو سات پشت سے مسلمان چلا آرہا ہے اور اہلِ سنت سے ہے اور حنفی مذہب پر ہے۔ اگرچہ چند سال ہوتے ہیں کہ اس زمانے میں جو کہ قربِ قیامت کا وقت ہے اور عہدِ نبوتؐ سے بُعد کا زمانہ ہے، بعض طالب علموں نے اپنی طمع کی کم بختی اور ذلت سے جو کہ ان کے باطن کی خباثت کا نتیجہ ہے، شاہی امراء کے ساتھ تقرب حاصل کرکے خوشامدی بن گئے ہیں اور دینِ متین میں تشکیکات و اعتراضات کئے ہیں اور شبہات پیدا کرکے سادہ لوح لوگوں کو دین سے ہٹا رہے ہیں ــــ ایسا عظیم الشان بادشاہ جو آپ کی باتوں کو اچھی طرح سُن لیتا اور قبول بھی کرلیتا ہے تو یہ کتنی بڑی دولت ہے کہ آپ تصریح یا اشارہ کے طور پر کلمۂ حق یعنی اسلام کی باتوں کو اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے اعتقادات کے موافق اس کے گوش گذار کردیں، اور جہانتک ممکن ہوسکے اہلِ حق کی باتوں کو (بادشاہ کے سامنے) پیش کریں بلکہ ہمیشہ

بادشاہِ وقت سے متعلق نصائح

اور جستجو میں رہیں کہ کوئی ایسا موقع مل جائے جس میں مذہب وملت کی نسبت گفتگو کی جائے تاکہ اسلام کی حقانیت کا اظہار ہوسکے اور کفر وکافری کے بطلان وبرائی کا بیان بھی کیا جائے۔ کفر خود ایک کھلا ہوا باطل ہے، کوئی عقلمند اس کو پسند نہیں کرتا، بے خوف اس کے بطلان کو ظاہر کرنا چاہئے اور بلا توقف ان کے معبودانِ باطل کی نفی کرنی چاہئے ـــــ معبودِ برحق جل شانہٗ بلا تردد اور بے شبہ آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ کیا کسی نے سنا ہے کہ ان کے معبودانِ باطل نے ایک مچھر بھی پیدا کیا ہو، اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں (تو بھی مچھر کو پیدا نہ کرسکیں گے)۔ اور اگر مچھر ان کو ڈنک مارے اور تکلیف پہنچائے تو بھی وہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے پھر دوسروں کو کس طرح بچا سکتے ہیں۔ گویا کافر اس امر کی برائی کو ملاحظہ کرکے کہتے ہیں کہ یہ معبود، حق جل وعلا سے ہماری سفارش کرنے والے ہوں گے اور ہم کو خدائے جل شانہٗ کے نزدیک کردیں گے (یعنی مقرب بنادیں گے) ـــــ ـــــ یہ لوگ بے عقل ہیں انھوں نے کیسے جان لیا کہ ان جمادات کو شفاعت کی مجال ہوگی اور حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے شریکوں کی شفاعت کو جو درحقیقت اس کے دشمن ہیں اپنے دشمنوں کے پوجنے والوں کے حق میں قبول کرلے گا۔ ان کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے کہ باغی لوگ بادشاہ کے خلاف بغاوت کریں اور چند بے وقوف اس خیال فاسد سے ان باغیوں کی مدد کریں کہ یہ باغی ضرورت کے وقت بادشاہ کی جناب میں ہماری سفارش کریں گے، اور ان باغیوں کے ذریعے ہم بادشاہ کا تقرب حاصل کرلیں گے ـــــ یہ عجیب بے وقوف ہیں کہ باغیوں کی خدمت کریں اور باغیوں کی سفارش سے بادشاہ سے معافی مانگیں اور اس کا تقرب حاصل کریں ـــــ یہ لوگ سلطانِ برحق کی خدمت کیوں نہیں کرتے اور باغیوں کو شکست کیوں نہیں دیتے تاکہ اہلِ قرب واہلِ حق سے ہو جائیں اور امن وامان میں آجائیں ـــــ یہ بے عقل لوگ ایک پتھر کو لے کر خود اپنے ہاتھ سے تراشتے ہیں پھر سالہا سال اس کی پرستش کرتے ہیں اور پھر اسی سے توقعات وابستہ رکھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ کافروں کا دین ظاہر البطلان (کھلم کھلا باطل) ہے اور مسلمانوں میں سے جو کوئی راہِ حق اور طریقِ مستقیم سے دور ہوگیا وہ اہلِ ہوا کا بندہ اور بدعتی ہے۔ اور طریقِ مستقیم صرف وہ ہے جو آں حضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ علیہم وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے خلفائے راشدین کا طریقہ ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ اپنی کتاب "غنیہ" میں فرماتے ہیں: "بدعتی لوگوں کے گروہ جن کے اصول یہ نو[9] گروہ ہیں: خوارج[1]، شیعہ[2]، معتزلہ[3]، مرجیہ[4]، مشبہ[5]، جہمیہ[6]، ضراریہ[7]، نجاریہ[8] اور کلامیہ[9]، یہ لوگ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں نہیں تھے اور حضرت ابوبکر و عمر، عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی خلافت کے زمانے میں بھی نہیں تھے۔ ان گروہوں کا اختلاف اور فرقہ بندی صحابہ، تابعین اور فقہائے سبعہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی وفات سے سالہا سال بعد واقع ہوئی ہے ــــــ اور آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ لہٰذا تم میری سنت کو اور میرے خلفاءِ راشدین کی سنت کو (اپنے اوپر) لازم جانو اور اس کو اپنے دانتوں سے مضبوط پکڑو اور (دین میں) نئی نئی باتوں سے اپنے آپ کو دور رکھو، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے اور جو کچھ میرے بعد (دین میں) پیدا ہوگا وہ مردود ہے[2] ــــــ

ــــــ لہٰذا وہ مذہب جو آنحضرت علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے زمانے اور خلفاءِ راشدین کے زمانے کے بعد پیدا ہو وہ اعتبار کے مقام سے ساقط ہے اور اعتبار کے لائق نہیں ہے۔ اس دولتِ عظمیٰ کا شکر بجا لانا چاہیئے کہ (حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے) محض اپنے فضل و کرم سے ہم کو فرقہ ناجیہ میں پیدا فرمایا جو اہلِ سنت و جماعت ہیں۔ اور ہم کو اہلِ ہوا و بدعت والے فرقہ میں سے نہیں بنایا اور ان کے فاسد اعتقادات میں مبتلا نہیں کیا، اور اس جماعت (معتزلہ) میں سے بھی نہیں بنایا جو بندہ کو مولیٰ جل شانہٗ کی خاص صفات میں شریک ٹھہراتے ہیں اور بندہ کو اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں اور رویتِ اخروی کے منکر ہیں جو دینی و اخروی دولت کا سرمایہ ہے۔ اور وہ واجب تعالیٰ سے وجودِ صفاتِ کاملہ کی نفی کرتے ہیں ــــــ نیز ان دو گروہوں (خوارج و روافض) میں سے بھی نہیں بنایا جو اصحابِ کرامؓ کے ساتھ خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو ملا دیتے ہیں اور اکابرِ دین کے ساتھ سوءِ ظن رکھتے ہیں، اور ان کو (آپس میں) ایک دوسرے کا دشمن تصور کرتے ہیں اور ان پر مخفی بغض و کینہ کی تہمت لگاتے ہیں، (حالانکہ) حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان بزرگوں (اصحابِ کرام) کے حق میں رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (فتح آیہ ۲۹) (آپس میں بہت رحم دل ہیں) فرماتا ہے (یعنی) یہ دونوں گروہ حق جل و علا کے کلام کی تکذیب کرتے ہیں اور ان بزرگوں کے درمیان عداوت، بغض اور کینہ ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے اور صراطِ مستقیم دکھائے ــــــ اور (حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے) اس گروہ میں سے بھی نہیں بنایا جو حق سبحانہٗ

[1] فقہائے سبعہ سے افراد یہ ہیں: سعید بن المسیب، عروۃ بن الزبیر، قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، ابوبکر بن عبد الرحمان، خارجہ بن زید، سالم، عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر، سلیمان بن یسار۔ [2] رواہ البخاری و المسلم۔

پہ فرقہ بندی افضت سے سالہا سال بعد کی چیز ہے

کے لئے جہت و مکان کا اثبات کرتے ہیں اور اس کو جسم و جسمانی خیال کرتے ہیں اور واجبِ قدیم جل سلطانہٗ میں حدوث و امکان کی علامات ثابت کرتے ہیں۔

اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ کی حیثیت روح کی مانند ہے اور باقی تمام انسان جسم کی طرح ہیں، اگر روح درست ہے تو بدن بھی درست ہے، اگر روح فاسد ہے تو سارا بدن بھی فاسد ہو جاتا ہے۔ پس بادشاہ کی اصلاح میں کوشش کرنا گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے۔ اور بادشاہ کی اصلاح اس امر میں ہے کہ بلحاظِ وقت جس طرح ہو سکے کلمۂ اسلام کا اظہار کیا جائے اور کلمۂ اسلام کے بعد اہلِ سنت و جماعت کے معتقدات جب بھی موقع ملے بادشاہ کے گوش گذار کرنا ضروری ہیں نیز مخالف مذہب کی تردید بھی کرنی چاہیئے ــــ اگر یہ دولت میسر ہو جائے تو گویا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثتِ عظمیٰ ہاتھ آ گئی، اور آپ کو یہ دولت مفت میں حاصل ہے، اس کی قدر کرنی چاہیئے، زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے اتنا ہی کافی ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے)۔

## مکتوب ۶۸
شصت و ہشتم

خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ــــ نورانی ستون اور دُمدار ستارہ جو کہ مشرق کی جانب طلوع ہوئے تھے اور علاماتِ قیامت اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف آیت ۴۳) عَلَیْھِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّحِیَّاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالْبَرَکَاتُ (شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بڑا رحم والا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کہ اس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی بھی ہدایت نہ پا سکتے بیشک ہمارے رب کے رسول علیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات والبرکات حق بات لے کر آئے) ــــ فرزند عزیز نے جو صحیفۂ شریفہ مولانا ابوالحسن کے ہمراہ بھیجا تھا موصول ہو کر باعثِ مسرت ہوا ــــ تم نے اس نورانی ستون کے متعلق جو مشرق کی جانب سے ظاہر ہوا تھا دوبارہ دریافت کیا ہے ــــ جاننا چاہیئے کہ حدیث شریف میں

لہ آپ کے نام آٹھ مکتوبات ہیں اور مکتوبات کی تفصیل اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۴۶ پر گذر چکا ہے۔

وارد ہے کہ جب عباسی بادشاہ جو کہ حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان کے ظہور کے مقدمات میں سے ہے خراسان پہنچے گا اس وقت قرن ذوالسنین (دو دندانہ والا سینگ) طلوع ہوگا۔ اور اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ نورانی ستون دو سرا والا ہوگا۔ پہلی مرتبہ اس کا طلوع حضرت نوح علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے ہلاک ہونے کے وقت ہوا تھا ــــ پھر حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں اس وقت طلوع ہوا جب ان کو آگ میں ڈالا گیا تھا ــــ پھر فرعون اور اس کی قوم کے ہلاکت کے وقت (طلوع) ہوا ــــ اور پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے وقت بھی طلوع ہوا ــــ لہٰذا جب بھی اس کو دیکھو حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے اس روشنی کے فتنوں کے شر سے پناہ مانگو[۱] ــــــــــ یہ سفیدی جو مشرق کی جانب سے ظاہر ہوئی تھی شروع میں نورانی عمودی (سیدھی) صورت میں تھی اس کے بعد ٹیڑھی ہوگئی اور سینگ کی شکل اختیار کرلی، اسی اعتبار سے اس کو دو سرا والا فرمایا کیونکہ وہ شاخ یا سینگ دونوں طرف سے باریک ہوگئے جو دانتوں سے مشابہت رکھتے تھے پس ان دونوں طرفوں کو دو سرا اعتبار کیا ہے جیسا کہ نیزہ کہ اس کی دونوں طرفیں باریک ہوتی ہیں اور اس کو دو سرا والا کہتے ہیں۔

برادرم شیخ محمد طاہر بدخشی جو نپور سے آئے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس ستون کے بھی فوق کی جانب دو دانتوں کے مانند دو سر تھے کہ جن کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ تھا، انھوں نے اس کو صحرا میں (صاف طور پر) دیکھا تھا۔ اور ایک دوسرے گروہ نے بھی اسی طرح کی خبر دی ہے۔

اس (نورانی ستون) کا طلوع اس طلوع کے علاوہ ہے جو حضرت مہدی کی آمد کے وقت ظاہر ہوگا۔ کیونکہ ان (حضرت مہدی) علیہ الرضوان کی آمد صدی کے شروع پر ہوگی اور اس وقت صدی پر اٹھائیس سال گذر چکے ہیں ــــــــ اور نیز حدیث شریف میں علاماتِ حضرتِ مہدی علیہ الرضوان میں یہ بھی آیا ہے کہ مشرق کی جانب ایک ستارہ طلوع ہوگا کہ اس کی دم نورانی ہوگی، شاید یہ ستارہ وہی ہے یا اس کے مثل۔ اور اس ستارہ کو مُدار اس وجہ سے بھی کہتے ہیں کہ (فلاسفۂ یونان نے) کہا ہے کہ ثوابت[۲] ستاروں کی گردش مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ لہٰذا اس ستارہ کا رُخ بھی اپنی طبعی گردش کے لحاظ سے مشرق کی جانب ہے اور اس کی پشت مغرب کی جانب، لہٰذا یہ سفیدی کی

---

۱؎ اس کو ابو نعیم بن حماد نے کتاب الفتن میں ابی جعفر محمد بن علی سے روایت کیا۔

۲؎ نجومیوں کی اصطلاح میں سبع سیارہ یہ ہیں، قمر، عطارد، زہرہ، شمس، مریخ، مشتری اور زحل اور باقی سیاروں کو ثوابت کہتے ہیں۔

درازی اس کی پیٹھ کے پیچھے کی طرف ہے جو دُم سے مناسبت رکھتی ہے اور وہ جو مشرق سے مغرب کی جانب ہر روز بلند ہوتا جاتا ہے، یہ اس کی غیر طبعی گردش ہے جو فلکِ اعظم[1] کی سیر کے ساتھ وابستہ ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ۔ (اور اللہ سبحانہٗ ہی اس کی حقیقت سے خوب واقف ہے)۔

مختصر یہ کہ حضرت مہدی کے ظہور کا وقت نزدیک ہے، دیکھو آغازِ صدی تک جو کہ ان کے ظہور کا وقت ہے کیا کیا مقدمات ومبادی ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اُن (مہدی) علیہ الرضوان کے ظہور کے یہ مقدمات ومبادی ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے ارہاصات[2] کی طرح ہیں جو آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے ظہور سے پیشتر ظاہر ہوئے تھے۔ چنانچہ (علماء) نے کہا ہے کہ جب عبد اللہ کا نطفہ حضرت محمد رسول اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں آمنہ کے رحم میں قرار پکڑا تو روئے زمین کے تمام بُت سرنگوں ہو گئے اور تمام شیاطین کے کاروبار بند ہو گئے اور ملائکہ نے ابلیس علیہ اللعنۃ کے تخت کو اُلٹا کر کے دریا میں ڈال دیا اور چالیس دن تک اس پر عذاب کیا ـــــــ اور آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی شب میں ایوانِ کسریٰ میں زلزلہ آ گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔ اور فارس (کے آتشکدے) کی وہ عظیم آگ جو ہزار سال سے روشن تھی اور کبھی نہ بجھی تھی وہ یک دم بجھ گئی[3]۔

اور جب حضرت مہدی بڑے ہو جائیں گے (یعنی سِنِ شعور کو پہنچ جائیں گے) اور ان کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو بڑی تقویت حاصل ہوگی اور ظاہر وباطن میں ان کی ولایت کا تصرف عظیم ہوگا اور وہ بہت زیادہ خوارق وکرامات والے ہوں گے، اور ان کے زمانے میں عجیب وغریب نشانیاں ظہور پذیر ہوں گی۔ ممکن ہے کہ ان کے وجود سے پیشتر بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارہاصات کی طرح ان کے زمانے میں بھی مختلف قسم کے خوارق ظاہر ہوں جو ان کے ظہور کے مبادی ہوں جیسا کہ احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] فلکِ اعظم سے مراد فلک الافلاک ہے جو تمام افلاک پر محیط ہے اور جس کی حرکت سے تمام افلاک متحرک ہوتے ہیں اور دن رات، طلوع وغروب اسی حرکت پر مبنی ہیں اس حرکت کو حرکتِ قسری یعنی غیر طبعی کہتے ہیں۔ (از مولانا نور احمد امرتسری) [2] ارہاصات وہ خوارق جو نبی کی دعویٰ نبوت سے پہلے ظاہر ہوں۔
[3] ان احادیث کو امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ میں بیان کیا ہے اور تشیید المبانی میں بھی ان کی تخریج واسناد بیان کئے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ مہدی اس وقت تک ظاہر نہ ہوں گے جبتک کہ کفر غلبہ پیدا نہ کرلے اور لوگ برملا کفر و کافری نہ کرنے لگیں۔ پس اِس وقت میں کفر و کافری کا غلبہ اور اسلام و مسلمانوں کی زبوں حالی کی توقع ہے ــــــ اب وہی وقت ہے جس کے متعلق آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اہلِ اسلام کے غربا کو خوشخبری اور بشارت دی ــــــ اور آپ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اَلْعِبَادَۃُ فِی الْھَرْجِ کَھِجْرَۃٍ اِلَیَّ (فتنہ کے وقت میں عبادت کرنا گویا میری طرف ہجرت کرنا ہے) ــــــ آپ کو معلوم ہے کہ فتنہ و فساد کے غلبہ کے وقت میں اگر سپاہی دلیری دکھائیں تو وہ (بادشاہ کے نزدیک) بہت اعتبار پیدا کرلیتے ہیں اور جب فتنہ سکون پر ہو اگرچہ ارآم و رفت بھی کریں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ لہٰذا کام کرنے اور اس کے قبول ہونے کا وقت یہی فتنوں کا زمانہ ہے، پس اپنے آپ کو پورے طور پر مرضیاتِ حق جل و علا میں مشغول رکھیں اور روشن شریعت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی پیروی کے علاوہ کسی چیز کو اختیار نہ کریں اگر چاہتے ہیں کہ (روزِ قیامت) مقبولین میں آپ کا حشر ہو ــــــ اصحابِ کہف ایک ہجرت کی وجہ سے جو فتنہ کے غلبہ کے وقت میں ان سے وجود میں آئی تھی بلند مقام پر پہنچ گئے۔ آپ تو خود محمدیؐ ہیں اور خیر الامم میں داخل ہیں اپنے وقت کو لہو و لعب میں ضائع نہ کریں اور نادان بچوں کی طرح جوز و مویز سے نہ کھیلیں ؎

دادیم ترا زگنج مقصود نشاں　　گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

(دے رہا ہوں تجھ کو مقصد کا پتا　　میں نہیں پہنچا مگر تو جا سکے)

اور وہ نورانی ستون جو اس دُمدار ستارے کے طلوع سے پہلے ظاہر ہوا تھا اس سے کوئی ظلمت و کدورت مفہوم نہیں ہوتی اور سوائے خیر و برکت کے اور کچھ نظر نہیں آتا لیکن یہ دُمدار ستارہ کدورت کا شائبہ رکھتا ہے، نہیں بلکہ نفع دینے والا اور نقصان پہنچانے والا صرف اللہ سبحانہٗ ہی ہے۔ کسی ستارے میں بھی کسی شخص کی موت یا زندگی ودیعت نہیں فرمائی گئی کیونکہ جو کچھ کلام مجید سے مفہوم ہوتا ہے وہ تین غرضیں ہیں جو ستاروں سے تعلق رکھتی ہیں (مثلاً حق تعالیٰ) فرماتا ہے: وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (نحل آیہ ۱۶) (یعنی خشکی اور بحری سفروں میں) ستاروں کے ذریعے راستہ معلوم کرتے ہیں)

---

۵۲ــ اور اس کو بھی مسلم نے معقل بن یسار سے روایت کیا۔
(تشید)

اور فرمایا: وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ (ملک آیت ۵)
(اور ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے زینت دی اور شیاطین کا رجم کرنا بھی ان سے وابستہ کیا) یعنی دوسری غرض آسمانِ دنیا کو ستاروں سے زینت دینا ہے اور تیسری غرض شیطانوں کا رجم کرنا ہے تاکہ شیاطین پوشیدہ باتوں کو نہ سن سکیں۔ ان تینوں باتوں کے سوا جو کچھ لوگ کہتے ہیں وہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا اور وہم وخیال میں داخل ہے۔ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (یونس آیت ۳۶) (بیشک ظن گمان حق سے ذرا بھی بے نیاز نہیں کر سکتے)۔ بلکہ ہم کہتے ہیں: إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (حجرات آیت ۱۲) (بیشک بعض گمان گناہ ہیں)۔

فرزند عزیزا! مکرر لکھا جاتا ہے کہ اب توبہ وانابت کا وقت ہے اور دنیا سے الگ رہنے اور انقطاع کا وقت ہے کیونکہ فتنوں کے وارد ہونے کا زمانہ ہے اور نزدیک ہے کہ فتنے ابرِ بہاری کی طرح برسنے لگیں اور تمام عالم کو گھیر لیں۔ مخبرِ صادق علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: —

علامات قیامت

إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِي فَكَسِّرُوا فِيهَا قِسِيَّكُمْ وَقَطِّعُوا فِيهَا أَوْتَارَكُمْ وَاضْرِبُوا سُيُوفَكُمْ بِالْحِجَارَةِ فَإِنْ دُخِلَ عَلَى أَحَدٍ مِّنْكُمْ فَلْيَكُنْ كَخَيْرِ ابْنَيْ آدَمَ وَفِي رِوَايَةٍ قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ كُونُوا أَحْلَاسَ بُيُوتِكُمْ وَفِي رِوَايَةٍ وَالْزَمُوا فِيهَا أَجْوَافَ بُيُوتِكُمْ[۱]۔ بیشک قیامت آنے سے پہلے اندھیری رات کی طرح فتنے برپا ہوں گے اس وقت آدمی اگر صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر ہو جائے گا اور اگر شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر ہو جائے گا، ایسے وقت میں بیٹھے رہنے والا کھڑے رہنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ لہذا اس وقت تم اپنی کمانوں کو توڑ دینا اور اپنی تلواروں کو پتھروں پر مار کر کند کر ڈالنا اور اگر تم پر کوئی حملہ کرے تو تم آدم کے دونوں بیٹوں میں سے بہتر بیٹے کی طرح ہو جانا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ (ایسے وقت میں) ہم کو کیا کرنا چاہیے؟ تو آپؐ نے فرمایا اس وقت تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہنا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ اپنے گھر کی کوٹھڑی بن (اندر سے اندر) چلا جانا۔

آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ حال ہی میں دار الحرب کے کافروں نے نگر کوٹ کے مسلمانوں اور ان کے شہروں پر کس قدر ظلم وستم ڈھائے ہیں اور ان کی کتنی اہانت کی ہے، اللہ سبحانہٗ ان کو ذلیل وخوار کرے،

---

[۱] اس حدیث کو ابو داؤد اور ترمذی نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا۔

آخری زمانے (قربِ قیامت) کے تقاضوں کے مطابق اس قسم کے بدبودار پھول بہت کھلیں گے۔ ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ وَجَمِيْعَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَعَلٰى اٰلِ كُلٍّ وَعَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ (اللہ سبحانہٗ ہم کو اور تم کو اور تمام مومنوں کو حضرت سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات وعلیٰ آل کل وعلی الملائکہ المقربین کی متابعت پر ثابت قدم رکھے) ۔ آمین۔

محمد مراد بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ نماز کے تعدیلِ ارکان، طمانیت اور صفوں کی درستی کے بیان میں اور اس بیان میں کہ جب کفار کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے جائیں تو نیت صحیح کر لیں تاکہ اس پر نتیجہ مرتب ہو، اور نمازِ تہجد کا حکم کرنا اور کھانے میں احتیاط کرنا اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ صحیفۂ شریفہ جو آپ نے ارسال کیا تھا موصول ہوا، چونکہ اس میں دوستوں کے ثبات واستقامت کے متعلق مضمون تھا اس لئے بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا، اللہ سبحانہٗ آپ کو زیادہ سے زیادہ ثبات واستقامت عطا فرمائے ـــــ آپ نے لکھا تھا کہ "یہ خادم جس کام پر (آپ کی طرف سے) مامور ہے دوستوں کی ایک جماعت کے ساتھ جو طریقے میں داخل ہو چکی ہے اس پر مداومت اختیار کئے ہوئے ہے اور پچاس ساٹھ آدمیوں کی جماعت کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا ہے"۔

اس بات پر اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ باطن ذکرِ الٰہی جل شانہٗ سے معمور ہو اور ظاہر احکامِ شرعیہ سے آراستہ ہو ـــــ چونکہ اس زمانے میں اکثر لوگ نماز کی ادائیگی میں سستی کرتے ہیں اور طمانیت و تعدیلِ ارکان میں کوشش نہیں کرتے (یعنی ہر رکن کو اطمینان کے ساتھ ادا نہیں کرتے) اس لئے اس بارے میں بڑی تاکید اور مبالغہ کے ساتھ لکھا جاتا ہے، غور سے سنیں۔

نماز کے تعدیلِ ارکان کی اہمیت

مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ چوروں میں سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اپنی نماز سے کوئی کس طرح چراتا ہے؟

[1] آپ خواجہ میر محمد نعمان بدخشی کے خادم ہیں آپ کے نام دو مکتوبات ہیں ایک یہی اور دوسرا دفتر سوم مکتوب ۲۴ ہے۔

آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ نماز میں چوری یہ ہے کہ وہ نماز کے رکوع وسجود کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا[1] ——— نیز آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ خدائے جل شانہٗ اس شخص کی نماز کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا جو رکوع وسجود میں اپنی پیٹھ کو ثابت (سیدھا) نہیں رکھتا۔[2] ——— اور آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا کہ رکوع و سجود پوری طرح ادا نہیں کر رہا تو آپؐ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا، اگر تو اسی عادت پر مر گیا تو دین محمدی پر تیری موت نہ ہوگی[3] ——— نیز آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کی نماز اس وقت تک کامل نہیں ہوگی جب تک کہ رکوع کے بعد پوری طرح سیدھا کھڑا نہ ہو اور اپنی پیٹھ کو سیدھا نہ کرلے اور اس کا ہر ایک عضو اپنی اپنی جگہ قرار نہ پکڑ لے[4] ——— اور اسی طرح آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت اپنی پشت کو سیدھا نہیں کرتا اس کی نماز کامل نہیں ہوتی ——— حضرت رسالت مآب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ایک نمازی کے پاس سے گذرے دیکھا کہ وہ احکام وارکان، قومہ وجلسہ پوری طرح ادا نہیں کر رہا تو آپؐ نے اس سے فرمایا کہ اگر تو اسی عادت پر مر گیا تو قیامت کے دن تجھ کو میری امت میں سے نہ کہا جائے گا۔ اور دوسری جگہ آپ نے فرمایا کہ اگر تو اسی عادت پر مر گیا تو دین محمدی پر نہ مرے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا ہوتا ہے کہ ساٹھ سال تک نماز پڑھتا رہے اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی کیونکہ اس شخص نے رکوع وسجود کو بخوبی ادا نہیں کیا ——— کہتے ہیں کہ زید بن وہب نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع و سجود پوری طرح ادا نہیں کر رہا تو آپ نے اس شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تو کب سے اس طرح کی نماز پڑھ رہا ہے؟ اس نے کہا چالیس سال سے۔ آپ نے فرمایا کہ اس چالیس سال کے عرصہ میں تیری ایک نماز بھی نہیں ہوئی اگر تو مر گیا تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی سنت پر نہ مرے گا۔

منقول ہے کہ جب مومن بندہ نماز (اچھی طرح) ادا کرتا ہے اور اس کے رکوع وسجود بخوبی بجا لاتا ہے تو اس کی نماز بشاشت والی اور نورانی ہوتی ہے، فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں اور

---

[1] اس کو احمدؒ، مالکؒ اور دارمیؒ نے روایت کیا۔ مشکوٰۃ ——— [2] طلق بن علیؓ سے مسند احمد نے نقل کیا (مشکوٰۃ)
[3] طبرانی، ابو یعلیٰ اور ابن خزیمہ نے ابی عبداللہ اشعری سے روایت کیا (تیسیر) [4] ابو داؤد وغیرہ نے رفاعہ بن رافع سے روایت کیا (تیسیر)

وہ نماز اپنے نمازی کے لئے اچھی دعا کرتی ہے اور کہتی ہے حَفِظَكَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ كَمَا حَفِظْتَنِيْ یعنی خدائے عزوجل تیری حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی۔ اور اگر نماز کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا تو وہ نماز ظلمت والی رہتی ہے، فرشتوں کو اس نماز سے کراہت آتی ہے اور اس نماز کو آسمان پر نہیں لے جاتے، اور وہ نماز اس نمازی کے لئے بددعا کرتی ہے اور کہتی ہے ضَيَّعَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى كَمَا ضَيَّعْتَنِيْ یعنی خدائے عزوجل تجھ کو ضائع کرے جس طرح تو نے مجھ کو ضائع کیا۔[1]

پس نماز کو عمدہ طریقے پر ادا کرنا چاہئے، اور تعدیل ارکان یعنی رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ اچھی طرح بجا لانا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو بھی ہدایت کرنی چاہئے کہ وہ نماز کو کامل طور پر ادا کریں اور تعدیلِ ارکان کو طمانیت کے ساتھ ادا کرتے ہیں کوشش کریں کیونکہ اکثر لوگ اس دولت سے محروم ہیں اور یہ عمل متروک ہو رہا ہے اس عمل کا زندہ کرنا بھی دین کی اہم ضروریات میں سے ہے ——— آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص میری کسی مُردہ سنت کو زندہ کرتا ہے اس کو سَو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے[2] ——— اور یہ بھی سمجھ لیں کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے وقت صفوں کو سیدھا اور برابر کرنا چاہئے تاکہ نمازیوں میں سے کوئی شخص آگے پیچھے کھڑا نہ ہو، کوشش کرنی چاہئے کہ سب نمازی ایک دوسرے کے برابر کھڑے ہوں۔ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پہلے صفوں کو درست فرما لیا کرتے تھے پھر تکبیر تحریمہ کہتے۔[3] آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ صفوں کا برابر کرنا بھی اقامتِ صلوٰۃ میں سے ہے۔[4] رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰) (اے ہمارے رب! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر)

اے سعادت کے نشان والے! عمل تصحیح نیت کے ساتھ درست ہوتا ہے۔ چونکہ آپ دار الحرب کے کافروں کے ساتھ جہاد کے لئے روانہ ہو رہے ہیں تو سب سے پہلے تصحیح نیت کریں تاکہ اس پر نتیجہ مرتب ہو۔ چاہئے کہ اس جنگ و جدال کا مقصد کلمۂ اسلام کا بلند کرنا اور دین کے دشمنوں کی بربادی اور توہین ہونی چاہئے کیونکہ ہم اسی کے لئے مامور ہیں، اور حکم جہاد سے مقصود یہی ہے۔ دوسرے امور (مالِ غنیمت وغیرہ) کے ساتھ اپنی نیت کو باطل نہ کریں۔ البتہ مجاہدین کا کھانا پینا بیت المال سے مقرر ہے جو جہاد کے منافی نہیں ہے اور اس سے غازیوں کے اجر میں نقصان نہیں ہوتا۔ بری نیتیں

جہاد کا مقصد

---

[1] طبرانی نے الاوسط میں حضرت انسؓ سے روایت کیا (تشبیہ)۔ [2] بیہقی نے کتاب الزہد میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا (ہ)
[3] بخاری و مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کیا (ہ) [4] مسلم نے خولہ بنت حکیم سے روایت کیا (تشبیہ)

عمل کو برباد کر دیتی ہیں۔ نیت صحیح رکھیں اور بیت المال سے کھائیں پئیں اور جہاد کریں، اور غازیوں و شہیدوں کے اجر کے امیدوار رہیں۔ آپ کے حال پر رشک آتا ہے کہ باطن میں حق جل وعلا کے ساتھ مشغول ہیں اور ظاہر میں کثیر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دار الحرب میں کفار کے ساتھ جہاد کی دولت سے بھی مشرف ہو رہے ہیں (اس راہ میں) جو سلامت رہے گا وہ غازی اور مجاہد ہے اور جو مر جائے گا وہ شہید پاک ہے لیکن یہ سب کچھ تصحیح نیت کے بعد ہی متصور ہے اگر حقیقتِ نیت متحقق نہیں ہے تو تکلف کے ساتھ اپنی نیت کو اس پر قائم کر لینا چاہئے اور حضرت حق سبحانہٗ سے التجا و زاری کرنا چاہئے تاکہ حقیقتِ نیت میسر ہو جائے۔ رَبَّنَآ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (تحریم آیت ۸، ۶۶) (اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے نور کو کامل کر دے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

نمبر ۲: تہجد کی پابندی

دوسری نصیحت جو دوستوں کے لئے کی جاتی ہے وہ نمازِ تہجد کو اپنے اوپر لازم کرنا ہے جو طریقے کی ضروریات میں سے ہے۔ (یہ بات) بالمشافہ بھی آپ سے کہی گئی تھی۔ اگر یہ چیز دشوار ہو اور بیدار ہونا خلافِ عادت میسر نہ ہو تو اپنے متعلقین کی ایک جماعت کو اس کام کے لئے مقرر کر دیں تاکہ وہ وقت پر آپ کو طوعاً و کرہاً بیدار کر دیں اور آپ کو خوابِ غفلت میں نہ پڑا رہنے دیں۔ جب چند روز ایسا کریں گے تو امید ہے کہ اس دولت پر بے تکلف مداومت میسر ہو جائے گی۔

نمبر ۳: لقمہ میں احتیاط کرنا

ایک اور نصیحت یہ ہے کہ لقمہ میں بہت احتیاط رکھیں، یہ ٹھیک نہیں ہے کہ جو بھی جہاں کہیں سے ملے کھا لے اور حلال و حرام شرعی کا کچھ لحاظ نہ رکھے۔ یہ شخص خود مختار نہیں ہے کہ جو چاہے کرے بلکہ اس کا ایک مولیٰ جل سلطانہٗ (آقا) ہے جس نے اس کو امر و نہی کا مکلّف بنایا ہے اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ذریعے جو دنیا جہان والوں کے لئے سراپا رحمت ہیں اپنی رضامندی و عدم رضامندی کو ظاہر کر دیا ہے۔ وہ شخص بہت ہی بدبخت ہے جو اپنے آقا کی مرضی کے خلاف کام کرے اور آقا کی اجازت کے بغیر اس کے مُلک و مِلک میں تصرف کرے ـــــــ بڑے شرم کی بات ہے کہ مجازی آقا کی رضامندی کی رعایت کرتے ہیں اور اس بارے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے، اور مولائے حقیقی نے تاکید و مبالغہ کے ساتھ جن ناپسندیدہ کاموں سے منع کر دیا اور تنبیہ فرمائی ہے اس کی طرف کچھ توجہ

نہیں کرتے کہ یہ اسلام ہے یا کفر؟ خوب غور کرنا چاہئے، ابھی کچھ نہیں بگڑا اور اب بھی گذشتہ کوتاہیوں کا تدارک ہو سکتا ہے۔ حدیث اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ [1] (گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا)۔ یہ قصور کرنے والوں کے لئے بشارت ہے اس کے باوجود اگر کوئی شخص گناہ پر اصرار کرے اور اس سے خوش ہو تو وہ منافق ہے، اس کا ظاہری اسلام اس کے عذاب و عقاب کو دور نہیں کرے گا۔ زیادہ تاکید و مبالغہ کیا کیا جائے عقلمند کے لئے ایک اشارہ کافی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خوفناک مواقع ہیں اور اس جگہ جہاں دشمن کا غلبہ ہو امن و رفاہیت کے لئے سورۂ لِاِیْلٰفِ کا پڑھنا مجرب ہے، کم از کم گیارہ گیارہ مرتبہ ہر دن اور ہر رات میں پڑھ لیا کریں۔ حدیث مصطفوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہے کہ جو شخص کسی جگہ اترے اور یہ کلمات پڑھے، اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ [2] (میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کے تمام کلمات کے ذریعے ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا) تو وہاں سے کوچ کرنے تک کوئی چیز ضرر نہ پہنچائے گی۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

مولانا عبد الواحد لاہوری [3] کی طرف صادر فرمایا ــــــ کعبہ معظمہ کے اسرار و حقائق کے بیان میں

کہ جس طرح انسان میں عرش کا نمونہ ہے اسی طرح کعبہ معظمہ کا نمونہ بھی ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

انسان میں جس طرح اس کا قلب، رحمٰن جل سلطانہ کے عرش کا نمونہ ہے اور اس کا ظہور قلبی ظہورِ عرشی کا نمونہ ہے، اسی طرح انسان میں بیت اللہ کا بھی ایک نمونہ اور نشان ہے جو میانہ (درمیانے) اور دائیں بائیں سے بیگانہ اور حسنِ سیقت میں یگانہ ہے۔ اس دولتِ عظمیٰ کے اصل مالک تو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں، اور ان بزرگوں (انبیاء) کی تبعیت (اتباع) و وراثت کی وجہ سے امتیوں میں سے جس کو چاہیں اس دولت سے مشرف فرما دیں۔ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے اصحاب میں

(حاشیہ: اَیْ اَعْلیٰ درجات)

---

[1] اس کو ابن ماجہ، طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا۔
[2] مسلم نے خولہ بنت حکیم سے نقل کیا۔ (تشید)
[3] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۶ میں گذر چکا ہے۔

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت کی برکت کی وجہ سے یہ دولت بہت زیادہ تھی۔ صحابہؓ کے زمانے کے بعد وہ کم ہوگئی، البتہ طویل زمانوں کے گذر جانے کے بعد اگر کسی ایک ہی کو وراثت اور اتباع کی بنیاد پر اس دولت سے مشرف کر دیں تو وہ ٹڑا غنیمت اور کبریت احمر ہے، ایسا شخص اصحاب کرام علیہم الرضوان کے زمرہ میں داخل ہے اور سابقین (مقربین) میں سے ہے، اور اس عالی نسبت والا مرکزِ مطلوب کی دولت سے ممتاز ہے۔ اگرچہ نفس مرکز میں بھی بہت سے مراتب ہیں لیکن یہ سبقت کی دولت سے مشرف ہے۔ اس سے زیادہ اس معما کو کیا ظاہر کرے اور ان رموز کی کیا شرح بیان کرے۔ اور جب اللہ سبحانہ کے فضل سے یہ نسبتِ عالیہ ظاہر ہوتی ہے تو سابقہ تمام نسبتیں زوال پذیر ہو جاتی ہیں اور ان کا نام ونشان تک نہیں رہتا، خواہ وہ نسبت قلبی ہو یا غیر قلبی۔ اِذَا جَاءَ نَهْرُ اللّٰهِ بَطَلَ نَهْرُ عِيْسٰى (جب اللہ تعالیٰ کی نہر آجاتی ہے تو عیسیٰ کی نہر باطل ہو جاتی ہے) اس مقام کا نشان ہے۔ اس دولت والے صراطِ مستقیم پر ہیں جو مطلوب تک پہنچنے کے لئے محاذ (برابر) میں پڑے ہوئے ہیں اور جو کوئی اس راستے سے دائیں اور بائیں جانب ہے تو اس کا وصول ظلال میں سے کسی ظل تک ہے اگرچہ ظلال میں بھی مختلف مدارج ہیں لیکن سب ظلیت کے داغ سے داغدار ہیں۔ ؎

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست    درونِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است

(جدائی دوست کی تھوڑی بھی ہو تہیں تھوڑی    ذرا سا بال ہو گر آنکھ میں نہیں تھوڑا)

جو شخص بھی صراطِ مستقیم سے رائی کے دانے کے برابر بھی جدا ہو گیا وہ جوں جوں جائے گا دور سے دور ہوتا جائے گا اور اپنے مطلوب کے وصول میں بہت دور ہو جائے گا۔ ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی    کیں رہ کہ تو می روی بترکستان است

(کعبہ کب جائے گا تو اعرابی    راہ ترکی کی تو نے پکڑی ہے)

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ، وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (اللہ تعالیٰ ہم کو سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے، اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی)۔

حضرت مخدوم زادہ جامع علوم عقلی و نقلی خواجہ محمد سعید[1] سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کے اسرار میں۔

کلمہ طیبہ کا پہلا جز مرتبۂ وجوب تعالیٰ و تقدس کے اثبات کا متضمن ہے۔ اور مرتبۂ وجوب کا وہ ظہور جو صورتِ مثالی میں نقطہ کی صورت میں مشہود ہوتا ہے اور اس مرتبہ کے اس ظہور کی نسبت جو طویل و عریض صورت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے بہت قریب ہے۔ اگرچہ اس مرتبہ میں نہ نقطہ کی گنجائش ہے نہ دائرہ کی، وہاں نہ طول کی مجال ہے نہ عرض و عمق (گہرائی) کی۔ اسی لئے کشفی صورت میں کلمۂ مثبت، نقطہ کے رنگ میں دکھائی دیتا ہے ——— اور کلمہ (کا دوسرا جز) محمد رسول اللہ ؐ جو دعوتِ خلق کی خبر دیتا ہے اور اجسام و ظواہر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور طول و بسط کے قدم اس مقام پر راسخ ہیں، ناچار اس مقام کی صورتِ مثالی نظرِ کشفی میں طویل و عریض دکھائی دیتی ہے۔ اس مقام میں سالک اپنے بقیہ سکر کے باعث جو ابھی تک اس میں باقی ہے کلمۂ ثانیہ کو دریائے محیط کے مانند پاتا ہے اور کلمۂ اولیٰ (لا الہ الا اللہ) کو اس دریا کے مقابلے میں نقطہ کی طرح خیال کرتا ہے۔

——— یہی وجہ ہے کہ اس فقیر نے بھی اس بقیہ سکر کے باعث جو باقی رہ گیا تھا حکم کیا اور لکھا تھا کہ کلمۂ ثانیہ ایک ایسا دریا ہے کہ کلمۂ اولیٰ اس کے پہلو میں ایک نقطہ کے مانند ہے۔ اس مقام میں صاحبِ فتوحاتِ مکیہ نے بھی فرمایا ہے کہ "جمعِ محمدی" جمع بے پایانِ الٰہی جل سلطانہٗ سے اجمع (زیادہ جامع) ہے ——— پھر جب اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے وجوب تعالیٰ و تقدس کی "وسعتِ بے چونی" پر تو ڈالتی ہے اور اس مرتبۂ مقدسہ کی بے کیفی کا احاطہ ظاہر ہوتا ہے تو اسقدر طول و عرض کے باوجود تمام عالم ایک جزوِ لایتجزی (ناقابلِ تقسیم جز) کا حکم پیدا کر لیتا ہے اور جس چیز کو (سالک) ابتدا میں دریائے بے پایاں کے مقابلے میں نقطہ کی طرح پاتا تھا اب اس کو دریائے بے پایاں جانتا ہے اور دریائے محیط کو جزو لایتجزی سے بھی چھوٹا دیکھتا ہے۔

حاشیہ: کلمہ طیبہ کے اسرار — کلمہ ثانیہ

---

[1] آپ کے نام چوبیس ۲۴ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۵۹ پر درج ہے۔

اس جگہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے کیونکہ ولایت کو کلمۂ اولیٰ سے مناسبت ہے اور نبوت کو کلمۂ ثانیہ سے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ نبوت دونوں کلمۂ مقدسہ کا حاصل ہے — نبوت کا عروج کلمۂ اولیٰ سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا نزول کلمۂ ثانیہ سے۔ گویا ان دونوں کلموں کا مجموعہ مقامِ نبوت کا حاصل ہے، نہ یہ کہ صرف کلمۂ ثانیہ مقامِ نبوت کا حاصل ہے، جیسا کہ ایک جماعت نے گمان کر لیا ہے اور کلمۂ اولیٰ کو ولایت کے ساتھ مخصوص رکھا ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ دونوں کلمے عروج و نزول کے اعتبار سے مقامِ ولایت کا حاصل ہیں اور اسی طرح عروج و نزول کے اعتبار سے مقامِ نبوت کا بھی حاصل ہیں ——— خلاصۂ کلام یہ کہ مقامِ ولایت، مقامِ نبوت کا ظل ہے اور کمالاتِ ولایت، کمالاتِ نبوت کے ظلال ہیں۔ مقامِ سکر میں لوگ جو کچھ بھی کہیں وہ اس میں معذور ہیں۔ اور یہ فقیر بھی سکریات میں ان کے ساتھ شریک ہے، یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے بعض مکتوبات میں کلمۂ اولیٰ کو مقامِ ولایت کے مناسب لکھا ہے اور کلمۂ ثانیہ کو مقامِ نبوت کے مناسب ——— سکر بھی ایک نعمتِ عظمیٰ ہے بشرطیکہ اس کے بعد صحو کی طرف آجائیں اور طریقت کے کفر سے نکل کر اسلامِ حقیقی میں آجائیں۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا بِصَدَقَةِ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ اٰمِيْنًا (اے ہمارے رب! اپنے حبیب حضرت محمد علیہ علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ میں ہماری بھول چوک اور خطاؤں پر مؤاخذہ نہ فرما۔ اور اللہ تعالیٰ اس بندہ پر رحم فرمائے جو آمین کہے)۔

## مکتوب ۷۲
### ہفتاد و دویم

مخدوم زادہ خواجہ محمد معصومؒ[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ بیت اللہ المقدس کا معاملہ تجلیات و ظہورات اور ظہورِ عرشی سے بلند تر ہے اور حقیقتِ کعبہ کے ساتھ الحاق و وصول اور صورتِ کعبۂ معظمہ کی زیارت کے شوق کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— ظہورِ عرشی اگرچہ تمام ظہورات سے بلند تر ہے لیکن وہ معاملہ جو بیت اللہ المقدس سے وابستہ ہے وہ تمام ظہورات و تجلیات سے بلند تر ہے، وہاں ظہور و تجلی کا نام لینا

[1] آپ کے نام ستائیس مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۲۹۴ پر آپ کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

بھی ننگ و عار ہے کیونکہ تجلیات و ظہورات محیطِ دائرہ کا حکم رکھتے ہیں اور یہ معاملہ اس دائرہ کے مرکز کا حکم رکھتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ دائرہ کا محیط باوجود اپنی فراخی کے دائرہ کے مرکز کا ظلال ہے، کیونکہ اسی مرکزی نقطہ نے اپنے ظل کو فراخ کر لیا ہے اور سینکڑوں نقطوں کے مانند ظاہر ہو کر محیطِ دائرہ بن گیا ہے۔ اور جس بات کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں نقطہ سے تعبیر کرنا اقربِ اشیاء کے ساتھ تعبیر کرنے کی قسم سے ہے ورنہ اس مقام میں نقطہ بھی دائرہ کے مانند مفقود ہے، نہ ظاہر کے لئے اس جگہ مجال ہے نہ مظہر کو، اور نہ اس جگہ اصل کی گنجائش ہے نہ ظل کی، کیونکہ اصل بھی اس دولت سرا سے ظل کی مانند راہ میں عاجز پڑا ہوا ہے۔ بیت

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ — کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
زعنقا ہست نامے پیش مردم — زمرغ من بود آں نام ہم گم

(پتا اس مرغ کا میں کیا بتاؤں — جو عنقا کی طرح بس لاپتا ہے
کم از کم نامِ عنقا ہے تو مشہور — مگر یہ مرغ کیا ہے؟ نام کیا ہے؟)

بنی اسرائیل کے انبیاء علی نبینا و علیہم الصلوات والتحیات کا کعبہ صخرۂ بیت المقدس ہے، آخر کار اس کے کمالات و ظہورات بھی اسی کعبۂ معظمہ کے کمالات کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ ملحق ہو جاتے ہیں کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز سے الحاق کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ راستے جب تک مرکز تک نہ پہنچیں جو کہ صراطِ مستقیم ہے اس وقت تک مطلب و مقصد براری نہیں ہو سکتی۔ کیا ہی اچھا شوق ہے جو کعبہ معظمہ کی ملاقات کا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران ۳ آیۃ ۹۵-۹۶) (بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ مکہ میں ہے، برکت والا اور تمام جہان والوں کے لئے ہدایت والا ہے اس میں روشن نشانیاں ہیں جیسے مقام ابراہیم۔ جو شخص بھی اس گھر میں داخل ہو گیا وہ امن میں آ گیا۔ اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جس کو راستے کے خرچ کی استطاعت ہو وہ بیت اللہ کا حج کرے اور جو کوئی انکار کرے تو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے)۔

اگرچہ اللہ سبحانہٗ کے فضل سے حقیقتِ کعبہ کے ساتھ الحاق (وصول) میسر ہو چکا ہے اور اس

الحاق کے بعد بھی بے شمار ترقیاں حاصل ہو چکی ہیں مگر (ظاہری) صورت کو صورتِ کعبہ کی ملاقات کا شوق ہے۔ حج فرض ہو چکا ہے اور راستے کا امن بھی غلبۂ سلامتی کے باعث ثابت ہے اور اس فرض کے ادا کرنے کا شوق بھی کمال درجہ کا ہے لیکن تاخیر پر تاخیر ہوتی جا رہی ہے۔ سفر سے متعلق استخارہ کم ہی مساعدت (مدد) کرتا ہے، جسقدر بھی غور سے اچھی طرح متوجہ ہوتا ہوں جانے کا راستہ نہیں کھلتا اور کعبہ معظمہ تک پہنچنا نظر نہیں آتا، کیا کیا جائے، ادائے فرض کی تاخیر میں یہ تمام عذرات فائدہ مند نہیں ہیں۔ بہر حال اللہ سبحانہ کی توفیق سے فرض حج ادا کرنے کے ارادہ پر گھر سے نکلنا ہی چاہئے اور سر و آنکھوں کے بل منزلوں کو قطع کرنا چاہئے۔ اگر وہاں پہنچ گئے تو نعمتِ عظمیٰ ہے اور اگر راستے ہی میں رہ گئے تو بھی (اجر کی) بڑی امید ہے ـــــ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (تحریم آیت ۶۶) (اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے لئے نور کو کامل کر دے اور ہم کو بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے) وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

(یہ مکتوب بھی) مخدوم زادہ مجد الدین خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ــــ

انسانِ کامل کے ظاہر و باطن کا بیان اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی ـــــ انسان سے مراد عالمِ خلق اور عالمِ امر کا مجموعہ ہے۔ عالمِ خلق کو انسان کی صورت اور ظاہر تصور کرتے ہیں اور عالمِ امر کو انسان کا باطن اور حقیقت جانتے ہیں۔ اعیانِ ثابتہ (صورِ علمیہ) کہ جن کو حقائقِ ممکنات کہتے ہیں اس اعتبار سے ہے کہ ممکنات ان اعیان کے ظلال ہیں اور وہ اعیان ان ظلال کے اصول ہیں کیونکہ ممکنات کی حقیقت و ماہیت وہی اعیان کے ظلال ہیں کہ ممکنات ان ظلال ہی سے ممکنات بنتے ہیں اور وجودِ ظلی پیدا کیا ہے برخلاف ان اعیان کے جو تعینات وجوبیہ کا اس مقام پر اثبات کرتے ہیں اور اس کو مراتبِ امکان سے بلند جانتے ہیں، کیونکہ تعینِ وحدت اور تعینِ واحدیت کو جو کہ اعیانِ ثابتہ کے مرتبہ میں ہیں تعین وجوبی کہتے ہیں اور باقی تین تعینات کو جو کہ تعین روحی، تعین مثالی اور تعینِ حسی

ہیں ان کو تعینِ امکانی جانتے ہیں، لہذا تعینِ وجوبی کہ جس کو تعینِ امکانی کی حقیقت کہتے ہیں تو وہ تجوز (آسانی کرنا) کے طریقے پر ہے کیونکہ حقیقتِ امکانی عالمِ امکان سے ہوگی نہ کہ مرتبۂ وجوب سے۔ شے کی اصل گویا شے کی حقیقت ہے ——— پس وہ جو کہتے ہیں کہ صوفی کائن وبائن ہوتا ہے یعنی ظاہر میں مخلوق کے ساتھ اور باطن میں ان سے جدا ہے کیونکہ وہ حق سبحانہٗ کے ساتھ ہے یعنی ظاہر سے مراد اس کا عالمِ خلق ہے اور باطن سے مراد اس کا عالمِ امر ہے، اس مقام کو جو کہ "جمع بین التوجہین" (دونوں توجہوں کا جامع) ہے، بہت عالی کہتے ہیں اور اسی مقام کو تکمیل وارشاد کا مقام سمجھتے ہیں اور مرتبۂ دعوت (وتبلیغ) خیال کرتے ہیں ——— اور اس فقیر کو اس مقام میں معرفتِ خاصہ حاصل ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص اخص خواص میں سے ہو، اس کی نسبت عالمِ خلق اور عالمِ امر دونوں میں صورت وظاہر کا مجموعہ پائی جائے، اور اس کی حقیقت وباطن وہ اسم ہے جو اس کا مبدأ تعین ہے دوسرے اسماء وشیونات کے ساتھ جو اس اسم کے اصل کی طرح ہیں، یہانتک کہ وہ شیون و اعتبارات سے مجرّد (خالی) ہو کر حضرتِ ذات تک پہنچ جائیں ——— یہ کامل معرفت والا عارف جب تمام مراتبِ امکانیہ کو طے کر لیتا ہے تو اس کو اس اسم تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے جو اس کا "قیوم" ہے اور اس کی "انا" اس کے مراتبِ امکانیہ سے دور ہو کر اس کے اسم کے ساتھ منطبق ہو جاتی ہے، اور "انا" بہ ترتیب عروج کے طور پر اس اسم کے فوق کے مراتب تک پہنچ کر جو اس کے اصل کی طرح ہیں انطباق (موافقت وبرابری) حاصل کر لیتی ہے اور اس طرح سے وہ احدیتِ مجردہ تک پہنچ جاتی ہے پس یہ تمام مراتب اس کی "انا" کے مرتبوں کی حقیقت بن جاتے ہیں جو اس کا عالمِ امر　عالمِ خلق کی طرح اس حقیقت کی صورت بن جاتا ہے۔ یہ صورت اس حقیقت کے لئے لباس کے مانند ہے جیسا کہ اس شخص کی حقیقت جو لباس کو پہنے ہوئے ہے۔ اور چونکہ دوسرے لوگوں کی "انا" کا اطلاق عالمِ خلق اور عالم امر پر موقوف ہے اس لئے لازمی طور پر ان کی صورت وحقیقت یہی عالم خلق اور عالم امر ہوئی اور وہ اسماء جو ان کے تعینات کے مبادی ہیں وہ ان کے قیوم سے زیادہ نہیں ہوں گے۔

سوال: عارف اگرچہ معرفت میں کتنا ہی کمال حاصل کر لے وہ جملہ ممکنات ہی سے ہے اور امکان سے نکل کر وجوب کے ساتھ متصف نہیں ہوتا۔ لہذا وہ اسم جو اس کا قیوم ہے اور مرتبۂ وجوب سے ہے وہ کس طرح عارف کی حقیقت اور اس کا جزو بن سکتا ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ حقیقت شہود کے اعتبار سے ہے نہ کہ وجوب کے اعتبار سے کہ جس کی وجہ سے محظور (ایک حالت سے دوسرے حال کی طرف پھرنا) لاحق ہو جس طرح کہ بقایا اللہ کہتے ہیں۔ یہ شہود محض خیالی نہیں ہے بلکہ اس کے ثمرات و نتائج بھی حاصل ہوتے ہیں۔ ؎

قربادِ حافظ این ہمہ آخر بہرزہ نیست ہم قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہست

(حافظ نے جو کہا ہے وہ بے فائدہ نہیں قصہ بھی ہے غریب کہ ہے بات بھی عجیب)

پس ثابت ہو گیا کہ جو کچھ دوسروں کی صورت و حقیقت کا مجموعہ ہے وہ اس عارف کی تنہا صورت ہے کیونکہ اس کی حقیقت کی نسبت سے یہ صورت ایک یکتا جامہ کی مانند ہے جو اس کو پہننے والے کے ساتھ ہوتی ہے، لہٰذا دوسرے لوگ اس حقیقت کو کہاں پہنچ سکتے ہیں اور کیا سمجھ سکتے ہیں اور اپنی حقیقتوں اور صورتوں کی مانند ہونے کے سوا اور کیا تصور کر سکتے ہیں ——— اس عارف کی معرفت، حق سبحانہٗ کی معرفت کو مستلزم ہے: اِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ[1] (جب ان کو دیکھتے ہیں تو اللہ سبحانہٗ یاد آجاتا ہے) ان کا نشانِ شان ہے ——— الٰہی یہ کیا ماجرا ہے کہ جو تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیا ہے کہ جس کسی نے ان کو پہچان لیا تجھ کو پا لیا اور جب تک تجھ کو نہ پایا ان کو نہ پہچانا۔

اور جو کچھ اس فقیر نے اپنی بعض کتابوں اور رسائل میں لکھا ہے کہ "عارف تام المعرفت" (کامل معرفت والا عارف) رجوع کے بعد اپنی پوری استعداد کے ساتھ دعوت (الی اللہ) کے لئے عالم کی طرف متوجہ ہوتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ اس کا ظاہر مخلوق کے ساتھ ہو اور اس کا باطن حق جل سلطانہٗ کے ساتھ اس پوری استعداد سے مراد اس کا عالم خلق اور عالم امر ہے جیسا کہ قوم (لوگوں) کے نزدیک متعارف و مشہور ہے یعنی عارف، عالمِ خلق اور عالمِ امر دونوں کے ساتھ دعوت (الی اللہ) کی طرف متوجہ ہوتا ہے ——— اور وہ حقیقت و باطن کی کیفیت جو اس فقیر نے اوپر بیان کی ہے اور اس سے اسمِ قیوم اور اس کا فوق مراد لی ہے اس کی توجہ حق جل و علا کے ساتھ کچھ معنی نہیں رکھتی کیونکہ وہ تو عالمِ وجوب سے ہے جیسا کہ بیان کیا گیا۔ بہر حال رجوع کے وقت عارف کامل کی توجہ پوری طرح مخلوق ہی کی جانب ہوتی ہے اور وہ شخص جس کا ایک رخ مخلوق کی طرف ہوتا ہے اور دوسرا رُخ حق جل و علا کی طرف، وہ سیر کے توسط (درمیان) میں ہے۔ لیکن یہ شخص اس سالک سے بلند تر ہے کہ جس کی تمام توجہ حق جل و علا سلطانہٗ کی طرف ہے۔ کیونکہ یہ شخص بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں

[1] اس کو ابن ماجہ نے حضرت اسماء سے روایت کیا (مشکوٰۃ)

ناقص ہے اور وہ شخص جو دونوں کے حقوق یعنی خالق جل وعلا کا حق اور مخلوق کا حق بھی حتی المقدور بجالاتا ہے اور مخلوق کو خالق جل سلطانہ کی طرف دعوت دیتا ہے پس اس کی نسبت کامل تر ہوگی ۔ جاننا چاہئے کہ حق جل سلطانہ کی طرف توجہ کرنا بُعد اور دوری طلب کرتا ہے اور اس عارف کے حق میں بُعد دوسروں کا نصیب بن گیا ہے جو توجہ کے محتاج ہیں ۔۔۔۔ کیا تم نے کسی ایسے شخص کو دیکھا ہے جو اپنی طرف متوجہ ہو تو پھر وہ اس کی طرف کیسے متوجہ ہو سکتا ہے جو اپنے آپ سے بھی زیادہ نزدیک تر ہے کہ اس کے ساتھ توجہ کی کوئی صورت ہی نہیں ۔ اور یہ عدم توجہ عارف کے کمالات کی خصوصیات میں سے ہے ، اور بہت ممکن ہے کہ دُور بین لوگ اس کو نقص خیال کریں اور توجہ کو عدم توجہ کی وجہ سے زیادہ کمال تصور کریں ۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ان کو انصاف کی توفیق عطا فرمائے کہ یا اپنے جہلِ مرکب کا حکم نہ کریں اور بہتر کو عیب نہ جانیں ۔

خواجہ ہاشم[1] کی طرف صادر فرمایا ۔۔۔۔ آیہ کریمہ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ الآیہ اور آیہ کریمہ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ الآیہ کی تاویل میں اور انسانِ کامل کی خلافت کے بیان میں کہ اس کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں اور وہ اپنے نفس کے لئے ظالم ہے ۔ اور مقتصد کو ندیم اور خلیل سے تعبیر کرتے ہیں اور سابقٌ بالخیرات کو محب و محبوب کے ساتھ جن کے سر حلقہ حضرت محمد رسول اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰة والسلام ہیں ۔

اللہ تبارک وتعاظم وتعالیٰ فرماتا ہے : ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (فاطر آیت ۳۲ / ۳۵) (پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چُن لیا تھا، پھر کوئی ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی اعتدال پر چلنے والا، اور کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیکیوں میں سب سے آگے بڑھنے والا ہے) ۔۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (احزاب آیت ۷۲ / ۳۳)

[1] آپ کے نام تیرہ ۱۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۰ پر گذر چکا ۔

(یقیناً ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں و زمین اور پہاڑوں کے سامنے رکھا تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے (لیکن) انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ بیشک وہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے) — ان دونوں آیتوں کی مراد اللہ سبحانہٗ ہی جانتا ہے لیکن جو کچھ ہم پر ظاہر ہوا اس کے مطابق تاویل بیان کرتے ہیں: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (بقرہ آیت ۲۸۶) (اے ہمارے پروردگار! تو ہماری بھول چوک پر مواخذہ نہ کیجیو)۔

جاننا چاہئے کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ[1] (بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) اور حق تعالیٰ شکل و صورت سے منزہ اور بلند ہے پس حق تعالیٰ سبحانہٗ کا آدم کو اپنی صورت پر پیدا کرنا اس معنی میں ہو سکتا ہے کہ اگر عالمِ مثال میں مرتبۂ تنزیہ کے لئے کوئی صورت فرض کی جائے تو وہ یہی "صورتِ جامع" ہوگی جس صورتِ جامع پر انسان موجود ہوا ہے، دوسری صورت کو یہ قابلیت حاصل نہیں ہے کہ اس مرتبۂ مقدسہ کی تمثال ہو سکے اور اس کا آئینہ بن سکے ———— یہی وجہ ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی خلافت کے لائق ہوا ہے کیونکہ وہ (خلیفہ) جب تک کسی شئے کی صورت پر مخلوق نہ ہو اُس شئے کی خلافت کے لائق نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ شئے کا خلیفہ ہی اس شئے کا قائم مقام اور نائب ہوتا ہے اور جب انسان رحمٰن تعالیٰ کا خلیفہ ہوا تو لازمی طور پر امانت کا بار اٹھانے کے لئے متعین ہو گیا لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہُ (بادشاہ کے عطیات کو اسی کے باربردار اُٹھا سکتے ہیں)۔ آسمان، زمین اور پہاڑ یہ جامعیت کہاں سے پائیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی صورت پر پیدا ہوں اور اُس سبحانہٗ تعالیٰ کی خلافت کے لائق ہوں اور اس کی امانت کا بوجھ اٹھا سکیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر بالفرض اس بارِ امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے حوالے کر دیتے تو وہ پارہ پارہ ہو جاتے اور ان کا کچھ بھی نشان باقی نہ رہتا، اور وہ امانت اس حقیر کے خیال کے مطابق نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے جو انسانِ کامل کے افراد کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی انسانِ کامل کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو بحکمِ خلافت تمام اشیاء کا قیوم[2] بنا دیتے ہیں اور تمام مخلوق کو وجود و بقا اور تمام کمالاتِ ظاہری و باطنی فیوض اسی کے واسطے سے پہنچاتے ہیں، اگر فرشتہ ہے تو وہ بھی اسی کے ساتھ متوسل ہے اور اگر انسان اور جن ہے تو وہ بھی اسی کا (دامن) پکڑنے والا ہے اور حقیقت میں تمام انسان کی توجہ اسی کی طرف ہوتی ہے اور سب بھی اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، خواہ وہ اس حقیقت کو جانیں یا نہ جانیں۔

---

[1] اس حدیث کی شرح دفتر اول مکتوب ۹۵ پر گذر چکی ہے۔ [2] اس میں حضرت مجددؒ کی قیومیت کی طرف اشارہ ہے۔

(حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا) ارشاد ہے: اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ یعنی انسان اپنے نفس پر اسقدر زیادہ ظلم کرتا ہے کہ وہ اپنے وجود اور توابع وجود (یعنی صفاتِ ثمانیہ) میں (کیونکہ انسان بھی حق تعالیٰ کی صفاتِ ثمانیہ کا ظلال ہے) ان کا کچھ بھی نام ونشان اور حکم باقی نہیں رہنے دیتا۔ اور واقعی جب تک وہ اپنے اوپر اس طرح ظلم نہیں کرے گا بارِ امانت اٹھانے کے لائق نہیں ہوگا ——— جَهُوْلًا یعنی اسقدر جاہل ہے کہ اس کو اپنے مطلوب (مقصود) کا کوئی علم وادراک تک نہیں، بلکہ وہ مطلوب کے ادراک سے عاجز اور مقصود کے علم سے جاہل ہے۔ یہ عجز وجہل اس مقام میں کمالِ معرفت ہے کیونکہ اس مقام میں جو سب سے زیادہ جاہل ہے وہی سب سے زیادہ عارف ہے اور اس میں شک نہیں جو سب سے زیادہ عارف ہے وہی بارِ امانت کے اٹھانے کے زیادہ لائق ہے۔ یہ دونوں صفتیں (ظلوماً جہولاً گویا بارِ امانت کے اٹھا لینے کی علت (سبب) ہیں۔

یہ عارف جو کہ اشیاء کی قیومیت کے منصب سے مشرف ہوا ہے وزیر کا حکم رکھتا ہے کہ تمام مخلوقات کے اہم کام اور معاملات اس کی طرف راجع کر دیئے جاتے ہیں۔ اگرچہ انعامات بادشاہ کی طرف سے ہیں لیکن ان کا پہنچنا وزیر کے توسط سے وابستہ ہے۔ اس دولت کے سردار ابو البشر حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور یہ منصبِ عالی اصلی طور پر انبیاءِ اولو العزم علیہم الصلوات والتحیات اور ان بزرگواروں کی تبعیت ووراثت کے طور پر جس کو چاہیں اس دولت سے مشرف فرمائیں۔ ع

با کریماں کارہا دشوار نیست (کریموں کا نہیں ہے کام مشکل)

اور وارثانِ کتاب (یعنی جن تین گروہوں کا ذکر آیۂ مبارکہ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا الآیہ میں مذکور ہے) میں سے پہلا گروہ جو کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں یہی لوگ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ہیں جو کہ وزارت وقیومیت کے منصب سے مشرف ہیں۔ ان برگزیدہ لوگوں میں سے دوسرا گروہ جن کو مُّقْتَصِدٌ (میانہ رو) سے تعبیر فرمایا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو دولتِ خُلّت سے مشرف ہوئے ہیں اور صاحبِ سِر اور اہلِ مشورہ ہیں۔ اگرچہ بادشاہت کا معاملہ اور کاروبار کا تعلق وزیر سے وابستہ ہے لیکن خلیل یعنی دوست ہمنشین وغمخوار اور انیس ہوتا ہے، یہ (خلیل) اپنی فرحت کے لئے ہے اور وہ (وزیر) دوسروں کے معاملات کے لئے، ان دونوں میں بڑا فرق ہے (یعنی خلیل پہلے گروہ سے بڑا ہے) اور اس مقامِ عالی (یعنی خُلّت) کے سرحلقہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور (ان کے بعد) جس کو چاہیں

اس مقامِ عالی سے مشرف فرمائیں ـــــ اور مقامِ خلت سے بالاتر مقامِ محبت ہے جس مقامِ اعلیٰ کے ساتھ تیسرے گروہ کے لوگ جو سابق بالخیرات ہیں مشرف ہوئے ہیں۔ مددگار اور ہم نشین اور ہونا سے اور محب و محبوب اور۔ اور وہ اسرار و معاملات جو محب و محبوب کے درمیان ہوتے ہیں مددگار اور ہم نشین کا اس میں کچھ دخل نہیں، اگرچہ کمالِ انس والفت کے وقت محبت کے خفیہ اور پوشیدہ اسرار کو خلیل کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں اور اس کو محب و محبوب کے اسرار کا محرم بنا سکتے ہیں۔ محبوں کے سرِ حلقہ حضرت کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور محبوبوں کے سرگروہ حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات ہیں، یا ان صاحب دولتوں کی وراثت و تبعیت سے جس کو ان دونوں مقاموں سے مشرف فرمائیں ـــــ اور وہ مقامات جو مقامِ محبت سے اعلیٰ ہیں ان کو بھی اس فقیر نے کسی مکتوب میں لکھا ہے، ان میں بھی صدر نشین حضرت محمد رسول اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ یہ سب مقامات سابقین کے مقام میں داخل ہیں جو کہ وارثان کتاب میں سے تیسرے گروہ کو نصیب ہیں۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰) (اے ہمارے رب! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

مکتوب ۷۵
ہفتاد و پنجم

میرزا مظفر خاں[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ مصائب اور بلیات دوستوں کے لئے خاص طور پر کفارہ ہیں پس گریہ وزاری کے ذریعے معافی اور عافیت طلب کرنی چاہئے اور اس کے مناسب بیان میں۔

سَلَّمَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِجَنَابِكُمْ (اللہ سبحانہٗ آپ کو ان باتوں سے محفوظ رکھے جو آپ کی جناب کے لائق نہیں ہیں) ـــــ دنیاوی رنج و مصیبتوں اور بلیات کا وارد ہونا دوستوں کے لئے خاص طور پر ان کی لغزشوں کا کفارہ ہیں (لہٰذا) گریہ وزاری اور التجا و انکساری کے ساتھ جنابِ قدس تعالیٰ سے معافی اور عافیت طلب کرنی چاہئے، یہاں تک کہ قبولیت کا اثر ظاہر ہو اور فتنوں کا دور ہو جانا معلوم ہو جائے۔ اگرچہ دوست اور خیر خواہ اسی (دعا کے) کام میں لگے ہوئے ہیں لیکن صاحبِ معاملہ اس کام کا زیادہ مستحق ہے (کیونکہ دوا کا استعمال کرنا اور پرہیز کرنا تو مریض کا کام ہے۔ دوسرے لوگ

---

[1] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں ایک یہی اور دوسرا دفتر اول مکتوب ۱۷۸۔

(تیماردار) اس کے ازالۂ مرض میں صرف مددگار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور معاملہ کی حقیقت تو یہ ہے کہ جو کچھ بھی محبوبِ حقیقی کی طرف سے پہنچے اس کو خندہ پیشانی اور فراخی اور اس کے احسان کے ساتھ قبول کرنا چاہئے بلکہ اس سے لذت حاصل کرنی چاہئے۔ وہ رسوائی اور بے عزتی جو محبوب کی مراد ہے محب کے نزدیک ننگ و ناموس اور عزت سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ وہ اس کے اپنے نفس کی مراد ہے۔ اگر یہ کیفیت محب کو حاصل نہیں ہوئی تو وہ محبت میں ناقص بلکہ جھوٹا ہے ؎

گر طمع خواہد زمن سلطانِ دیں　　خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

(مجھ سے گر چاہے طمع سلطانِ دیں　　پھر قناعت کی مجھے حاجت نہیں)

جناب شریعت مآب جب ملازمت سے واپس آئے تو انھوں نے اس سفر کے حالات اور مسافروں کی مشکلات بیان کیں تو ان کی سلامتی و عافیت کے لئے دعا کی گئی۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (بقرہ ۲ آیت ۲۸۶) (اے ہمارے رب! تو ہماری بھول چوک پر ہم سے مواخذہ نہ کیجیو، اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جس کو ہم برداشت نہ کر سکیں۔ ہم کو معاف فرما، ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مالک ہے پس ہم کو کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما)۔ سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (صٰفٰت ۳۷ آیت ۱۸۰ تا ۱۸۲) (پاک ہے تمہارا رب عزت والا ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو تمام رسولوں پر اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں) والسّلام

مولانا فرخ حسین[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ عرش کی حقیقت کے بیان میں کہ وہ عالمِ خلق اور عالمِ امر کے درمیان ایک برزخ ہے جو دونوں کا رنگ رکھتا ہے اور وہ زمین و آسمان کی قسم سے بھی نہیں ہے۔ اور کرسی اور اس کی وسعت کے بیان میں۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ بدخشاں کے مشائخ میں سے تھے ہندوستان تشریف لائے اور حضرت مجددؒ کی خدمت میں تکمیلِ سلوک کے بعد خلافت پائی (روضۃ القیومیہ) اور صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں (باقی آئندہ صفحہ پر)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــــ "عرشِ مجید" حق سبحانہٗ کی عجیب و غریب مصنوعات میں سے ہے اور وہ عالمِ خلق و عالمِ امر کے درمیان عالمِ کبیر میں ایک برزخ ہے جو کہ اس (عالم) سے بھی مناسبت رکھتا ہے اور اس سے بھی۔ اور عالمِ خلق جو چھ دن میں پیدا ہوا ہے وہ زمین پہاڑوں اور آسمانوں سے جیسا کہ آیۂ کریمہ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ الآیہ (حم السجدہ آیت ۹) (دو دن میں پیدا کیا) میں واقع ہے عرش کی ایجاد ان سب کی تخلیق سے پہلے ہے جیسا کہ تعالیٰ و تقدس نے فرمایا: وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ وَّکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ (ہود آیت ۷) (اور وہ (حق تعالیٰ) جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا)۔ بلکہ پانی کو پہلے پیدا کرنا بھی اسی آیۂ کریمہ سے مفہوم ہوتا ہے۔ لہٰذا عرشِ مجید جس طرح کہ زمین کی جنس سے نہیں ہے اسی طرح وہ آسمان کی قسم سے بھی نہیں ہے کیونکہ وہ عالمِ امر سے بھی بہت زیادہ حصہ رکھتا ہے اور یہ سب اس سے کچھ بھی حصہ نہیں رکھتے ــــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب اس (عرش) کو زمین کی نسبت آسمانوں سے بہت زیادہ مناسبت ہے تو لازمی طور پر اس کو آسمانوں میں شمار کیا جاتا ہے ورنہ حقیقت میں نہ وہ زمین کی جنس سے ہے اور نہ آسمانوں کی قسم سے ہے، پس ضروری ہوا کہ زمین و آسمان کے آثار و احکام جدا ہوں ــــــ باقی رہا کرسی کا معاملہ تو وہ آیۂ کریمہ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (بقرہ آیت ۲۵۵) (اس کی کرسی میں آسمانوں و زمین کی گنجائش ہے) سے مفہوم ہوتا ہے کہ کرسی بھی آسمانوں سے جدا (ایک شے) ہے اور ان میں سب سے زیادہ فراخ و وسیع ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ کرسی عالمِ امر سے نہیں ہے کیونکہ اس کو عرش کے نیچے کہتے ہیں اور عالمِ امر کا معاملہ عرش کے اوپر ہے اور چونکہ وہ (کرسی) عالمِ خلق سے ہے اور اس کی تخلیق آسمانوں سے جدا ہے تو ہونا چاہئے کہ اس کی تخلیق ان چھ دنوں کے علاوہ ہو، اور اس میں کوئی خلاف بات نظر نہیں آتی کیونکہ تمام عالمِ خلق کو چھ روز میں اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں فرمایا بلکہ پانی کی تخلیق جو کہ عالمِ خلق سے ہے وہ ان چھ دنوں کے علاوہ ہے اور ان چھ دنوں پر اس کو تقدم حاصل ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ــــــ

عرش مجید کے اوصاف

---

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) کہ آپ فنونِ حکمیہ اور انشا شاعری میں بہت بڑے عالم تھے۔ ہرات میں پیدا ہوئے وہیں علم حاصل کیا پھر ہندوستان آئے اور شہزادہ شجاع کے مقرب ہو گئے اور اس کے ہمراہ ڈھاکہ پہنچے۔ آپ سے بہت سے علمانے طریقہ اخذ کیا۔ ڈھاکہ میں عاشورا کے روز ۱۰۶۸ھ کو نماز فجر کے آخری سجدہ میں وفات پائی۔

اور چونکہ کرسی کا معاملہ ہم پر وضاحت کے ساتھ نہیں کھلا ہے اس لئے اس کی تحقیق کو دوسرے کسی وقت پر مؤخر کرتے ہیں اور حق تعالیٰ جل وعلا کے کرم سے امیدوار ہیں۔ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً۔

اس تحقیق سے دو قوی اعتراضات دور ہوگئے: پہلا یہ کہ جب زمین و آسمان نہیں تھے تو چھ روز کی تشخیص و تعین کہاں سے آگئی۔ یکشنبہ دوشنبہ سے کیسے علیحدہ ہوا اور سہ شنبہ چہار شنبہ سے کیسے ممتاز ہوا اور پنجشنبہ جمعہ سے کیونکر ممتاز ہوا، اور چونکہ عرش کی تخلیق زمین و آسمان کی تخلیق پہلے معلوم ہوچکی تو زمانے کا حصول متصور ہوگیا۔ اور ایام کے اثبات کی وضاحت معلوم ہوگئی، اور اعتراض دور ہوگیا۔ یہ کیا ضروری ہے کہ دنوں کا امتیاز آفتاب کے طلوع و غروب پر ہی مخصوص ہو، کیونکہ یہ طلوع و غروب بہشت میں نہیں ہیں لیکن وہاں بھی دونوں کا امتیاز ثابت ہے، جیسا کہ احادیث میں وارد ہے ——— اور دوسرا یہ اعتراض دور ہوا جو کہ اس فقیر کے علوم سے مخصوص ہے وہ یہ ہے کہ حدیث قدسی جل سلطانہ میں آیا ہے: لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ[1] (نہ میری زمین میری وسعت رکھتی ہے اور نہ میرا آسمان لیکن میرے مؤمن بندے کا قلب میری وسعت رکھتا ہے)۔ اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ ظہورِ اتم بندۂ مومن کے قلب کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے علاوہ کسی کو یہ دولت میسر نہیں ہے۔ اور تم نے (حضرت مجدد نے) اپنے مکتوبات میں اس کے خلاف لکھا ہے کہ ظہورِ اتم یعنی کامل ظہور عرش مجید کے لئے خاص ہے اور ظہور قلبی، ظہور عرشی کی ایک لمعہ (چمک) ہے۔ اور سابقہ تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرشِ مجید کے آثار و احکام زمین کے آثار و احکام سے جدا ہیں (یعنی) زمین و آسمان میں گنجائش نہیں ہے لیکن عرش میں ہے۔ ہاں زمین و آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ان دونوں کے درمیان ہے اس وسعت کی قابلیت نہیں رکھتے البتہ مؤمن کا قلب اس دولت کی استعداد رکھتا ہے۔ لہٰذا وسعتِ قلبی کا حصر زمین و آسمانوں کے اعتبار سے ہوا نہ کہ ان تمام مصنوعات کی نسبت سے کہ جس میں عرشِ مجید بھی شامل ہے تاکہ حدیثِ قدسی کے مفہوم کے خلاف متصور ہو۔ پس یہ دوسرا اعتراض بھی دور ہوگیا۔

جاننا چاہئے کہ عرش مجید جو ظہور کامل کا محل و مقام ہے جب ہم اس کا مقابلہ زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے اس سے کرتے ہیں تو بلا کسی توقف کے یہ ناچیز و نابود ہوجاتے ہیں اور ان میں سے کسی کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا سوائے قلبِ انسانی کے کہ وہ اسی (حق تعالیٰ) کے رنگ میں رنگا ہوا ہے

[1] اس حدیث کی تخریج دفتر اول مکتوب ۷۰ میں گذر چکی (نشیم)

باقی رہتا ہے اور لاشئ محض نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح وہ ظہور جو فوق کی جانب ورائے عرش ہے صرف عالمِ امر سے تعلق رکھتا ہے اور وہاں عرش کو (اس مرتبہ میں) وہی نسبت حاصل ہے جو زمین و آسمان کو عرش کے ساتھ ہے۔ اور اسی طرح ہر فوق کو اپنے ماتحت کے ساتھ اسی طرح کی نسبت کا حکم ہے، یہاں تک کہ عالمِ امر انتہا کو پہنچ جائے ـــــــ اس دائرے کے تمام ہونے کے بعد معاملہ حیرت اور جہل کا ہے، اگر معرفت ہے تو وہ بھی مجہول الکیفیت ہے جو کہ حادث کے عقل و فہم کے لائق نہیں ہے ـــــــ اب ہم انسانی کمالات اور قلبِ انسانی کے بارے میں کچھ بیان کرتے ہیں ع

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگوئی

عرشِ مجید اگرچہ "وسیع تر" اور "مظہرِ اتم" ہے، لیکن اپنی اس دولت کے حصول کا علم نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کو اس کمال کا شعور حاصل ہے۔ بخلاف قلبِ انسانی کے کہ وہ صاحبِ شعور بھی ہے اور اپنے علم و معرفت سے معمور بھی، اور دوسری فضیلت جو خاص طور پر قلب کو حاصل ہے وہ بیان کرتا ہوں، خوب غور سے سنیں ـــــــ "مجموعِ انسانی" جس کو عالمِ صغیر کہتے ہیں اگرچہ وہ عالمِ خلق اور عالمِ امر سے مرکب ہے لیکن اس کو ہیئتِ وحدانی حقیقی حاصل ہے جس ہیئت پر آثار و احکام مرتب ہوتے ہیں اور اور عالمِ کبیر کو یہ ہیئت حاصل نہیں ہے اگر ہے بھی تو اعتباری ہے (یعنی وقتی طور پر اعتبار کر لیا گیا ہے) لہٰذا وہ فیوض جو اس ہیئتِ وحدانی کی راہ سے انسان کو اور اس کے توسط سے انسان کے قلب تک پہنچتے ہیں، عالمِ کبیر اور عرشِ مجید جو کہ اس عالمِ کبیر میں قلب کی مانند ہیں ان کو ان فیوض و برکات سے بہت کم حصہ ملا ہے۔ اور اسی طرح (قلب کی دوسری فضیلت کی وجہ یہ بھی ہے کہ) جزوِ ارضی جو کہ خفیقت میں مخلوقات کا خلاصہ ہے اور دوری کے باوجود اقربِ ظہورات ہے اس (جزوِ خاکی) کے کمالات مجموعۂ عالمِ صغیر (انسان) میں سرایت کر گئے ہیں اور عالمِ کبیر میں چونکہ فی الحقیقت یہ مجموعہ نہیں ہے اس لئے یہ سرایت وہاں مفقود ہے لہٰذا قلبِ انسان بخلاف عرشِ مجید یہ کمالات بھی رکھتا ہے۔

ـــــــ جاننا چاہئے کہ یہ فضائل و کمالات جو کہ قلبِ انسانی میں ثابت کئے گئے ہیں جب (یہ فقیر ان کو) بہت غور سے دیکھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ فضلِ جزئی میں داخل ہیں اور فضلِ کلی تو خاص ظہورِ عرشی کے لئے پایا تا ہے۔ عرش اور قلب کی مثال ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا ایک وسیع آگ ہے جس سے دشت و صحرا منور ہو گئے ہیں اور اس آگ سے ایک شعل روشن ہے جس نے بعض

قلبِ انسانی کے اوصاف

امور کے الحاق سے ایک علیحدہ نورانیت پیدا کرلی ہے جو اس آگ میں نہیں ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ زیادتی صرف فضیلتِ جزئی ہی ثابت کرتی ہے: وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّھَا (تمام کاموں کی حقیقتوں کو اللہ سبحانہٗ ہی جانتا ہے) رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (تحریم آیۃ ۶۶) (اے ہمارے رب! ہمارے لئے نور کو کامل کردے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے) وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلَائِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ اَجْمَعِیْنَ۔

مولانا حسن برکی[۱] کی طرف صادر فرمایا ـــــ ان کے عریضے کے جواب میں جس میں انھوں نے صوفیہ کے کلام کے طور طریق پر اعتراضات کئے تھے اور خط کے آخر میں تحریر تھا کہ ہر حکم جو احکامِ شرعیہ سے متعلق ہے وہ گویا ایک دریچہ ہے جو مقصود کے شہر تک پہنچانے والا ہے اور دوسرے سوالات کے جواب بھی جو انھوں نے کئے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ میرے بھائی شیخ حسن کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کے حال کو اچھا کرے۔ چونکہ اس میں شرعی اوصاف اور استقامت کی خوشبو آتی ہے اس لئے باعثِ مسرت ہوا۔

آپ نے تحریر کیا ہے کہ وہ سلوک جو مشہور ہے اور جس سے سالکوں کے اعتقاد اور ہمارا مفہوم ہے وہ یہ ہے کہ بندی کو اس وقت تک ذکر کرنا چاہئے جبتک کہ دل ذاکر ہو جائے اور پھر یہاں تک ذکر کرے کہ ذکر سے ٹھہر کر اس کا دل الہامات و تجلیات کا محل و مقام ہو جائے اور سالک مقامِ فنا میں پہنچ جائے جو ولایت کا پہلا قدم ہے۔ اور (صوفیہ نے) فرمایا ہے کہ فنا وہ ہے کہ سالک کی دید و دانش سے مُسمّٰی بالغیر (ہر وہ چیز جو غیر کے نام سے موسوم ہے) دُور ہو جائے اور سالک کی دید و دانش میں واجب تعالیٰ و تقدس کے سوا باقی نہ رہے جس کو مشہود و مشاہدہ کہتے ہیں، اس کا مقصود یہ ہے کہ وہ اپنے خیال میں حق تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور مسمّٰی بالغیر کو نہیں دیکھتا، اور دو دیکھنے والے کو مشرکِ طریقت کہتے ہیں۔

[۱] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۷۱ پر گذر چکا ہے۔

اور آپ نے لکھا ہے کہ فقیر کو یہ معارف اور اسی طرح کے دوسرے معارف بیقرار کر دیتے ہیں کیونکہ اگر ان (صوفیہ) کا مقصود یہ ہے کہ حق جل سلطانہٗ کو دنیا میں آنکھ یا دل کی بصیرت سے دیکھا جائے اگر وہ اس شہود و دید کا شعور رکھتے ہیں تو وہ بھی مشرکِ طریقت ہیں، اگر وہ اس معنی میں شعور نہیں رکھتے تو وہ کس کی خبر دیتے ہیں اور کس کو خبر دیتے ہیں ——— اور آپ نے لکھا ہے کہ جو کچھ وہ دیکھتے ہیں اور جس طریقے سے بھی دیکھتے ہیں خواہ وہ تجلیٔ صوری ہو یا تجلیٔ معنوی، خواہ نوری ہو یا اس کے علاوہ نظر آنے والی چیز کو وہ ذاتِ حق جل وعلا جانتے ہیں اور جس حیثیت سے بھی ہو اس کو مسمی بالغیر جان کر اس کا ظہور جانتے ہیں، اس فقیر (مولانا حسن برکی) کے نزدیک یہ (باتیں) بے فائدہ اور دور از کار ہیں اور خلافِ نصِ کریمہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (شوریٰ آیت ۱۱) (کوئی چیز بھی اس کے مثل (مانند) نہیں) اور آیہ کریمہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (انعام آیت ۱۰۳) (آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں) اس معنی پر گواہ ہیں ـــ لہٰذا یہ قوم (جماعت صوفیہ) جو کچھ بھی دیکھتے ہیں اور جو کچھ بھی جانتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں کہ ہم حق جل وعلا کے سوا کسی کو نہیں دیکھتے اور نہیں جانتے اور اسی حالت کو شہود و مشاہدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ سب فکر و اندیشے جو وہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی تدبیر میں کرتے ہیں یہ غیر ہیں یا نہیں؟

(جواب) جان لیں اور آگاہ ہوں کہ یہ سب طویل باتیں اور نامناسب اعتراضات جو آپ نے مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم پر کئے ہیں ان کا باعث یہ ہے کہ آپ نے ان بزرگواروں کی منشاء کو نہیں سمجھا۔ "توحید شہودی" جس کے معنی ہیں "ایک دیکھنا" اور وہ ماسوا کے نسیان پر وابستہ ہے ان بزرگواروں کے نزدیک طریقت کی ضروریات میں سے ہے، جب تک یہ حاصل نہ ہو اغیار کی گرفتاری سے خلاصی نہیں ہوتی، اور آپ اس دولت اور دولت والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ شہود و رویت جو ان اکابر مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارتیں واقع ہے اس سے مراد اس تعالیٰ و تقدس کا حضورِ بے چونی ہے جو کہ مرتبۂ تنزیہ کے مناسب ہے اور احاطۂ ادراک سے باہر ہے جو کہ عالمِ چون ہے اور (مشائخ نے) اس دولتِ حضور کو دنیا میں باطن کے ساتھ مخصوص رکھا ہے، ظاہر کو ہر وقت دو بینی سے چارہ نہیں، اسی لئے کہتے ہیں کہ جس طرح عالمِ کبیر میں مشرک و موحّد ہے اسی طرح عالمِ صغیر (انسان) میں بھی مشرک و موحد جمع ہے۔ کامل کا باطن ہر وقت موحّد ہے اور اس کا ظاہر مشرک ہے، پس کامل کا باطن ہر وقت حق جل وعلا کی طرف لگا رہتا ہے اور اس کا ظاہر اہل و عیال کی تدبیر میں، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہ اعتراض بے سمجھی کے باعث ہے۔ آپ کو اس قسم کی باتیں ہرگز نہیں کرنی چاہئیں اور حق جل سلطانہٗ کی غیرت سے ڈرتے رہنا چاہئے ——— بظاہر (ایسا معلوم ہوتا ہے) اس وقت کے مدعیان نے آپ کو اس فتنہ و فساد پر آمادہ کیا ہے۔ آپ کو بزرگوں کا لحاظ کرنا چاہئے۔ اگر آپ ان مدعیوں کی نئی سے نئی اور من گھڑت باتوں پر اعتراض کرتے تو گنجائش تھی لیکن وہ امر جو قوم (صوفیہ) کے نزدیک مقرر اور اس راہِ (طریقت) میں ضروری ہے اس کے متعلق گفتگو کرنا مناسب نہیں ہے۔ آپ نے فقیر کے رسالوں اور مکتوبات میں دیکھا ہوگا کہ توحیدِ شہودی کی نسبت کس قدر لکھا ہے اور ضروریاتِ راہِ (طریقت) سے قرار دیا ہے ——— آپ کو چاہئے تھا کہ اس کے معنی دریافت کرتے اور حُسنِ ادب سے سوال کرتے۔ یہ ایک پھول ہے جو مولانا احمد (برکی) علیہ الرحمہ کی مفارقت کے بعد کھِلا ہے۔ مولانا کی زندگی میں اس قسم کی باتیں آپ سے کبھی ظاہر نہ ہوئی تھیں، خیر اچھا ہوا کہ آپ نے لکھ دیا اور آپ کو تنبیہ و آگاہی بھی ہو گئی۔ آئندہ بھی جو کچھ ظاہر ہوتا رہے لکھتے رہا کریں اور صحت و سقم کا خیال نہ کریں کیونکہ اگر صحیح ہوگا تو خوشی کا باعث اور اگر غلط ہوگا تو تنبیہ کا باعث ہوگا، بہرصورت لکھنے میں سُستی نہ کیا کریں ——— ایک سال کے بعد آپ کا خط قافلے کے ہمراہ آتا ہے لہذا سال میں ایک بار تو نصیحتوں کا لکھنا ضروری ہے۔ جب تک نہ لکھیں اور نہ پوچھیں گے تب تک گفتگو کا راستہ نہیں کھُلے گا۔

آپ نے دریافت کیا ہے کہ قلب ظاہر کی قسم سے ہے یا باطن کی؟ ——— (جواب) عارف کے ظاہر و باطن کے متعلق ایک مکتوب میں تفصیل سے لکھا ہے، ملا عبدالحی سے کہوں گا کہ اس کی ایک نقل آپ کو بھیج دیں، اس کو ملاحظہ کر لیں ——— نیز آپ نے یہ بھی دریافت کیا ہے کہ وہ طریقہ جو تجلیات و کشفیات کے بغیر ہے اس طریقے میں متوسط اور منتہی کی شناخت کا کیا طریقہ ہے؟ ——— جاننا چاہئے کہ اگر یہ سالک جو اپنے احوال کا علم نہیں رکھتا اور کسی شیخ کامل مکمل کی خدمت میں ہے تو اس کے حال کے لئے شیخ کا علم ہی اس کو کافی ہے اور اس کے بتلانے پر اپنے توسط اور انتہا کو معلوم کر سکتا ہے۔ اور اگر اس شیخ نے اس طالب کو ایک قسم سے ارشادِ خلق کی اجازت دیدی ہے تو اس کے مریدوں کے احوال اس سالک کے کمالات کی آئینہ داری کریں گے اور وہاں سے اپنے نقص و کمال کا مطالعہ ہو جائے گا۔ اور دوسری نشانی معرفت کی انتہا کے لئے یہ ہے کہ

حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے علاوہ سالک کا کوئی بھی (مقصود اور مطلوب) نہ رہے اور اس کا سینہ تمام ماسوائے (حق) سے خالی اور صاف ہو جائے۔ نہایت کے بہت سے مراتب ہیں جن میں سے بعض بعض سے بلند تر ہیں لیکن نہایت میں اول قدم یہی ہے جس کا ذکر ہوا۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے)۔ ــــــ نیز آپ نے تحریر کیا ہے کہ جو معارف اس بے سر و سامان کو تسلی دیتے ہیں وہ معارفِ شرعیہ ہیں، گویا احکامِ شرعیہ میں سے ہر حکم ایک دریچہ ہے جو مقصود کے شہر تک پہنچانے والا ہے اور اس (حق جل وعلا) شاہِ بے نشان کا ایک نشان ہے اور یہی بیت نصب العین (مدِ نظر) ہے ؎

ما بسفر می رویم عزم تماشا کراست ما برادمی رویم کز ہمہ عالم وراست

(ہیں سفر پر ہوں مگر دیکھے گا کون؟ جاؤں اُس جا ہے جو عالَم کے پرے)

(آپ کی) یہ معرفت بہت اصلی اور بہت اعلیٰ ہے اور بہت امید بخش ہے۔ اس معرفت کے مطالعہ سے بہت خوشی ہوئی حتیٰ کہ مکتوب کے پہلے حصہ کی پراگندگی کو بھی دور کر دیا حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اسی راستے سے آپ کو منزلِ مقصود تک پہنچائے۔

اور آپ نے دریافت کیا ہے کہ بعض مرد اور عورتیں آتی ہیں اور طریقے کی خواہش ظاہر کرتی ہیں لیکن وہ سود کے کھانے پینے اور لباس سے پرہیز نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم نے حیلۂ شرعی سے اس کو آراستہ کر لیا ہے۔ حکم فرمائیں کہ ان کو تعلیم طریقہ کی اجازت ہے یا نہیں؟ ــــــ آپ ان کو طریقہ سکھائیں اور حرام چیزوں سے پرہیز کرنے کی ترغیب دیں۔ شاید اس طریقے کی برکت سے وہ اس اشتباہ سے نکل آئیں ــــــ نیز آپ نے دریافت کیا ہے کہ وہ دو سفید عَلَم (جھنڈے) جو مشرق کی جانب ایک دوسرے کے پیچھے ظاہر ہوئے ہیں۔ فقیر نے دوستوں کے استفسار پر اس کے متعلق ایک مکتوب (۵) لکھا ہے۔ ملا عبد الحی سے کہوں گا ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی نقل بھیج دیں گے ــــــ

ایصالِ ثواب

نیز آپ نے دریافت کیا ہے کہ کلام اللہ کا ختم کرنا، نماز نفل پڑھنا اور تسبیح و تہلیل کرنا اور اس کا ثواب، ماں باپ، استاد یا بھائیوں کو بخشنا بہتر ہے یا کسی کو نہ بخشنا بہتر ہے؟ ــ واضح ہو کہ بخشنا بہتر ہے کیونکہ اس صورت میں دوسروں کو بھی نفع پہنچتا ہے اور خود کو بھی۔ اور عجب نہیں کہ اس عمل کو دوسروں کے طفیل قبول کر لیں اور نہ بخشنے میں اپنا ہی نفع ہے۔ والسلام

# مکتوب ۷۸
هفتاد و ہشتم

داراب[1] خاں کی طرف صادر فرمایا ــــ اس طائفہ عالیہ کی محبت و اخلاص کے بیان میں کہ یہ محبت و اخلاص فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا زینہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــ یہ ایک بہت خوشگوار دولت ہے جس کا آپ کے خاندان میں احساس ہوتا ہے کہ باوجود اسبابِ دولت مندی اور عدم احتیاج کے آپ کو فقراء کے ساتھ نیاز مندی اور خدمت گزاری کا خیال ہے جو اس طائفہ علیہ کی محبت و اخلاص کی خبر دے رہا ہے اور اس فرقہ ناجیہ سے دوستی و محبت کی نشانی ہے۔ اس گروہ سے محبت رکھنے والوں کے لئے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[2] (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) کی خوشخبری کافی ہے ــــ نیز اس گروہ کے ہم نشینوں کے لئے ھُمْ قَوْمٌ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ[3] (یہ ایسی قوم ہے کہ اس کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا) بہت بڑی خوشخبری ہے ــــ اور جب اللہ تعالیٰ سبحانہ کی عنایت سے یہ محبت غلبہ پیدا کر لیتی ہے اور اس طرح غالب آجاتی ہے کہ اس محبت کے علاوہ دوسری تمام گرفتاریاں دل سے رخصت ہو جائیں اور محبت کے لوازم جو محبوب کی اطاعت اور اس کی مراد پر قائم رہنا ہے، حتیٰ کہ اس کے اخلاص و اوصاف سے متخلق ہونا ظاہر ہو جائے تو اس وقت محبوب میں فنا حاصل ہو جاتی ہے۔ فنا فی الشیخ کی شباہت اس راہ میں زینۂ اول ہے اور یہی فنا فی الشیخ بعد میں وسیلۂ فنا فی اللہ ہو جاتا ہے کہ جس پر بقا باللہ مترتب ہوتی ہے جو ولایت کا حاصل مقصود ہے ــــ مختصر یہ کہ اگر ابتدا ہی میں کسی توسط کے بغیر محبوبِ حقیقی کی محبت و انجذاب میسر ہو جائے تو یہ ایک عظیم دولت ہے جو فنا و بقا کا حاصل ہے ورنہ کامل و مکمل کے واسطہ کے بغیر چارہ نہیں۔ سب سے پہلے اپنی مرادات کو اس کی مراد میں فنا کر دینا چاہئے اور اس میں فانی ہو جانا چاہئے تاکہ وہ فنا وسیلۂ فنا فی اللہ ہو جائے اور ماسوی کی گرفتاریوں سے پوری طرح آزاد ہو کر ولایت کے درجات تک رسائی ہو جائے۔ ؎

---

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۷۱ پر آپ کا تذکرہ درج ہے۔ [2-3] بخاری و مسلم ۱۲

برشکر غلطید اے صفرائیاں     از برائے کوری سودائیاں

(پیل پڑو صفرائیو، شکر پہ تم     تاکہ سودائی سبھی اندھے بنیں)

اس قسم کی باتیں طالب علموں کے لئے اور آرزو کرنے والوں کو شوق دلانے کے لئے لکھی جاتی ہیں، ورنہ اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے ——— باقی مقصد یہ ہے کہ فقرا کا مکتوب لانے والے محمد قاسم ایک بزرگ زادے ہیں جو فقیروں کی خدمت میں رہے ہیں لیکن اپنے بڑے بھائی کی تربیت کے زیر سایہ بہت ناز و نعمت میں پرورش پائی ہے اور زمانے کے رنج و غم کم دیکھے ہیں، اب آپ کی ملازمت کا شوق رکھتے ہیں، اگر ان کو اپنے سرکار کی ملازمتوں میں داخل کر لیں اور ان کے حال پر توجہ و التفات رکھیں تو آپ کے کرم سے بعید نہ ہوگا۔ اور زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ والسلام

## مکتوب ۷۹

هفتاد و نهم

شیخ یوسف[1] برکی کی طرف صادر فرمایا ——— ان کے رسالہ کے جواب میں جو کفر سے روگردانی اور اسلام کے قبول کرنے کے شعار پر مشتمل تھا اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— وہ رسالہ جو آپ نے لکھ کر مولانا عبد الحی کے حوالہ کیا تھا تاکہ وہ مجھے دکھائیں انھوں نے اس مدت میں نہیں دکھایا حتیٰ کہ جس روز مولانا بابو روانہ ہونے لگے اس دن وہ اس رسالہ کو لے کر آئے۔ اس کے مطالعہ سے بہت خوشی حاصل ہوئی کیونکہ وہ (رسالہ) کفر سے اعراض پر مشتمل اور اسلام کے قبول کرنے کے شعار میں ہے، جس طرح اسلام مجازی کفرِ مجازی سے بہتر ہے اسی طرح اسلامِ طریقت بھی کفرِ طریقت سے بہتر ہے، کیونکہ کفرِ طریقت میں مستی ہی مستی ہے اور اسلامِ طریقت میں سب صحو (ہوش) ہے، چنانچہ جس طرح صحوِ مجازی، سکرِ مجازی سے بہتر ہے اسی طرح صحوِ طریقت بھی سکرِ طریقت سے بہتر ہے ——— کفرِ طریقت کا ثمرہ تشبیہ ہے اور اسلامِ طریقت کا نتیجہ تنزیہ ہے جس قدر تشبیہ اور تنزیہ کے درمیان فرق ہے اسی قدر طریقت کے کفر و اسلام کے درمیان فرق ہے۔ جن لوگوں نے تشبیہ اور تنزیہ کو جمع کرنا چاہا ہے اور اس کو کمال سمجھا ہے وہ تنزیہ بھی تشبیہ کی قسم سے ہے

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳۰ پر ملاحظہ کریں۔

جو ان کی نظر میں تنزیہ معلوم ہوتا ہے ورنہ تشبیہ کی کیا طاقت ہے کہ تنزیہ حقیقی کے ساتھ جمع ہو جائے اور اس تنزیہ کے انوار کے غلبہ میں مضمحل اور برباد نہ ہو جائے ؎

بلے ہر جا شود مہر آشکارا سُہا را جز نہاں بودن چہ یارا

(جہاں سورج ہوا ہے آشکارا نہیں اس جا سُہا کا ہے گذارا)

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اسلامِ حقیقی کی حقیقت سے مشرف فرمائے ـــــ چونکہ مولانا بابو سفر کے لئے تیار تھے اس لئے چند کلموں پر اختصار کیا گیا والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔

# مکتوب ۸۰ ہشتادم

شیخ حامد تہاری[1] کی طرف صادر فرمایا ـــ اس بیان میں کہ آپ نے دریافت کیا تھا کہ تمہیدات میں ہے کہ عین القضاۃ لکھتے ہیں کہ جس کو تم خدا جل شانہٗ جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور جس کو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک خدا جل سلطانہٗ ہے)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ صحیفہ شریفہ جو آپ نے کمال محبت واخلاص اور جوش مودت و اختصاص کے ساتھ لکھ کر ارسال کیا تھا موصول ہو کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا۔ حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو اس دولت پر استقامت وکرامت عطا فرمائے کیونکہ ہر جماعت کا محب اسی جماعت کے ساتھ ہوگا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[2] حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام ہے۔

آپ نے تمہیدات میں عین القضاۃ کی عبارت کے معنی دریافت کئے تھے، وہ کہتے ہیں کہ جس کو تم خدا جل وعلا جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک محمد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور جس کو تم محمد علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتحیات جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک خدا جل سلطانہٗ ہے ـــــــــ

میرے مخدوم! اس قسم کی عبارتیں جو توحید واتحاد کی خبر دیتی ہیں وہ سکر کے غلبات کی وجہ سے ہیں

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ لاہور کے مشہور بزرگ تھے قرأت وتجوید میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ ارشاد وتلقین کی تعلیم محمد میر بن قاضی سائیرہ سیوستانی لاہوری سے حاصل کی تھی۔ آخر عمر میں گوشہ نشین ہو گئے تھے ۱۰۴۲ھ لاہور میں انتقال ہوا۔ (نزھۃ الخواطر ۵ ص ۱۳۶) [2] بخاری ومسلم

جو کہ مرتبہ جمع ہے اور جس کو کفر طریقت سے تعبیر کرتے ہیں (ایسی باتیں) مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم سے بہت صادر ہوتی ہیں، کیونکہ اس وقت ان (مشائخ) کی نظر سے امتیاز اور دوئی اٹھ جاتی ہے اور وہ ممکن کو عین واجب تعالیٰ پاتے ہیں بلکہ ممکن کو پاتے ہی نہیں اور سوائے واجب تعالیٰ کے ان کو کچھ بھی مشہود نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس صورت میں اس عبارت کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ امتیاز اور دوئی جو تمہارے نزدیک خدائے جل وعلا اور محمد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ہے ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے اور مغائرت بھی نہیں ہے بلکہ وہ ایک جو ایک ہونے سے بھی منزہ ہے دوسرے کا عین بھی ہے۔ جب کہ تمام ممکنات سے مغائرت کی نسبت زائل ہو جاتی ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم جو اس ذات تعالیٰ کے کمالات کا مظہر اتم ہیں تو ان سے امتیاز کی نسبت کس طرح ثابت ہوگی، اور یہ دید مرتبہ جمع کے ساتھ مخصوص ہے اور جب سالک اس مقام سے بلند ہو جاتا ہے اور سکر کی زیادتی کے بعد آنکھ کھولتا ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بندہ پاتا ہے اور اس تعالیٰ کا رسول جانتا ہے جیسا کہ ابتدا میں جانتا تھا۔ اَلنِّهَايَةُ هِيَ الرُّجُوْعُ اِلَى الْبِدَايَةِ (نہایت ہی ہدایت کی طرف رجوع کرنا ہے) آپ نے سنا ہوگا ـــــــ جاننا چاہیے کہ مبتدی اور منتہی کا اشتراک صرف صورت میں ہے (حقیقت میں نہیں ہے) جو کہ منتہی کے پوشیدہ رہنے کا باعث ہے ورنہ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک (کہاں خاک اور کہاں ہے عالم پاک)

جب متوسط کو منتہی کے ساتھ کوئی نسبت نہیں تو مبتدی دور از معاملہ کو اس کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (تحریم آیت ۸) (اے ہمارے رب! ہمارے لئے نور کو کامل کر دے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے) وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَدَيْكُمْ۔

## مکتوب ۸۱

محمد مراد تورسکی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ پند و نصیحت میں اور کمینی دنیا کی خرافات سے پرہیز کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

[1] بعض نسخوں میں ق سے تورسکی اور بعض میں ت سے تورتیکی ہے۔ اور آپ کے نام صرف یہی مکتوب ہے حالات بھی معلوم نہیں ہو سکے۔

میں ڈرتا ہوں کہ کہیں نیک انجام دوست کمینی دنیا کی شان و شوکت جو ظاہری طور پر بہت تازگی اور شیرینی رکھتی ہے بچوں کی طرح اس پر فریفتہ نہ ہو جائیں اور دشمنِ لعین (شیطان) کی رہنمائی میں مباح کاموں سے مشتبہ میں اور مشتبہ سے حرام کی طرف رغبت کرنے لگیں اور اپنے مولیٰ جل سلطانہٗ کے سامنے نادم اور شرمندہ ہونا پڑے۔ توبہ و رجوع الی اللہ میں قدم مضبوط رکھنا چاہیئے اور ممنوعاتِ شرعیہ کو زہرِ قاتل سمجھنا چاہیئے ؎

ہمہ اندرز من بتو این ست — کہ تو طفلے و خانہ رنگین ست

(یہ نصیحت مگر ہے تیرے لئے — کہ تو بچہ ہے، گھر ہے زنگار رنگ)

حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے کرم سے دائرۂ مباح (جائز امور) کو اپنے بندوں پر بڑا وسیع کر دیا ہے۔ وہ شخص بڑا ہی بدنصیب ہے جو اپنے سینہ کی تنگی کے باعث اس تمام وسعت و فراخی کو تنگ سمجھ کر اس وسیع دائرہ کے باہر قدم رکھے اور حدودِ شرعیہ سے تجاوز کر کے مشتبہ اور حرام چیزوں میں پڑ جائے۔ حدودِ شرعیہ کو لازم جاننا چاہیئے اور بال برابر بھی ان حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے ——————

رسم و عادت کے طور پر نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے اگرچہ بہت ہیں لیکن وہ پرہیزگار جو حدودِ شرعیہ کی محافظت کریں اقل قلیل (بہت ہی کم) ہیں۔ وہ (نیک و بد میں) فرق کرنے والی چیز جو حق کو باطل سے جدا کر دے یہی پرہیزگاری ہے کیونکہ روزہ اور نماز تو بظاہر دونوں ہی ادا کرتے ہیں، جیسا کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: مِلَاکُ دِیْنِکُمُ الْوَرَعُ (بیہقی) (نظامِ کارخانۂ دین پرہیزگاری ہے) اور یہ بھی فرمایا ہے لَا تَعْدِلُ بِالرِّعَةِ شَیْئًا (شکوٰۃ) پرہیزگاری کے برابر کوئی چیز نہیں۔ احباب اگرچہ پُر تکلف کھانے کھائیں اور لباسہائے فاخرہ زیبِ تن کریں لیکن لذت اور فائدہ تو فقراء ہی کے طعام و لباس میں ہے۔ ع

آنکہ آں رادبشاہاں بگدایان ایں داد

اُس (امیری) اور اِس (فقیری) میں بہت بڑا فرق ہے، کیونکہ وہ مولائے جل سلطانہٗ کی رضا سے دور ہے اور یہ (فقیری) اُس تعالیٰ سے نزدیک ہے، اُس (امیری) کا محاسبہ بہت سخت ہوگا اور اس کا محاسبہ خفیف (ہلکا)۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰) (اے ہمارے رب! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر) —— برخوردار سلطان مراد نے توبہ و انابت کی توفیق حاصل کر لی ہے اور طریقہ بھی اخذ کر لیا ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ثبات و استقامت عطا فرمائے۔ والسلام علیکم وعلیٰ سائر الاخوان۔

خواجہ شرف الدین حسین[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ کمینی دنیا سے پرہیز کرنے اور روشن شریعت پر (عمل کرنے کی) ترغیب دینے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَللّٰهُمَّ صَغِّرِ الدُّنْيَا بِاَعْيُنِنَا وَكَبِّرِ الْاٰخِرَةَ فِيْ قُلُوْبِنَا بِحُرْمَةِ حَبِيْبِكَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (اے اللہ! تو اپنے حبیب علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کے طفیل ہماری آنکھوں میں دنیا حقیر کر دے اور ہمارے دلوں میں آخرت کی عظمت قائم کر دے) ـــــــ فرزند عزیز با تمیز! کمینی دنیا کی ظاہری شان و شوکت پر ہرگز راغب نہ ہونا اور فانی کر و فر پر ہرگز فریفتہ نہ ہو جانا اور کوشش کریں کہ اپنی تمام حرکات و سکنات میں روشن شریعت کے تقاضوں کے مطابق عمل کیا جائے اور ملتِ بیضا کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ سب سے پہلے اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے تقاضوں کے مطابق اپنے اعتقاد کو درست کرنا ضروری ہے اس کے بعد عملی احکامِ فقہیہ کا معاملہ ہے۔ اور فرائض کی ادائیگی میں بہت اہتمام کرنا چاہئے اور حلال و حرام میں بھی بہت احتیاط کرنی چاہئے۔ عباداتِ نافلہ کی عباداتِ فرائض کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں، وہ راستے میں پھینکے ہوئے کوڑے کی مانند ہیں ـــــــ اس زمانے کے اکثر لوگ نوافل کو رواج دیتے ہیں اور فرائض کی تخریب میں مشغول ہیں۔ نفلی عبادتوں کی ادائیگی کا بہت اہتمام کرتے ہیں اور فرائض کو خوار و بے اعتنا شمار کرتے ہیں۔ تمام دولت موقع و بے موقع، مستحق اور غیر مستحق پر خرچ کرتے ہیں لیکن ان کو ایک چیتل (پیسہ) زکوٰۃ کے طور پر ادا کرنا دشوار ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ زکوٰۃ کا ایک پیسہ دینا لاکھوں روپے صدقۂ نافلہ سے بہتر ہے۔ چونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں محض مولا جل سلطانہٗ کے حکم کی بجا آوری ہے اور صدقۂ نافلہ کا منشا بسا اوقات نفسانی خواہشات ہوتا ہے لہٰذا فرض کی ادائیگی میں ریا کی گنجائش نہیں ہے اور نفل میں ریاکاری کے لئے وسیع میدان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادائے زکوٰۃ میں اظہار کرنا بہتر ہے تاکہ اپنے سے تہمت کو دور کر دے اور صدقۂ نافلہ کو پوشیدہ طور پر دینا بہتر ہے جو قبولیت کے زیادہ لائق ہے ـــــــ غرض احکامِ شرعیہ کے التزام کے بغیر چارہ نہیں تاکہ دنیا کی تکالیف سے خلاصی متصور ہو اور اگر حقیقی طور پر دنیا کا ترک کرنا میسر نہ ہو سکے تو ترکِ حکمی میں تو کوتاہی نہ کرنی چاہئے اور وہ اقوال و افعال میں شریعت کو اپنے اوپر لازم کرنا ہے۔ واللہ سبحانہٗ الموفق والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

[1] آپ کے نام آٹھ مکتوب ہیں اور آپ کا تذکرہ م ۱۳۶ پر درج ہے

## مکتوب ۸۳

میر ماہ[1] محمود کی طرف صادر فرمایا ــــ اس سلسلہ عالیہ کی محبت میں جو تمام سعادتوں کا سرمایہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ــــ اس حدود کے فقراء کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو سلامتی عافیت اور شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والبرکۃ والتحیۃ کی شاہراہ پر ثبات واستقامت عطا فرمائے ــــ اخوی اعزی ارشدی نے جو طریقہ اس فقیر سے اخذ کیا تھا اگرچہ صحبتِ شریف کے مختصر ہونے کی وجہ سے جو ان بزرگوں کے نزدیک اصلِ عظیم ہے وہ برکات وثمرات کے مترتب ہونے کے لائق نہیں ہوا ہو لیکن محبت کا تھوڑا سا ربط جو اس طریقہ تعلیم کے لوازمات میں سے ہے ان میں باقی رہا ہو تو یہ بھی بہت بڑی دولت ہے کیونکہ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی)۔

پہلی برکت جو پہلی ہی صحبت میں مبتدی رشید کو اس طریقۂ عالیہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے وہ مطلوبِ حقیقی جل سلطانہٗ کے ساتھ قلب کی دائمی توجہ ہے وہ تھوڑی مدت میں اس دائمی توجہ سے نسیانِ ماسویٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ بالفرض اگر کسی طالب کی عمر ہزار سال ہو جائے اور ماسوائے حق سبحانٗہ اس کے دل میں کسی اور چیز کا گذر نہ ہو تو اس نسیان کی وجہ سے جو اس کو ماسویٰ سے حاصل ہوا ہے اگر تکلف و تعمل سے اس کو یاد دلائیں تو بھی یاد نہ آئے۔ اور جب یہ نسبت حاصل ہو جائے تو گویا اس کو اس راہ میں قدم اول حاصل ہو گیا پھر قدم دوم، سوم اور چہارم بھی جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے، اس کے متعلق (یہ فقیر) کیا تحریر کرے۔ تھوڑی چیز کثرت پر دلالت کرتی ہے اور قطرہ دریائے ناپیدا کنار کی خبر دیتا ہے۔ ــــ اس سے مقصود دوستوں کو ترغیب دلانا ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو نافع فرمائے۔

میاں عبد العظیم نے آپ کی محبت واخلاص کی کیفیات کو زبانی بیان کیا جو اس گفتگو کا باعث ہوئے ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔

---

[1] آپ کے نام یہی ایک مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔

شیخ حمید بنگالی[1] کی طرف بعض نصیحتوں کے بیان میں صادر فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ———

اخوی ارشدی میاں شیخ حمید نے عجیب طرح کی گوشہ نشینی اختیار کی ہے کہ جس میں سلام وپیام کی بھی بہت کم گنجائش ہے۔ اس سات آٹھ سال کے عرصہ میں آپ کی طرف سے صرف ایک ہی خط موصول ہوا ہے وہ بھی نامکمل اور بے نتیجہ۔ اور اس طرف سے جو مکتوبات روانہ کئے جاتے ہیں معلوم نہیں کہ وہ آپ تک پہنچتے ہیں یا نہیں ——— میرے عزیز بھائی شیخ عبدالحی جو کہ اپنے وطن کی طرف جانے والے ہیں (فقیر نے) ان سے کہا ہے کہ وہ ایک مرتبہ ضرور آپ کے پاس پہنچیں اور آپ کے احوال معلوم کریں۔ شیخ عبدالحی تقریباً پانچ سال تک خدمت میں رہے ہیں اور حضوری کی اکثر خدمات ان سے متعلق تھیں۔ وہ فقیر کے علوم ومعارف سے سیراب ہیں اور جذبہ وسلوک کے احوال سے آگاہ ہیں۔ فقیر نے مشارٌالیہ سے کہا ہے کہ چند روز وہ آپ کے ہاں قیام کریں اور وہ علوم ومعارف جو وقت اور حال کے لحاظ سے مناسب ہوں بیان کریں۔ آپ ماضی کے اور موجودہ حالات جو بھی احوال ومواجید ہوں مشارٌالیہ سے بیان کریں اور جو کچھ وہ نصیحت کریں اس کو آپ قبول کریں۔ باقی حالات مشارالیہ آپ سے روبرو بیان کریں گے انشاءاللہ تعالیٰ والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الہدیٰ

## مکتوب ۸۵
هشتاد و پنجم

شیخ نور محمد[2] کی طرف شیخ عبدالحی کے بعض کمالات کے بیان میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— اس علاقہ کے فقراء کے احوال واوضاع حمد کے لائق ہیں اور آپ کی استقامت حق تعالیٰ سے مطلوب ہے۔ برادرم میاں شیخ عبدالحی آپ ہی کے شہر کے رہنے والے ہیں اور آپ کے

---

۱۔ آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۵۸ میں گزر چکا ہے۔

۲۔ آپ کے نام چھ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۰ میں درج ہے۔

قرب وجوار میں آئے ہیں، علوم و معارفِ غریبہ کا نسخہ ہیں اور اس راہ کی ضروری چیزیں ان کے پاس بہت ہیں، دُور افتادہ دوستوں کے لئے ان کی ملاقات غنیمت ہے کیونکہ وہ نو آمدہ ہیں اور نئی چیزیں لائے ہیں، ان کے پاس فنا و بقا کا نشان ہے اور جذبہ و سلوک کا بیان ہے بلکہ فنا و بقا متعارف سے ماوراء، اور جذبہ و سلوکِ مقررہ سے بھی آگے تک واقف ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ ان کی وہاں گذرگاہ ہے۔ مکتوبات کے بہت سے معارفِ غریبہ ان کے سُنے ہوئے ہیں اور حتی المقدور استفسار کر کے انھوں نے حاصل کئے ہیں، اور اللہ سبحانہٗ توفیق دینے والا ہے۔ آپ اپنے احوال کو مفصل طور پر مشارٌ الیہ سے بیان کر دیں۔ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ والسّلام

مکتوب ۸۶ هشتاد و ششم

شیخ طاہر بدخشی کی طرف ان کے خط کے جواب میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— برادرِ گرامی[1] کا صحیفۂ شریفہ موصول ہوا، وہ احوال و معارف جو وضاحت کے ساتھ اس میں درج تھے باعثِ مسرت ہوئے۔ یہ کس قدر بڑی دولت ہے کہ محبّوں اور مخلصوں نے تمام چیزوں سے ہاتھ جھاڑ کر جناب قدس تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف توجہ کر لی ہے اور ماسوا کو پاؤں کی ٹھوکر لگا کر پورے طور پر اس سبحانہٗ کی طرف متوجہ ہیں۔

باقی اس طرف کی کیفیات شاید برادر عبد الحی تفصیل سے بیان کریں اور زبانی اور تحریری علوم و معارف مشارٌ الیہ کے پاس بہت ہیں اس لئے ان کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ (حق سبحانہٗ و تعالیٰ نبی کریم علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا اور آپ کی بزرگ اولاد کے طفیل تمام کاموں کا انجام بخیر کرے۔

---

[1] آپ کے نام گیارہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۲۲ پر درج ہے

# مکتوب ۸۷
هشتاد و ہفتم

فتح خاں[1] افغان کی طرف نصیحتوں کے بارے میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ آپ کا مکتوب شریف جو فقراء کے ساتھ کمال محبت و اخلاص پر مبنی تھا موصول ہوا۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان کی محبت پر استقامت عطا فرمائے۔

ایک نصیحت جو سعادت مند دوستوں کے لئے ہے وہ سنّتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع اور بدعتِ ناپسندیدہ سے اجتناب کرنا ہے ——— اور جو شخص سنتوں میں سے کسی سنت کو جس پر عمل کرنا متروک ہو گیا ہو زندہ کرے اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے تو پھر اندازہ کیجئے کہ جو شخص فرائض میں سے کسی فرض کو یا واجبات میں سے کسی واجب کو زندہ کرے گا تو اس کو کس قدر ثواب ملے گا ——— پس نماز میں تعدیلِ ارکان (ارکان کو اطمینان سے ادا کرنا) جو اکثر علماءِ حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے، اور بعض علماءِ حنفیہ کے نزدیک سنت ہے، اکثر لوگوں نے اس امر کو ترک کر دیا ہے اس ایک عمل کا زندہ اور جاری کرنا بھی فی سبیل اللہ سو شہیدوں کے ثواب سے زیادہ ہو گا۔ باقی احکامِ شرعیہ یعنی حلال و حرام و مکروہ کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے ——— علماء نے فرمایا ہے کہ ایک دمڑی اس شخص کو واپس دیدینا جس سے غیر شرعی طریقے سے ظلم کے طور پر حاصل کی ہو دو سو (۲۰۰) درم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ نیز علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کے نیک عمل پیغمبر کے عملوں کے مانند ہوں اور اس پر کسی شخص کی آدھی دمڑی جتنا حق باقی رہ گیا ہو تو اس شخص کو اس وقت تک بہشت میں نہ لے جائیں گے جب تک اس نیم دمڑی کو ادا نہ کر دے گا ——— غرض اپنے ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہئے تاکہ غفلت کے ساتھ آلودگی نہ رہے۔ اور رہا باطن کی امداد کے بغیر احکامِ شرعیہ سے آراستہ ہونا

---

[1] آپ کے نام یہی ایک مکتوب ہے۔ غالباً آپ ملک عنبر حبشی کے صاحبزادے ہیں، جو اپنے باپ ہی کی زندگی میں مردانگی شجاعت اور بخشش و سخاوت میں مشہور ہو گئے تھے۔ باپ کے مرنے کے بعد نظام شاہی[خاندان] کے ناظم و مختار بن گئے۔ بعد میں نظام شاہی اور عادل شاہی حکومتوں اور سلطنتِ مغلیہ میں آپ کی سیاسی سرگرمیاں رہیں جن میں کبھی آپ کو اعزاز نصیب ہوا اور کبھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ آخر عمر میں لاہور میں گوشہ نشین ہو گئے تھے وہیں انتقال ہوا۔ (مآثر الامراء ج ۳ ص ۳)

مشکل ہے، علماء فتویٰ دیتے ہیں اور اہل اللہ کام کرتے ہیں۔ باطن کے اہتمام کے ساتھ ساتھ لازم ہے کہ ظاہر کا اہتمام بھی ہو۔ اور جو کوئی باطن ہی کی درستی میں لگا رہے اور ظاہر کی پروانہ کرے وہ ملحد ہے اور اس کے باطنی احوال استدراج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ باطنی حالات کے درست ہونے کی علامت یہ ہے کہ ظاہر احکامِ شرعیہ سے آراستہ ہو۔ استقامت کا طریقہ یہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

## مکتوب ۸۸

### ہشتاد و ہشتم

ملا بدیع الدین[1] کی طرف صادر فرمایا۔ قضا پر راضی رہنے اور مولیٰ تعالیٰ کے فعل سے لذت حاصل کرنے کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ مقبول بندہ وہ ہے جو اپنے مولائے حقیقی کے فعل پر راضی ہو اور جو شخص اپنی مرضی کا تابع ہے وہ آپ اپنا بندہ ہے۔ اگر مولائے حقیقی بندہ کی گردن پر چھری چلائے تو بندہ کو چاہئے کہ اس وقت بھی فرحاں و خنداں رہے اور مولا کے اس فعل کو اپنا پسندیدہ فعل سمجھے بلکہ اس فعل سے لذت حاصل کرے، اور اگر عیاذاً باللہ سبحانہٗ اس کو اس فعل سے کراہت معلوم ہو اور اس کا سینہ (دل) میں تنگی پیدا ہو تو وہ دائرہ بندگی سے دور اور قرب مولیٰ سے مہجور ہے ـــــــ جب طاعون حق تعالیٰ کی مراد ہے تو چاہئے کہ اس کو اپنی مراد جان کر خوش و خرم ہوں اور طاعون کے غلبہ سے بے صبر و تنگ دل نہ ہوں بلکہ اس خیال سے کہ وہ محبوب کا فعل ہے اس سے لذت یاب ہوں۔ ہر شخص کے لئے اجل مقرر ہے جس میں کمی بیشی کا کوئی احتمال نہیں ہے تو پھر اضطراب کیوں ہو، البتہ نہایتِ کار یہ ہے کہ ہم (دعا کے ذریعے) بلاؤں سے عافیت طلب کریں اور اللہ تعالیٰ کے غضب و ناراضگی سے پناہ مانگیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعا اور سوال سے راضی ہوتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (مومن آیۃ ۶۰) (تم مجھ سے مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا)۔

مولانا عبدالرشید نے وہاں سے آکر اس علاقہ کے حالات بیان کئے، اللہ تعالیٰ آپ صاحبان کو تمام ظاہری و باطنی آفات و بلیات سے محفوظ رکھے۔ وَالسَّلَامُ

---

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۲ پر درج ہے۔

سیادت پناہ میر محب اللہ[1] کی طرف نصیحت کے طور پر صادر فرمایا۔

اللہ سبحانہٗ ہم کو اور آپ کو اپنے حبیب سید الانام علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کے طفیل آپ کے بزرگ باپ داداؤں کے راستے پر ثابت قدم رکھے ــــــ اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ ہمیشہ درود وسلام ہو۔ اس علاقے کے فقراء کے احوال و اطوار حمد کے لائق ہیں اور آپ کی سلامتی و عافیت اور ثبات و استقامت کے لئے اللہ سبحانہٗ سے دعاگو ہوں۔ مخدوم و مکرم شفقت آثارا! کام کا وقت گذرتا جا رہا ہے اور ہر لحظہ جو وقت گذرتا ہے وہ عمر کو کم کرتا ہے اور معین موت کا وقت نزدیک آتا جاتا ہے۔ اگر آپ نے آج فکر نہ کی تو کل (قیامت کے دن) حسرت و ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کوشش کرنی چاہیئے کہ یہ چند روزہ زندگی شریعت غرا کے موافق بسر ہو جائے تا کہ نجات متصور ہو ــــــ یہ عمل کا وقت ہے عیش و آرام کا وقت ابھی آگے ہے جو کہ اس عمل کا پھل ہے۔ عمل کے وقت عیش کرنا گویا اپنی کھیتی کو کچا کھا جانا اور اس کے پھل سے محروم رہنا ہے۔ زیادہ لکھنا موجب تکلیف ہے۔ خدا کرے کہ آپ کو ظاہری و باطنی دولت حاصل ہو۔

مرزا عرب خاں[2] کی طرف سفارش کے بارے میں صادر فرمایا۔

اللہ سبحانہٗ آپ کی مدد فرمائے اور آفاقی و انفسی دشمنوں پر فتح دے اور ظاہری و باطنی بلیات سے محفوظ رکھے ــــــ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا ہے: اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللہِ وَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ[3] (مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے اور مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے

---

۱؎ آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۷۲ پر درج ہے۔

۲؎ آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ عہد جہانگیری کے امراء میں سے تھے۔ شاہجہاں کے زمانے میں فتح آباد اور دھارواڑ کے قلعہ دار رہے۔ سنہ ۱۰۶۳ھ میں وفات پائی (مآثر الامراء ج۲ ص۷۸۸) ۳؎ رواہ البیہقی۔ مشکوۃ

نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اس کی عیال کے ساتھ اچھا سلوک کرے) ـــــ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنی مخلوق کی رزق رسانی کا متکفل ہے لہٰذا مخلوق اس تعالیٰ کی عیال کے مانند ہیں۔ جو کوئی اس کی عیال کے ساتھ غمخواری و مدد کرے اور اس کے بوجھ کو اٹھائے تو یقیناً یہ شخص اس صاحبِ عیال کا محبوب بن جائے گا، کیونکہ اس نے اس کا بوجھ ہلکا کر دیا اور اس کی مشقت اور محنت کو اپنے اوپر لے لیا ـــــ اسی بنا پر تکلیف دی جاتی ہے کہ حافظ حامد نیک آدمی اور قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرنے والے ہیں۔ کثرتِ عیال کی وجہ سے بہت پریشان رہتے ہیں کیونکہ ان کے حقوق کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ مشار الیہ کی امداد و اعانت کے لئے آپ کے کرم اور بخشش سے امید ہے کہ ان کی امداد و اعانت فرمائیں گے۔ کریموں کو بخشش کے لئے ایک بہانہ کافی ہے۔ والسلام

## مکتوب ۹۱
نود و یکم

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید[1] کی طرف قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی کے اسرار میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ مقام قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی کا عظیم راز یہ ہے کہ جب "انسانِ کامل" سیر الی اللہ کی تکمیل کے بعد سیر فی اللہ کے ساتھ متحقق ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے اور جب اس سیر کو بھی اجمالی طور پر پورا کر لیتا ہے اور اسماء و صفات کے پرتو کے ظہور کے دائروں کو جو سیر فی اللہ سے وابستہ ہیں انجام کو پہنچا دیتا ہے تو وہ اس شان کے لائق ہو جاتا ہے کہ معشوقِ حقیقی (حق سبحانہٗ) ظلیت اور حلول کی آمیزش کے بغیر اور حالیت و محلیت کے وہم کے بغیر اس (انسانِ کامل) میں ظہور فرمائے، اور چونکہ معشوق کی صفاتِ ذاتیہ اس تعالیٰ کی ذات سے جدا نہیں ہیں اس لئے لازمی طور پر صفات کے ساتھ ذات کا ظہور بھی عاشق کے عین میں ہوگا اور دو قوس[2] کے حصول کے ساتھ پیوست ہو جائے گا جو کہ قوسِ صفات اور قوسِ ذات ہیں۔ یہ مقام مقاماتِ قاب قوسین سے نہایت اعلیٰ ہے جو ظلیت کے شائبہ کے بغیر ظہورِ اصلی سے تعلق رکھتا ہے

[1] آپ کے نام ۲۴ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۵۹ پر درج ہے۔

اور اگر اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے عاشقِ صادق کو معشوق کی ذات کے ساتھ کمال درجہ گرفتاری پیدا ہو جائے حتیٰ کہ اسم و صفت سے بھی کچھ باقی نہ رہے تو اس وقت حق جل سلطانہٗ کے فضل سے اسم و صفت تمام کی تمام اس کی نظر سے اٹھ جاتی ہیں اور سوائے ذاتِ (حق) کے اور کوئی چیز اس کو ملحوظ و مشہود نہیں رہتی۔ اگرچہ صفات موجود ہوتی ہیں لیکن اس کو ان کا شہود نہیں ہوتا، اس حالت میں اَوْ اَدْنٰی کا سِر ظہور پذیر ہوتا ہے اور قوسین کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔۔۔۔۔۔۔ اس اعلیٰ مقام سے جب نزول واقع ہوتا ہے تو اول قدم عالمِ خلق میں پڑتا ہے بلکہ عنصرِ خاک پر بیٹھتا ہے وہ عنصرِ پاک دوری اور مہجوری کے باوجود موجودات میں عالمِ قدس کے ساتھ زیادہ قریب ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ اگر ہم عروج و صعود کا اعتبار کرتے ہیں تو عالمِ امر کو اقربِ موجودات جانتے ہیں بلکہ عالمِ قدس سے (لطیفۂ) اخفائے عالمِ امر کو سب سے زیادہ قریب پاتے ہیں اور جب نزول و ہبوط پر نظر ڈالتے ہیں تو قرب کی دولت عالمِ خلق کے نصیب میں پاتے ہیں بلکہ عنصرِ خاک کے نصیب میں جانتے ہیں۔ ہاں "چون" کے دائرہ سے جب عروج کی جانب نقطۂ اولیٰ کو ملاحظہ کرتے ہیں تو عروج کی جانب میں اس نقطہ سے زیادہ قریب اس دائرے کا نقطۂ ثانیہ ہے۔ اور جب ہبوط کی جانب ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اس نقطۂ اولیٰ سے زیادہ قریب اس دائرے کا آخری نقطہ معلوم ہوتا ہے۔ بس اسقدر فرق ضرور ہے کہ وہ نقطۂ ثانیہ عروج میں نقطۂ اولیٰ سے روگرداں (مخالف سمت میں) ہے۔ اور یہ نقطۂ اخیر نقطۂ اولیٰ کی طرف متوجہ ہے۔ شَتَّانَ مَا بَیْنَ الْمُعْرِضِ وَالْمُقْبِلِ (معرض اور مقبل کے درمیان بہت فرق ہے) کیونکہ نقطۂ ثانیہ نقطۂ اولیٰ کے ظہورات کی طرف میلان رکھتا ہے اور نقطۂ اخیر ظہورات کی طرف سے پشت کرکے ظاہر کی ذات کا خواہاں ہے۔ فَاَیْنَ ھُوَ مِنْ خَالِہٖ (پس دونوں کس طرح آپس میں برابر ہو سکتے ہیں؟)

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰ پ ۱۵) (اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

# مکتوب ۹۲ نود و دویم

سیادت مآب میر محمد نعمان[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ ولایت سے مراد قربِ الٰہی ہے اور خوارق و کرامات اس کے لئے شرط نہیں ہیں اور اس بیان میں کہ بادشاہوں کے لئے سجدۂ تعظیمی کا کیا حکم ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ سیادت مآب میرے عزیز بھائی میر محمد نعمان خوش رہیں اور جان لیں کہ خوارق و کرامات کا ظہور، ولایت کے لئے شرط نہیں ہے، اور جس طرح علماء خوارق و کمالات کے حصول کے لئے مکلّف نہیں ہیں اسی طرح اولیاء بھی خوارق کے ظہور کے مکلف نہیں ہیں۔ کیونکہ ولایت سے مراد قرب الٰہی جل سلطانہ ہے جو نسیانِ ماسوٰی کے بعد حق جل وعلا اپنے اولیاء کو عنایت فرماتا ہے۔ بعض کو یہ قرب عطا فرماتے ہیں لیکن اس کو غائبات حالات کی کوئی اطلاع نہیں دیتے۔ اور بعض کو یہ قرب بھی عطا کر دیتے ہیں اور ان مغیبات پر بھی اطلاع بخش دیتے ہیں۔ اور تیسرے شخص کو قرب کی دولت سے کچھ بھی عنایت نہیں کرتے لیکن مغیبات کی اطلاع بخش دیتے ہیں، یہ تیسرا شخص اہلِ استدراج سے ہے کہ جس کے نفس کی صفائی نے اس کو مغیبات کے کشف میں مبتلا کر کے گمراہی میں ڈال دیا ہے۔ آیۂ کریمہ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ عَلٰی شَیْءٍ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ ۝ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰھُمْ ذِکْرَ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ (مجادلہ آیت ۱۸-۱۹) (یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم کچھ ہیں۔ آگاہ رہو کہ وہ جھوٹے ہیں، اور ان پر شیطان غالب ہو گیا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیا یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں خبردار کہ شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے) اس (آیۂ کریمہ) میں ان لوگوں کے حال کی نشان دہی ہے۔

پہلی اور دوسری قسم کے لوگ جو کہ قرب کی دولت سے مشرف ہیں اولیاء اللہ میں سے ہیں، مغیبات کا کشف نہ ان کی ولایت کو زیادہ کرتا ہے اور نہ عدم کشف ان کی شانِ ولایت میں نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ البتہ درجاتِ قرب کے اعتبار سے ان کے درمیان فرق ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر درج ہے۔

کہ جس کو غیبی صورتوں کا کشف نہیں ہوتا وہ ان کشفی صورتوں والے سے افضل اور پیشقدم ہوتا ہے اس قرب کی زیادتی کی وجہ سے جو اس کو حاصل ہے ۔۔۔۔ صاحبِ عوارف نے (حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی) جو کہ شیخ الشیوخ ہیں اور تمام صوفیہ کے گروہ میں مقبول ہیں اپنی کتاب عوارف المعارف میں خود اس کی تصریح (بیان) فرمائی ہے کہ اگر کسی شخص کو میری بات کا اعتبار نہ ہو تو اس کتاب کی طرف رجوع کرے جہاں کرامات و خوارق کے ذکر کے بعد تحریر ہے کہ " یہ تمام کرامات و خوارق حق جل سلطانہٗ کی بخشش ہیں ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو ان کا کشف عنایت فرما دیتے ہیں اور یہ دولت بھی عطا کر دیتے ہیں ۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک شخص جو زیادہ بلند مرتبہ رکھتا ہے لیکن اس کو کرامات و خوارق سے کچھ بھی نہیں دیتے ، کیونکہ یہ تمام کرامات یقین کی تقویت کے لئے ہیں اور جس شخص کو یقینِ کامل عطا ہو گیا اس کو ان کرامات کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ اور یہ سب کرامات ذکر کے مقابلے میں کم درجے ہیں اور قلب کے فانی ہونے کے ماسوا ہیں جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ۔ انتہیٰ

اور اس طائفہ کے امام خواجہ عبد اللہ انصاری (ہروی) جو شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب ہیں اپنی کتاب " منازل السائرین " میں فرماتے ہیں کہ " فراست دو قسم کی ہے ایک فراست اہلِ معرفت کی ہے اور دوسری فراست اہلِ جوع و ریاضت کی ہے ـــــ اہلِ معرفت کی فراست کا تعلق طلبا کی استعداد معلوم کرنے اور حق سبحانہٗ کے اولیا کی شناخت کرنے سے متعلق ہے جو حضرتِ جمع کے ساتھ واصل ہو چکے ہیں ۔ اور اہلِ ریاضت اور اربابِ جوع کی فراست صورتوں اور احوال و مغیبات کے کشف کے ساتھ مخصوص ہے کہ جن کا تعلق مخلوقات سے ہے ، اور چونکہ اکثر مخلوق حق جل وعلا کی جنابِ قدس سے اپنا تعلق منقطع کئے ہوئے ہیں اور دنیا میں مشغول ہیں اس لئے ان کے دل بھی صورتوں کے کشف اور مخلوقات کی مغیبات کی خبروں کی طرف مائل ہیں اس طرح سے یہ معاملہ ایسے لوگوں کے نزدیک بہت عظیم الکمال ہے اور وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ (اہلِ خوارق) ہی اہل اللہ ہیں اور یہی اس (تعالیٰ) کے خواص میں سے ہیں اور اہلِ حقیقت کے کشف سے اعراض کرتے ہیں اور اہلِ حقیقت پر ان احوال میں جو وہ حق سبحانہٗ کی طرف سے بیان کرتے ہیں تہمت لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اہلِ حق میں سے ہوتے جیسا کہ یہ گمان کرتے ہیں تو یقیناً یہ لوگ بھی ہمارے اور تمام مخلوق کے غیبی احوال کی اطلاع دیتے ، اور چونکہ ان کو ہمارے احوال کے کشف کی بھی قدرت نہیں ہے تو ان امور کے کشف پر ان کو کس طرح قدرت حاصل ہو گی جو مخلوقات کے احوال سے اعلیٰ ہیں ـــــ اور یہ لوگ اہلِ معرفت کی فراست کا

انکار کرتے ہیں جس کا تعلق ذات و صفات اور افعالِ واجبی جل سلطانہٗ سے ہے۔ اور یہ لوگ اپنے قیاسِ فاسد کی وجہ سے ان بزرگوں کے علوم اور معارفِ صحیحہ سے محروم رہ جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ان بزرگوں کو ملاحظۂ مخلوق سے محفوظ رکھا ہے اور ان کو اپنی جنابِ قدس جل وعلا کے لئے مخصوص کر لیا ہے اور ان کو اپنے ماسویٰ سے الگ کر کے اپنی جانب مشغول کر لیا ہے محض ان کی حمایت اور اس غیرت کی وجہ سے جو حق تعالیٰ ان سے رکھتا ہے۔ اگر یہ (اہلِ حقیقت) مخلوق کے احوال کے درپے ہو جائیں تو ان میں جنابِ قدس کی حضوری کی صلاحیت باقی نہ رہے۔ انتہی کلامہٗ — (شیخ الاسلام ہرویؒ) نے اس قسم کی اور بھی بہت سی باتیں فرمائی ہیں۔

اور میں نے اپنے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ سے سُنا ہے فرماتے تھے کہ "شیخ محی الدین ابن العربیؒ نے لکھا ہے کہ بعض اولیائے کرام جن سے کرامات و خوارق بہت زیادہ ظہور میں آئے ہیں اپنے آخری وقت میں وہ ان کرامات کے ظہور سے نادم و شرمندہ ہوئے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش یہ تمام خوارق ہم سے ظہور میں نہ آتے — اور اگر فضیلت خوارق کے بکثرت ظہور کے باعث ہوتی تو ان کے ظہور پر شرمندگی کے کیا معنی؟

**سوال:** جب ولایت میں ظہورِ خوارق شرط نہیں ہے تو ولی، غیر ولی سے کیسے ممتاز ہوگا اور اہلِ حق اور اہلِ باطل میں کس طرح تمیز ہوگی؟

**جواب:** اگرچہ وہ ممتاز نہ ہو سکے اور اہلِ حق اور اہلِ باطل باہم مختلط رہیں (تو اس میں کیا حرج ہے) کیونکہ دنیا میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے اور لوگوں کو ولی کی ولایت کا علم ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ بکثرت اولیاء اللہ ایسے ہیں جن کو اپنی ولایت کی خود خبر نہیں تو پھر دوسروں کو ان کی ولایت سے واقف ہونا کس طرح ضروری ہوگا۔ البتہ نبی کو خوارق (معجزات) کے بغیر چارہ نہیں تاکہ نبی اور غیر نبی میں امتیاز ہو سکے، کیونکہ لوگوں کو نبی کی نبوت کا علم ہونا واجب ہے اور چونکہ ولی اپنے نبی کی شریعت کے مطابق مخلوق کو دعوت دیتا ہے لہٰذا نبی کا معجزہ ہی اس کے لئے کافی ہے۔ اگر ولی اپنے نبی کی شریعت کے علاوہ کسی اور چیز کی دعوت دیتا تو خوارق کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ اور چونکہ اس کی دعوت نبی کی شریعت کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے اس کو خوارق درکار نہیں — علماء صرف ظاہر شریعت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اولیاء ظاہر شریعت کی طرف بھی دعوت دیتے ہیں اور

باطن شریعت کی دعوت بھی۔ سب سے پہلے وہ مریدوں اور طالبانِ حق کو توبہ اور رجوع (الی اللہ) کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کی ترغیب دیتے ہیں پھر ذکرِ حق جل سلطانہٗ کی راہ بتاتے ہیں اور تاکید فرماتے ہیں کہ اپنے تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی جل سلطانہٗ میں مشغول رکھیں یہاں تک کہ ذکر غالب آجائے اور مذکور کے علاوہ کوئی چیز بھی دل میں نہ رہے اور تمام ماسوی سے ایسا نسیان حاصل ہوجائے کہ اگر تکلف سے بھی چیزوں کو یاد کرے تو بھی یاد نہ آئیں ——— یقینی بات ہے کہ ولی کو اس دعوت کے لئے جس کا تعلق ظاہری شریعت اور باطنی شریعت سے ہے خوارق کی کیا ضرورت ہے۔ پیری مریدی سے مراد یہی دعوت ہے جس کو خوارق سے کوئی واسطہ نہیں اور اس کا کرامت سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ مریدِ رشید اور طالبِ مستعد ہر وقت راہِ سلوک میں اپنے پیر کے خوارق و کرامات کا احساس کرتا رہتا ہے اور معاملۂ غیبی میں ہر وقت اس سے مدد چاہتا ہے اور مدد پاتا ہے البتہ دوسروں کے لئے ظہورِ خوارق کی نسبت ضروری نہیں ہے لیکن مریدوں کے لئے یہ نسبت کرامات در کرامات اور خوارق در خوارق ہے۔ مرید اپنے پیر کے خوارق کا احساس کیوں نہ کرے کہ پیر نے اس کے مُردہ دل کو زندہ کیا ہے اور مشاہدہ و مکاشفہ تک پہنچایا ہے۔ عوام کے نزدیک جسم کو زندہ کرنا عظیم الشان کام ہے اور خواص کے نزدیک قلب و روح کو زندہ کرنا رفیع الشان دلیل ہے۔

خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ رسالہ قدسیہ میں فرماتے ہیں کہ اکثر لوگوں کے نزدیک جسم کا زندہ کرنا بڑا اعتبار رکھتا ہے اس لئے اہل اللہ اس احیاء سے منہ موڑ کر احیائے روحی میں مشغول ہوئے اور طالبوں کے مردہ دلوں کو زندہ کرنے کی طرف توجہ دی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ احیائے جسدی کی نسبت احیائے قلبی کے ساتھ سرِ راہ بیکار پڑی ہوئی چیز کے مانند ہے اور اس پر نظر ڈالنا بھی بے فائدہ ہے۔ کیونکہ یہ احیاءِ جسدی چند روزہ دنیاوی زندگی کا سبب ہے اور وہ احیاء (قلبی) دائمی (اخروی) زندگی کا وسیلہ ہے ———

——— بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ حقیقت میں اہل اللہ کا وجود ہی کرامات میں سے ایک کرامت ہے اور ان کا حق تعالیٰ کی طرف مخلوق کو دعوت دینا حق جل سلطانہٗ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے، اور مُردہ قلوب کا زندہ کرنا حق جل وعلا کی آیتوں میں سے ایک آیتِ (نشانی) عظمیٰ ہے۔ وہ (اللہ والے) اس زمین کے باشندوں کے لئے امان ہیں اور غنیمتِ روزگار ہیں۔ بِھِمْ یُمْطَرُوْنَ وَبِھِمْ یُرْزَقُوْنَ (ان کے طفیل بارش ہوتی ہے اور ان کے وسیلے سے (لوگوں کو) رزق دیا جاتا ہے) یہ ان ہی کی شان میں ہے

ان کا کلام دوا ہے اور ان کی نظر شفا ہے: هُمْ جُلَسَاءُ اللّٰهِ وَهُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ وَلَا يَخِيْبُ أَنِيْسُهُمْ (وہ اللہ تعالیٰ کے جلیس ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا اور ان سے دوستی رکھنے والا نامراد نہیں ہوتا) ۔ اور اس طائفہ کی وہ علامت جو اہلِ حق کو اہلِ باطل سے جدا کرتی ہے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شریعت پر استقامت رکھتا ہو اور اس کی مجلس میں حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف دل میں رغبت اور توجہ پیدا ہو، اور ماسوٰی سے دل سرد ہو جائے تو وہ شخص سچا ہے اور تفاوتِ درجات کے ساتھ اس کا شمار اولیا میں سے ہے۔ اور یہ امتیازی علامت بھی اربابِ مناسبت کے اعتبار سے ہے ورنہ بے مناسبت والا مطلقاً محروم ہے۔ ؎

| | |
|---|---|
| ہر کہ او روئے بہ بہبود نداشت | دیدنِ روئے نبی سود نداشت |
| (جس کی قسمت میں بھلائی ہی نہ تھی | کیا مفید اس کو تھا دیدارِ نبیؐ) |

آپ نے اپنے مکتوب شریف میں سلطانِ وقت (جہانگیر) کی خدا طلبی کی حسنِ نشاۃ کی طرف اشارہ کیا ہے اور احکامِ شریعت کے موافق عدل وانتظام کا حال لکھا ہے اس کے مطالعہ سے بہت خوشی حاصل ہوئی اور ایک درجہ لذت پیدا ہوئی حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے جس طرح بادشاہِ وقت کے نورِ عدل سے عالم کو منور کیا ہے اسی طرح شریعت وملتِ محمدیہ کو بھی بادشاہ کے حُسنِ اہتمام سے نصرت وعزت بخشے ــــــــ اے محبت کے نشان والے! اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّيْفِ (شریعت تلوار کے نیچے ہے) کے حکم کے موافق روشن شریعت کی ترقی اور رواج دینا سلاطینِ عظام کے حُسنِ انتظام پر وابستہ ہے۔ کچھ عرصہ سے اس امر میں ضعف پیدا ہو گیا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام کے ماننے والے بھی کمزور ہو گئے۔ ہندوستان کے کفار بے تحاشا مسجدوں کو گرا کر وہاں اپنے معبد ومندر تعمیر کر رہے ہیں۔ چنانچہ تھانیسر میں حوض کر کھیت کے اندر ایک مسجد اور کسی بزرگ کا مقبرہ تھا اس کو گرا کر وہاں بڑا بھاری گوردوارہ بنایا ہے۔ نیز کفار اپنی رسموں کو کُھلم کھلا بجا لاتے ہیں اور مسلمان اکثر اسلامی احکام کے جاری کرنے میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے دن ہندو کھانا پینا ترک کر دیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اس دن اسلامی شہروں میں بھی کوئی مسلمان بازار میں نان وطعام نہ پکائے اور نہ بیچے۔ لیکن ماہِ رمضان مبارک میں برملا نان وطعام پکاتے اور بیچتے ہیں۔ مگر اسلام کے مغلوب ہونے کے باعث کوئی ان کو روک نہیں سکتا ــــــ افسوس صد ہزار افسوس! کہ بادشاہ وقت ہم میں سے ہو

اور پھر ہم فقیروں کا حال اس طرح خستہ اور خراب ہے۔ بادشاہوں کے اعزاز و اکرام ہی سے اسلام کو رونق تھی اور ان ہی کی بدولت علماء و صوفیہ معزز و محترم ہوئے اور ان ہی (بادشاہوں) کی تائید سے شریعت [illegible] کی [illegible] کرنے میں کوشش کرتے تھے۔

میں نے سُنا ہے کہ ایک روز صاحب قران امیر تیمور گورگان علیہ الرحمہ بخارا کی گلی سے گذر رہا تھا اتفاقاً حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی خانقاہ کے درویش اس کوچہ میں خواجہ کی خانقاہ کے کمبلوں کو جھاڑ رہے تھے اور ان کو گرد و غبار سے صاف کر رہے تھے۔ امیر مذکور اپنے حسنِ اسلام کی نشاۃ کی وجہ سے اس کوچہ میں ٹھہر گیا تاکہ خانقاہ کی گرد کو اپنے اوپر عنبر و صندل کی طرح مل لے اور درویشوں کی برکات و فیوض سے مشرف ہو جائے۔ شاید اسی تواضع اور عاجزی کی وجہ سے جو اہل اللہ کے ساتھ اس نے دکھائی وہ حسنِ خاتمہ سے مشرف ہوا ——— منقول ہے کہ امیر (تیمور) کی کی وفات کے بعد حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ تیمور مر گیا اور ایمان سلامت لے گیا۔

آپ کو معلوم ہے کہ جمعہ کے خطبہ میں بادشاہوں کا نام منبر کے نیچے والی سیڑھی پر اُتر کر پڑھتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ ——— (جواب) اس کی وجہ یہی تواضع ہے جو سلاطینِ عظام نے آں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اور آپ کے خلفائے راشدین کی نسبت ظاہر کی ہے اور یہ جائز نہیں رکھا کہ بادشاہوں کے نام ان اکابرِ دین کے ناموں کے ساتھ ایک درجے میں مذکور ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرمائے۔

## تذییل (ضمیمہ)

اے برادر! سجدہ، جو پیشانی کو زمین پر رکھنے کا نام ہے اس میں نہایت ذلت و انکساری پائی جاتی ہے اور یہ کامل درجہ کی عاجزی و فروتنی کو شامل ہے اسی لئے اس قسم کی تواضع صرف واجب الوجود جل سلطانہٗ کی عبادت کے ساتھ مخصوص ہے (شریعت مقدسہ نے) اس سبحانہٗ کے علاوہ کسی اور کے لئے اس کو جائز نہیں رکھا ——— منقول ہے کہ ایک روز حضرت پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوۃ والسلام کسی راستے میں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک اعرابی نے حاضر ہو کر معجزہ طلب کیا تاکہ ایمان لائے۔ آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس درخت سے جا کر کہو کہ تجھ کو پیغمبر بُلاتے ہیں۔ درخت یہ بات سُن کر اپنی جگہ سے چلا اور آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام

کی خدمت میں آگیا۔ وہ اعرابی یہ حال دیکھ کر اسلام لے آیا۔ بعد ازاں اس نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ اگر اجازت ہو تو میں آپ کو سجدہ کروں؟۔ آپ نے فرمایا خداوند جل شانہ کے علاوہ کسی کو سجدہ جائز نہیں اگر حق جل سلطانہ کے علاوہ کسی کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

بعض فقہا نے اگرچہ بادشاہوں کے لئے سجدۂ تحیۃ (سجدۂ تعظیم) جائز رکھا ہے لیکن بادشاہوں کے لئے مناسب یہی ہے کہ اس امر میں حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کریں اور اس قسم کی ذلت وانکساری حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے لئے پسند نہ کریں۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایک جہان کو ان کے تابع اور ان کا محتاج بنایا ہے اس نعمت کا شکر بجا لائیں اور اس قسم کی تواضع کو جس سے کمال درجہ کا عجز وانکسار ظاہر ہوتا ہے جناب قدس تعالیٰ کی بارگاہ کے ساتھ مسلّم رکھیں اور اس امر میں کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ بنائیں۔ اگرچہ بعض نے اس امر کو جائز رکھا ہے لیکن مناسب یہی ہے کمال کا حسنِ تواضع اس امر کو پسند نہ کرے۔ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (رحمٰن آیت ۶۰) (احسان کا بدلہ احسان ہی ہے) ——— چونکہ بادشاہِ وقت اپنے دور دراز علاقوں ——— سے دارالخلافہ (آگرہ) واپس پہنچا ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ فقیر بھی حق سبحانہٗ کی مشیت سے اپنے آپ کو جلد دارالخلافہ میں پہنچائے۔ باقی بوقت ملاقات۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَتَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی۔

خواجہ ہاشم بدخشی کشمیؒ[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ عالمِ خلق اور عالمِ امر کے لطیفوں میں سے ہر لطیفہ ظاہر (صورت) بھی رکھتا ہے اور باطن بھی۔ اور اس باطن کا الحاق عارف کے اسمِ قیوم کے ساتھ ہے۔ اور اس بیان میں کہ عارف نزول کے وقت کلی طور پر اپنے ظاہر وباطن کے ساتھ دعوت وعبادت میں مشغول رہتا ہے۔

"نام المعرفت والاعارف" کے عالمِ خلق اور عالمِ امر دونوں اگرچہ ظاہر اور صورت میں اسمِ قیوم کی نسبت سے ہیں جو اس (عارف) کی خاص وجہ ہے وہ یہ کہ حقیقت میں وہ اس عارف کا باطن اور حقیقت ہے۔

[1] آپ کے نام ۱۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۰ پر درج ہے۔

جیسا کہ اس کی تحقیق ایک مکتوب میں تحریر کی جا چکی ہے۔ لیکن جب اس ظاہر اور صورت کو گہری نظر کے ساتھ جو محض فضلِ خداوندی جل سلطانہٗ کی بخشش و عنایت ہے ملاحظہ کرتا ہوں تو اس مقام میں بھی ظاہر و باطن معلوم ہوتے ہیں اور صورت و حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے نہ یہ کہ عالمِ خلق کو پورے طور پر ظاہر پاتا ہوں اور عالمِ امر کو باطن، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ بلکہ عالمِ خلق اور عالمِ امر کے لطیفوں میں سے ہر ایک لطیفے کی ظاہری صورت بھی ہے اور باطنی حقیقت بھی۔ جس طرح عنصرِ خاک ظاہر بھی رکھتا ہے اور باطن بھی، اسی طرح اخفیٰ ظاہر بھی رکھتا ہے اور باطن بھی۔ اور یہ باطن جو کہ عالمِ خلق اور عالمِ امر سے تعلق رکھتا ہے روز بروز اعمالِ صالحہ کے توسل سے بلکہ محض خداوند جل سلطانہٗ کی بخشش سے اس باطن سے جو کہ اسمِ قیوم کے ساتھ وابستہ ہے آہستہ آہستہ ملحق ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس باطن کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور سوائے ظاہرِ صرف کے جو کچھ بھی ہے پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ ———

اس باطن کا اسمِ قیوم کے ساتھ الحاق اس معنی میں نہیں ہے کہ یہ باطن اس میں حلول کر جاتا ہے یا اس اسم کے ساتھ اتحاد پیدا کر لیتا ہے کہ ایسا گمان کرنا الحاد ہے۔ سُبْحَانَ مَنْ لَّا یَتَغَیَّرُ بِذَاتِہٖ وَلَا بِصِفَاتِہٖ وَلَا فِیْ اَسْمَائِہٖ بِحُدُوْثِ الْاَکْوَانِ (پاک ہے وہ جو اپنی ذات وصفات اور اپنے اسماء میں اکوان (موجودات) کے حوادث سے متغیر نہیں ہوتا)۔ بلکہ اس باطن کو اس اسم کے ساتھ ایک مجہول الکیفیت کی نسبت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے حلول و اتحاد کا وہم ہونے لگتا ہے ورنہ حقیقت میں نہ حلول ہے اور نہ اتحاد۔ کیونکہ اس سے حقیقتِ امکان کا حقیقتِ وجوب تعالت و تقدست سے بدلنا لازم آتا ہے جو کہ عقلی طور پر محال ہے اور شریعت کے لحاظ سے بے دینی ہے ——— اور وہ ظاہرِ صرف جو باقی رہ جاتا ہے اگرچہ عالمِ شہادت سے ہے اور مشہود و مرئی ہے لیکن باطن کے رنگ سے رنگین ہے اگرچہ باطن شہود و ادراک کے احاطہ سے باہر آ گیا ہے اور غیب سے ملحق ہو کر بے چونی کا رنگ پیدا کر چکا ہے، کیونکہ چون جب تک بے چونی کا رنگ پیدا نہیں کرتا اور چون کے احاطہ ادراک سے باہر نہیں نکلتا اور اپنا اسباب شہادت سے غیب کی طرف نہیں لے جاتا اس وقت تک بے چونِ حقیقی سے کوئی حصہ حاصل نہیں کر سکتا اور غیب الغیب سے مطلع نہیں ہو سکتا۔

جاننا چاہئے کہ اس ظاہر باقی ماندہ کی پوری توجہ خلق کی طرف ہے اور طاعات و عباداتِ شرعیہ اس کے ساتھ وابستہ ہیں اور دعوت و تکمیل کا معاملہ بھی اسی سے متعلق ہے اور اس عارف صاحبِ تکمیل کا

باطن، خواہ وہ مراتبِ امکان سے تعلق رکھتا ہو یا مقاماتِ وجوب سے متعلق ہو پھر بھی ظاہر ہی کی طرف متوجہ ہے، اور جس کی طرف ظاہر توجہ رکھتا ہے اس کا باطن بھی اسی طرف متوجہ ہے تاکہ عبادت کی تکمیل و تربیت کامل طور پر ہو، کیونکہ یہ دنیا دار العمل ہے اور یہ مقام مقامِ دعوت ہے۔ لیکن شہود و مشاہدہ کی حقیقت آخرت میں ہے اور کشف و معائنہ کا معاملہ بھی آگے (آخرت میں) ہے۔ اس مقام میں معبود جل سلطانہٗ کی عبادت، معبود تعالیٰ میں استغراق سے بہتر ہے اور مطلوب کا انتظار جو کہ اس مقام میں محبت سے پیدا ہوتا ہے وہ مطلوب میں گم ہو جانے سے بہتر ہے، ارباب سکر اس بات کو مانیں یا نہ مانیں ــــــ عارف صاحبِ تکمیل کی یہ ظاہر و باطن کی توجہ جو مخلوق کی طرف پیدا ہو جاتی ہے موت کے وقت تک کے لئے ہے جو کہ دعوت کے مقام کی انتہا ہے۔ اور جب موت آ گئی تو موت کے پل سے گذر کر محبوب کے وصال کے کوچے میں قدم رکھے گا اور وصل و اتصال کی دولت سے بغیر کسی مزاحمت کے مشرف ہو جائے گا ؎

هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا ۔ وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

(مبارک منعموں کو ان کی دولت ۔ مبارک عاشقوں کو درد و کلفت)

رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (تحریم آیت ۸)[۶۶] (اے ہمارے رب! ہمارے لئے نور کو کامل کر دے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے) وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ وَالْبَرَكَةُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِ اللّٰهِ وَعَلٰى إِخْوَانِهِ الْكِرَامِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهِ الْعِظَامِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامِ۔

مولانا عبد القادر انبالوی[۱] کی طرف صادر فرمایا ــــ فنا و بقا کی حقیقت اور عارف کی حقیقت و صورت سے عدم کے جدا ہونے اور مجاورت (ہمسائیگی) کی نسبت بہم پہنچانے کے بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ ــــ اس فقیر کے علم کے مطابق جیسا کہ بعض مکاتیب میں تحریر کیا گیا ہے کہ حقائق ممکنات ان عدمات سے مراد ہیں جو اسماء و صفاتِ الٰہی جل شانہٗ کی صورِ علمیہ کے عکوس کے ساتھ ہر شر و نقص کا منشا ہیں

[۱] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۸۴ پر گذر چکا۔

اور ان عدمات میں ظاہر ہوتے ہیں ــــــــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وہ عدمات ہیولیٰ (جسم) کے مانند ہیں (یعنی وہ مادۂ اجسام جو صورت اختیار کرنے کے قابل ہے) اور وہ (عدمات) عکوس صورت کی طرح ہیں جو ہیولیٰ میں حلول کئے ہوئے ہیں۔ اور عدمات کی تشخیص وتمیز ان عکوسِ ظاہرہ کے ساتھ ہے، اور ان عکوس کا قیام ان عدماتِ متمیزہ کے ساتھ ہے۔ اور یہ قیام عرض کا جوہر کے ساتھ قیام کی طرح نہیں ہے بلکہ جس طرح صورت کا قیام ہیولیٰ کے ساتھ اور ہیولیٰ کا تشخص صورت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی توفیق سے سالک جنابِ قدس خداوندی جل شانہٗ کی طرف ذکر ومراقبہ کے ساتھ متوجہ ہوتا اور ہر دم ماسوی (غیرِ حق) سے رُوگردانی کرتا جاتا ہے تو اسماء وصفاتِ واجبی جل سلطانہٗ کے صورِ علمیہ کے عکوس ہر لحہ قوت اور غلبہ پیدا کرتے جاتے ہیں اور اپنے قرین (ساتھی) پر جو کہ عدمات ہیں غلبہ اور تسلط حاصل کر لیتے ہیں۔ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ (آگاہ رہو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی غالب ہے) ــــــــــ اور معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ عدمات جو ان عکوس کے لئے اصل اور ہیولیٰ کے مانند ہو گئے تھے وہ پوشیدہ ہونے لگتے ہیں بلکہ پورے طور پر سالک کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں اور اپنے ماسوی میں سے اصولِ اصول اور اصول کے عکوس بھی اس کی نظر میں نہیں رہتے، بلکہ عکوس جو اپنے اصول کے آئینے ہیں وہ بھی نظر سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں کیونکہ آئینوں کو بھی پوشیدگی کے بغیر چارہ نہیں ــــــــــ یہ مقام مقامِ فنا ہے اور بہت بلند (مقام) ہے اگر اس سالکِ فانی کو بقا بخش دیں اور عالم کی طرف دوبارہ واپس لوٹا دیں تو اپنے عدم کو باریک پوست کی طرح جو کہ بدن کا محافظ ہے پائے گا۔ اور بہت ممکن ہے کہ نہایت بے مناسبتی کی وجہ سے جو کہ اس نے عدم کے ساتھ پیدا کی ہوئی ہے اس کو بالوں کے باریک کرتے سے تعبیر کرے اور اپنے سے اس کو جدا پائے۔ لیکن حقیقت میں اس مقام میں عدم اس سے جدا نہیں ہوا ہے بلکہ "انا" (میں پن) اس کے گمان میں داخل ہے ــــــــــ مختصر یہ کہ اس مقام میں عدم اس (سالک) کا مغلوب وستور جزو ہے اور اس اصالت سے جو وہ رکھتا تھا نیچے آ گیا ہے اور ان عکوس کے تابع بلکہ ان کے ساتھ قائم ہوا ہے جو اس کے ساتھ قیام رکھے ہوئے ہے۔ اور یہ فقیر بھی سالہا سال اس مقام میں رہا ہے اور اپنے عدم کو بالوں کے کرتے کی مانند اپنے آپ سے جدا پایا ہے اور ابن وآں کے بعد جب خداوند جل سلطانہٗ کی عنایات بے غایات اس کے شاملِ حال ہوئی تو اس نے دیکھا کہ وہ مغلوب جزو اس ترکیب سے کشادہ ہو کر علیحدہ

ہو رہا ہے اور وہ تشخیص جو ان عکوس کے حاصل ہونے سے پیدا ہوئی تھی مفقود ہو گئی ہے اور گویا کہ عدم مطلق کے ساتھ ملحق ہو گیا ہے جس طرح کہ صورت کو اس کے قالب پر درست کریں اور اس کا قیام قالب کے ساتھ ہو جاتا ہے، اور جب صورت درست ہو جاتی ہے اور ثبات و رسوخ پیدا کر لیتی ہے تو اس کالبد قالب (سانچے) کو توڑ دیتے ہیں اور اس کے قیام کو قالب سے دور کر کے اس کو بذات خود قائم رکھتے ہیں ——— اور نیز زیر بحث معاملہ میں یہ عکوس جو اس کے ساتھ قیام رکھتے تھے (اس فقیر نے معلوم کیا کہ) انھوں نے اپنے ساتھ بلکہ اپنے اصول کے ساتھ قیام پیدا کر لیا ہے اور اس وقت لفظ "انا" کا اطلاق سوائے عکوس اور ان عکوس کے اصول کے کسی پر نہیں رہتا اور جزوِ عدمی گویا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہا۔ اور (اس فقیر نے یہ بھی معلوم کیا کہ حقیقتِ فنا اسی مقام میں صورت اختیار کرتی ہے پہلی فنا گویا اس فنا کی صورت تھی ——— اور اس مقام سے جب بقا کے مقام میں لائے اور عالم کی طرف دوبارہ واپس لوٹایا تو اس عدم کو جس میں جزئیت کی نسبت تھی اور اس کو خاص طور پر اصالت و غلبہ حاصل تھا واپس لا کر اس کا ہمسایہ و ہم نشین بنا دیا، اور اس کی حقیقت و صورت سے جدا کر کے لفظِ "انا" کے اطلاق سے باہر کر دیا ہے اور حکمت و مصلحت کی وجہ سے اس کو دوبارہ بالوں کے پیراہن کی مانند پہنا دیا گیا ہے۔ اور اس حالت میں اگرچہ عدم کو دوبارہ واپس لے آئے لیکن ان عکوس کا قیام اس عدم کے ساتھ وابستہ نہیں کیا گیا بلکہ عدم کو ان عکوس کے ساتھ قیام بخشا گیا ہے جیسا کہ بقائے سابق میں گزر چکا ہے۔ جب اس بقا میں یہ نسبت متحقق ہو جائے تو اس جگہ جو بقا کی حقیقت ہے یہ نسبت کامل ہو گی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کپڑا پہننے والے کو کپڑا پہننے کے بعد اس کی تاثیر معلوم ہو جاتی ہے اگر کپڑا گرم ہے تو پہننے والے کو گرمی کا اثر ہوتا ہے اور اگر سرد ہے تو سردی سے متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح اس عدم میں بھی کپڑے کی مانند (اس فقیر نے بھی) ایک تاثیر پائی اور اس کا اثر تمام بدن میں سرایت کرتا ہوا پایا۔ لیکن جانتا ہے کہ یہ تاثیر اور سرایت بیرونی ہے نہ درونی، عرضی ہے نہ ذاتی، نہ خارجی ہم نشین کی طرف سے آئی ہے اور نہ داخلی ہم جنس کی طرف سے۔ اگر شر و نقص ہے جو کہ اس عدم سے پیدا ہوا ہے تو وہ بھی عرضی ہے نہ کہ ذاتی و اصلی۔

اگرچہ اس مقام والا دوسرے لوگوں کے ساتھ بشریت میں شرکت رکھتا ہے اور بشریت کی

صفات کے صادر ہونے میں دوسروں کے ساتھ برابر ہے لیکن اس سے اور اس کے ہم جنسوں سے بشریت کی صفات کا ظہور عرضی ہے جو کہ ہمسائیگی کی وجہ سے آیا ہے اور دوسروں میں یہ ذاتی اور اصلی ہے، ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ عام لوگ ظاہری شرکت کو دیکھتے ہیں اور خواص بلکہ اخص خواص کو اپنے رنگ میں تصور کر کے مقام انکار و اعتراض میں آجاتے ہیں اور محروم رہ جاتے ہیں آیۂ کریمہ فَقَالُوْا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا (تغابن آیت ۶) (پس کہنے لگے کیا یہ انسان ہم کو ہدایت دے گا۔ بس وہ کافر ہو گئے) ——— اور آیۂ کریمہ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ (فرقان آیت ۷) (اور کہتے ہیں کہ یہ رسول کیسا ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے) ان کے حال کی خبر دیتا ہے۔

اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے (یہ فقیر) بشریت کی صفات میں سے جو کچھ اپنے اندر دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ان صفات کا حامل وہی ہمسایہ عدم ہے جو کلی طور پر بھاگ گیا اور اس کے اندر سرایت کر گیا ہے اور اپنے آپ کو بہ تمام و کمال ان صفات سے پاک و مبرا دیکھتا ہے اور ان میں سے کچھ بھی اپنے اندر محسوس نہیں کرتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے ——— اور یہ صفات جو اس کو ہمسائیگی کی وجہ سے ظاہر ہوئے ہیں یہ اس شخص کی مانند ہیں جو سرخ لباس پہنے ہوئے ہو اور سرخ لباس کی ہمسائیگی (پہننے) کی وجہ سے سرخ نظر آتا ہو، لیکن بے وقوفوں کو چونکہ تمیز نہیں ہے اس لئے اس کے سرخ لباس کی وجہ سے اس شخص کی ذاتی سرخی جانتے ہیں اور اس کو خلافِ واقع حکم سے منسوب کرتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است | وآنکہ دیدش نقد خود مردانہ است |
| (جس نے قصہ جانا وہ قصہ ہوا | جس نے دیکھا اصل فرزانہ ہوا) |
| ؎ آبِ نیل ست وبقبطی خون نمود | قوم موسیٰ را نہ خون بود آب بود |
| (بن گیا خونی جو قبطی کے لئے | نیل ہی تھا قومِ موسیٰ کے لئے) |

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ط (آل عمران آیت ۸) (اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کرنا اور ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ بیشک تو ہی عطا فرمانے والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

# مکتوب ۹۵

مقصود علی تبریزی[۱] کی طرف ان کے سوال کفرِ حقیقی اور اسلامِ حقیقی کے جواب میں صادر فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ـــــ

آپ کا صحیفۂ شریفہ موصول ہوا جس میں صوفیہ کے بعض اقوال کے بارے میں استفسار کیا گیا تھا ــــــ میرے مخدوم! اگرچہ وقت و مکان، گفتگو اور تحریر کے متقاضی نہیں ہیں لیکن سوال کا جواب دیئے بغیر بھی چارہ نہیں، لہذا ضرورۃً چند کلمے تحریر کئے جاتے ہیں۔

آپ کے تمام سوالوں کے حل میں مختصر کلام یہ ہے کہ جس طرح شریعت میں کفر و اسلام ہے اسی طرح طریقت میں بھی کفر و اسلام ثابت ہے، اور جس طرح شریعت میں کفر، شرارت و نقص ہے اور اسلام کمال ہے اسی طرح طریقت میں بھی کفرِ طریقت نقص ہے اور اسلامِ طریقت سراسر کمال ہے۔ کفرِ طریقت سے مراد وہ مقامِ جمع ہے جو پوشیدگی کا محل ہے اور اس مقام میں حق اور باطل کی تمیز مفقود ہے، کیونکہ اس مقام میں سالک کا مشہود اچھے اور بُرے آئینوں میں وحدتِ محبوب (حق جل وعلا) کا جمال ہے، اور خیر و شر اور کمال و نقص کو بھی اس وحدت کے مظاہر و ظلال کے سوا اور کچھ نہیں پاتا۔ لہذا انکار کی نظر جو تمیز کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس کے حق میں معدوم ہے جس کی وجہ سے وہ مجبوراً صلح کے مقام پر ہوتا ہے اور سب کو صراطِ مستقیم پر پاتا ہے اور اس آیۂ کریمہ کی دُھن میں مست رہتا ہے: مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِھَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (ہود آیہ ۵۶) (کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی پیشانی اس (اللہ تعالیٰ) کے ہاتھ میں نہ ہو بیشک میرا رب سیدھے راستے پر ہے) ــــــ اور کبھی وہ مظہر کو عینِ ظاہر جان کر مخلوق کو عینِ حق خیال کرتا ہے اور مربوب (پرورده) کو عینِ رب (پالنے والا) جانتا ہے۔ اس قسم کی تمام گلکاریاں مرتبۂ جمع ہی سے کھلتی ہیں: منصور نے بھی اسی مقام میں کہا ہے ؎

| | |
|---|---|
| کَفَرْتُ بِدِیْنِ اللّٰہِ وَالْکُفْرُ وَاجِبٌ | لَدَیَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِیْنَ قَبِیْحٌ |
| (دین چھوڑا کفر واجب ہوگیا | دین والے جانتے ہیں۔ ہے قبیح) |

[۱] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں۔ ایک یہی اور دفتر سوم کے مکتوب ۲۲ و ۲۳۔ حالات معلوم نہ ہوسکے۔

یہ کفرِ طریقت، کفرِ شریعت کے ساتھ مناسبتِ تام رکھتا ہے اگرچہ کافرِ شریعت مردود اور مستحقِ عذاب ہے، اور کافرِ طریقت مقبول اور مستحقِ درجات ہے، کیونکہ یہ کفر اور پوشیدگی محبوبِ حقیقی (جل وعلا) کی محبت کے غلبہ سے پیدا ہوئی ہے اور اس نے محبوب کے علاوہ سب کو فراموش کر دیا ہے لہٰذا وہ مقبول ہے اور وہ کفر (شریعت) چونکہ جہل اور سرکشی کے غلبہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اس لئے لازمی طور پر مردود ہے ـــــــ اور اسلامِ طریقت سے مراد مقامِ فرق بعد الجمع ہے جو تمیز کا مقام ہے جہاں حق باطل سے اور خیر شر سے متمیز ہے، اس اسلامِ طریقت کو اسلامِ شریعت کے ساتھ پوری پوری مناسبت ہے بلکہ جب اسلامِ شریعت کمال کو پہنچتا ہے تو اس اسلام کے ساتھ اتحاد کی نسبت پیدا کر لیتا ہے بلکہ ہر دو اسلام، اسلامِ شریعت ہیں، اور ان دونوں کے درمیان فرق صرف ظاہرِ شریعت اور باطنِ شریعت، اور صورتِ شریعت اور حقیقتِ شریعت کا ہے۔ کفرِ طریقت کا مرتبہ صورتِ شریعت کے اسلام سے بلند تر ہے اگرچہ وہ (کفرِ شریعت) حقیقتِ شریعت کے اسلام کی نسبت سے نیچے اور کمتر ہے ؎

آسماں نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالی ست پیشِ خاک تود

(عرش سے نیچے ہے بیشک آسماں ہے مگر وہ اس زمیں سے بس بلند)

مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں سے جس نے بھی شطحیات (خلافِ شرع باتیں) کے طور پر کلام کیا ہے اور ظاہرِ شریعت کے مخالف باتیں کہی ہیں یہ سب کفرِ طریقت کے مقام میں ہوا ہے جو کہ سُکر اور بے تمیزی کا مقام ہے۔ جو بزرگ حقیقی اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں وہ اس قسم کی باتوں سے بالکل پاک و مبرا ہیں اور ظاہر و باطن میں انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی اقتدا کرتے ہیں اور ان ہی کے تابع رہتے ہیں لہٰذا جو شخص شطحیات کے طور پر کلام کرتا ہے اور سب کے ساتھ مقامِ صلح میں ہے اور سب کو صراطِ مستقیم پر خیال کرتا ہے اور حق (تعالیٰ) خلق (مخلوق) کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور ان میں دوئی کے وجود کا قائل نہیں ہوتا تو ایسا شخص اگر مقامِ جمع تک پہنچ چکا ہے اور کفرِ طریقت سے متحقق ہو کر ماسوی کا نسیان حاصل کر چکا ہے تو اس کا کلام مقبول ہے اور اس کی وہ باتیں جو سکر کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں تو ان کا ظاہری مطلب نہیں لیا جائے گا (بلکہ ان کی تاویل کی جائے گی) ـــــــ اور اگر وہ شخص اس حال کے حصول کے بغیر

اور کمال کے درجۂ اولیٰ میں پہنچے بغیر اس قسم کی (سکریہ) باتیں کرتا ہے اور سب کو حق اور صراطِ مستقیم پر جانتا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا تو ایسا شخص زندیق و ملحد ہے جس کا مقصود شریعت کو باطل کرنا ہے اور جس کا مطلوب انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات جو کہ رحمتِ عالمیان ہیں ان کی دعوت کو ختم کرنا ہے۔ پس اس قسم کے خلافِ (شریعت) کلمات حق والے سے بھی صادر ہوتے ہیں اور باطل والے سے بھی، لیکن سچے کے لئے آبِ حیات ہیں اور جھوٹے کے لئے زہرِ قاتل، جس طرح کہ دریائے نیل کا پانی بنی اسرائیل کے حق میں آبِ خوشگوار تھا اور قبطی کے حق میں خونِ ناگوار۔

اس مقام پر اکثر سالکوں کے قدم پھسل جاتے ہیں اور بہت سے مسلمان اکابر اربابِ سکر کی باتوں کی تقلید کر کے راہِ راست سے منحرف ہو کر ضلالت اور خسارت کے کوچوں میں جا پڑے ہیں اور اپنے دین کو برباد کر بیٹھے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ اس قسم کی باتوں کا قبول کرنا چند شرائط پر مشروط ہے جو اربابِ سکر میں تو پائی جاتی ہیں اور ان میں مفقود ہیں، ان شرائط میں سے بڑی شرط نسیان ماسوائے حق سبحانہٗ ہے جو کہ اس قبولیت کی دہلیز ہے۔ اور سچے اور جھوٹے کے درمیان امتیاز شریعت پر استقامت ہونے اور نہ ہونے کی علامت ہے۔ جو سچا ہے وہ سکر و مستی اور بے تمیزی کے باوجود شریعت کے خلاف بال برابر بھی کوئی عمل نہیں کرے گا۔ ــــــــ منصور اَنَا الْحَق کہنے کے باوجود قید خانے میں بھاری زنجیروں کے ساتھ جکڑا ہوا ہونے کی حالت میں ہر شب پانچ سو رکعات نمازِ نفل ادا کرتا تھا اور وہ کھانا جو اس کو ظالموں کے ہاتھ سے ملتا تھا اگرچہ وہ حلال کے ذریعے سے ہوتا تھا نہیں کھاتا تھا۔ اور جو شخص باطل پرست ہے تو اس پر احکامِ شرعیہ کا بجا لانا کوہِ قاف کی طرح بھاری ہے۔ آیۂ کریمہ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ (شوریٰ ۴۲ آیت ۱۳) (جس کی طرف تم ان کو بلاتے ہو وہ مشرکوں پر بہت بھاری ہے)۔ ان کی حالت کی نشان دہی کرتی ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف ۱۸ آیت ۱۰)

(اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری نصیب فرما) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (اور سلام ہو ان پر جو ہدایت کی پیروی کریں)۔

❊

# مکتوب ۹۶

نود و ششم

خواجہ ابوالحسن[1] بہا بدخشی کشمی کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بات کے حل میں کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے مرض موت میں کاغذ طلب فرمایا تاکہ کچھ تحریر کرائیں، اور حضرت فاروق رضی نے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ چند وجوہ کی بنا پر اس سے منع کیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ (سوال) حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے مرضِ موت میں کاغذ طلب کیا اور فرمایا اِیْتُوْنِیْ بِقِرْطَاسٍ اَکْتُبُ لَکُمْ کِتَابًا لَّنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ[2] (میرے پاس کاغذ لاؤ تاکہ میں تمہارے لئے ایسی تحریر لکھوا دوں کہ میرے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو) اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دوسری جماعت کے ساتھ کاغذ لانے سے منع کیا، اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ[3] (ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے) اور یہ بھی کہا اَھَجَرَ اِسْتَفْھِمُوْہُ (آپ بیماری کی بیہوشی میں ایسا فرما رہے ہیں لہذا تحقیق کر لو) ـــ اور حضرت رسالت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ جو کچھ بھی فرماتے تھے وہ از روئے وحی فرماتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (نجم آیت ۳ و ۴ ۵۳) (وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے مگر وحی سے جو ان کی طرف کی جاتی ہے) ـ اور وحی سے منع کرنا اور اس کا رد کرنا کفر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ہ (مائدہ آیت ۴۴ ۵) (جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں)۔ اور نیز ہجر و ہذیان (بے قصد و بلا اختیار) کلام کا پیغمبر کے لئے تجویز کرنے سے اس کے احکامِ شرعیہ سے بھی اعتماد اٹھ جاتا ہے اور وہ کفر و الحاد اور زندقہ ہے۔ اس شبہ قویہ کا حل کیا ہے۔

(جواب) اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے اور سیدھے راستے کی ہدایت دے ـ

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

[2،3] مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم

واضح ہو کہ یہ شبہ اور اس قسم کے دیگر شبہات جو ایک گروہ حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر وارد کرتے ہیں اور اس قسم کے شکوک و شبہات سے ان کو رد کرنا چاہتے ہیں، کاش یہ لوگ انصاف کی نظر سے دیکھیں اور حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے شرف و رتبہ کو قبول کریں تو وہ جان لیں گے کہ ان (صحابہؓ) کے نفوس حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں ہوا و ہوس سے پاک و صاف ہو چکے تھے اور ان کے سینوں سے عداوت و کینہ نکل چکا تھا۔ اور ان کو واضح ہو جائے گا کہ یہی وہ اکابر دین اور کبرائے اسلام ہیں جنھوں نے کلمۂ اسلام کے بلند کرنے اور حضرت سید الانام کی مدد اور دینِ متین کی تائید میں رات دن، خفیہ اور علانیہ اپنی طاقتوں اور مالوں کو خرچ کیا ہے اور اپنے خویش و قبیلوں اور اولاد و ازواج و وطن و گھر بار، کھیتی باڑی، کنوئیں اور باغ و انہار وغیرہ سب کچھ رسول اللہ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں چھوڑ دیا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس کو اپنے نفسوں پر ترجیح دی تھی اور اپنی جان و مال اور اولاد کی محبت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اختیار کیا تھا۔ یہی وہ حضرات ہیں کہ جنھوں نے وحی اور فرشتہ کا مشاہدہ کیا تھا اور معجزات و خوارق کو دیکھا تھا یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت سے اور ان کا علم عین سے بدل گیا تھا۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کی تعریف اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ فرماتا ہے: رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (توبہ آیت ۱۰۰) (اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں)۔ نیز ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰتِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ (فتح آیت ۲۹) (توریت اور انجیل میں ان کی یہی مثال ہے) یقیناً جب تمام اصحابِ کرامؓ ان بزرگی اور فضائل میں شریک ہیں تو خلفائے راشدین جو تمام اکابرین صحابہ سے افضل ہیں ان کی فضیلت و بزرگی کسقدر ہوگی۔

یہی وہ فاروقؓ ہیں جن کی شان میں حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا: یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (انفال آیت ۶۴) (اے نبی تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ مومن جنھوں نے تمہاری اتباع کی)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس آیہ کریمہ کا کے نازل ہونے کا سبب حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام ہے

نظرِ انصاف سے دیکھنے کے بعد اور حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات کی شرفِ صحبت کے قبول کرنے اور اصحابِ کرام علیہم الرضوان کے درجات کی بلندی و بزرگی معلوم کرنے کے بعد

ممکن ہے کہ یہ اعتراض کرنے والی جماعت اور شکوک پیدا کرنے والے لوگ شاید ان شبہات کو مغالطوں اور ملمع کی ہوئی خیالی باتوں کی طرح بے اعتبار خیال کریں اور ان کو درجۂ اعتبار سے ساقط کریں، اگرچہ وہ غلط مادہ کو ان شبہات میں تشخیص نہ کریں اور عقل کی غلط باتوں کا محل و مقام متعین نہ کریں تو کم از کم اتنا ضرور جان لیں گے کہ یہ شبہات بے حاصل و بے فائدہ ہیں بلکہ یہ شبہات ضروریات اسلامیہ سے متصادم ہیں اور کتاب و سنت کی رُو سے مردود و مطرود ہیں ـــــ اس کے باوجود اس سوال کے جواب میں اور اس شبہ کے غلط مواد کے تعین میں اللہ سبحانہٗ کی مدد سے چند مقدمات لکھے جاتے ہیں، خوب غور سے سنیں۔ ان اشکال کا کامل طور پر حل چند مقدمات پر مبنی ہے اگرچہ ہر مقدمہ بھی ایک مستقل جواب ہے۔

**مقدمۂ اول** یہ ہے کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات کے تمام ارشادات اور گفتگو وحی نہیں ہوتے تھے۔ اور آیۂ کریمہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (نجم ۵۳ آیت ۳) (اور وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے) یہ نطق قرآنی کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ اہلِ تفسیر نے بیان کیا ہے ـــ اور نیز اگر آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام ارشادات وحی کے مطابق ہوتے تو آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض اقوال پر حق جل شانہٗ کی طرف سے اعتراض وارد نہ ہوتے اور ان سے معافی کی کوئی گنجائش نہ ہوتی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے: عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (توبہ ۹ آیت ۴۳) (اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کیا، تم نے ان کو کیوں اجازت دی)۔

**مقدمۂ دوم** چونکہ اجتہادی احکام اور امورِ عقلیہ میں بموجب آیۂ کریمہ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ (حشر ۵۹ آیت ۲) (اے بصیرت والو عبرت حاصل کرو)۔ اور آیۂ کریمہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (آل عمران ۳ آیت ۱۵۹) (کام میں ان (صحابہ) سے مشورہ کرلیا کرو) کے موجب صحابۂ کرامؓ کو آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات سے گفتگو کی گنجائش تھی اور ان میں رد و بدل کی مجال بھی تھی کیونکہ قیاس کا اعتبار اور مشورہ کا امر رد و بدل کی صورت کے بغیر ممکن نہیں۔ جیسا کہ جنگِ بدر کے قیدیوں کے قتل اور فدیہ میں اختلافِ رائے واقع ہوا تھا اور حضرت فاروقؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا تھا اور وحی بھی حضرت فاروقؓ کی رائے کے موافق آئی یعنی فدیہ حاصل کرنے پر وعید نازل ہوئی تو آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَوْ نَزَلَ الْعَذَابُ لَمَا نَجٰى غَيْرُ عُمَرَ وَسَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ (اگر عذاب نازل ہوتا تو اس سے عمرؓ اور

سعد بن معاذؓ کے علاوہ کوئی نہ بچتا، کیونکہ سعدؓ نے بھی ان قیدیوں کے قتل کا اشارہ کیا تھا۔

**مقدمۂ سوم** یہ کہ سہو و نسیان حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر جائز بلکہ واقع ہے۔ حدیث ذوالیدین میں وارد ہے کہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا، تو ذوالیدینؓ صحابی نے عرض کیا اَقُصِرَتِ الصَّلٰوۃُ اَمْ نَسِیْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (یا رسول اللہ! کیا نماز قصر کر دی گئی یا آپ سے بھول ہو گئی ہے) تو ذوالیدینؓ کے قول کی صداقت ثابت ہونے کے بعد آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اٹھے اور دو رکعتیں ادا کر کے ان میں شامل کیں اور سجدۂ سہو ادا کیا ——— (جب (نبیؐ کے لئے) سہو و نسیان صحت و فراغت کی حالت میں بشریت کے تقاضے کی بنا پر جائز ہو تو مرضِ موت میں غلبۂ درد کی وجہ سے بمقتضائے بشریت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے بے اختیار کلام کا صادر ہونا کیونکر جائز نہ ہوگا، اور احکامِ شرعیہ سے اعتماد کیوں اُٹھ جائے گا جبکہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے وحیٔ قطعی کے ذریعہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کے سہو و نسیان پر مطلع کیا تھا اور صواب کو خطا سے الگ کر دیا تھا۔ چونکہ نبی کا خطا پر قائم رہنا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے احکامِ شرعیہ کا اعتماد زائل ہونا لازم آتا ہے ——— پس ثابت ہوا کہ نفسِ سہو و نسیان، اعتماد کے زائل ہونے کا موجب نہیں ہے بلکہ سہو و نسیان پر (نبی کا) قائم رہنا احکامِ شرعیہ کے زائل ہونے کا سبب ہے، اور اس کو برقرار رکھنا (علماء کے نزدیک یہ مقرر ہے کہ) جائز نہیں ہے۔

**مقدمۂ چہارم** یہ کہ حضرت فاروقؓ بلکہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کتاب و سنت کے مطابق جنت کی بشارت مل چکی ہے اور وہ احادیث جن میں خاص طور پر جنت کی بشارت موجود ہے وہ اپنے معتبر راویوں کی کثرت کی بنا پر حدِ شہرت بلکہ حدِ تواتر کو پہنچ چکی ہیں، اب ان کا انکار کرنا یا تو جہالت کی وجہ سے ہے یا دشمنی کی وجہ سے۔ ان صحیح اور حسن احادیث کے راوی اہلِ سنت ہیں جنھوں نے اپنے اساتذہ سے جو سب کے سب صحابہؓ و تابعین ہیں اخذ کی ہیں (ان کے مقابلے میں) اگر تمام مخالف فرقوں کے راویوں کو جمع کریں تو معلوم نہیں کہ اہلِ سنت کے (راویوں کے) عشر عشیر تک پہنچ سکیں۔ جیسا کہ منصف تتبع اور محقق پر پوشیدہ نہیں ہے ——— اور اہلِ سنت کی احادیث کی تمام کتابیں ان بزرگوں کے لئے جنتی ہونے کی بشارت سے بھری ہوئی ہیں۔ اگر بعض مخالف فرقوں کی

احادیث کی کتابوں میں ان بشارتوں کو روایت نہیں کیا گیا تو کوئی غم نہیں کیونکہ بشارت کی روایت کا نہ ہونا عدم بشارت پر دلالت نہیں کرتا۔ اور یہ کہ ان اکابرین کے بہشتی ہونے کی بشارت کا ثبوت خود قرآن مجید میں موجود ہے جو کافی ہے وہ آیات بکثرت ہیں، ان میں سے یہ بھی ہیں:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (توبہ آیت ۱۰۰) (مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین اور وہ لوگ جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی تابعداری کی، ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے اور ان کے لئے جنت کے باغات تیار کئے گئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ بہت بڑی کامیابی ہے) ———— اور اللہ تبارک وتعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے: لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (حدید آیت ۱۰) (تم میں سے وہ لوگ جنھوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (مال) خرچ کیا اور جنگیں لڑیں، برابر نہیں ہو سکتے (بلکہ) یہ لوگ مرتبے میں ان سے بہت بڑے ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا۔ اور جنگیں لڑیں، اور ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے بہت اچھا وعدہ کیا ہے)۔

جب ان تمام صحابہ کو جنھوں نے فتح مکہ سے قبل اور فتح مکہ کے بعد انفاق و مقاتلہ (مال خرچ کرنا اور جہاد کرنا) کیا ہے ان کو بہشت کی بشارت دی گئی تو ان اکابر صحابہ کی نسبت جو انفاق و مقاتلہ اور مہاجرۃ میں سابق تر ہیں کیا کہا جائے اور کیا کلام کیا جائے، ان کے درجات کی عظمت کا ادراک کیسے کیا جا سکتا ہے کہ وہ کیا ہیں۔ اہلِ تفسیر کہتے ہیں کہ آیہ کریمہ لَا يَسْتَوِيْ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے جو انفاق و مقاتلہ میں "اسبق سابقان" (سابقین میں بھی سب سے پہلے) ہیں۔ اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (فتح آیت ۱۸) (یقیناً اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہو گیا جبکہ وہ تمہارے ہاتھ پر (ببول کے) درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے)۔

امام محی السنۃ (بغوی) نے (اپنی تفسیر) معالم التنزیل میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی ایک شخص بھی دوزخ میں نہیں

جائے گا جنھوں نے (حدیبیہ میں) درخت کے نیچے بیعت کی ہے" جس کو "بیعت الرضوان" کہتے ہیں۔ کیونکہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس جماعت سے خوش ہوگیا۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ ایسے شخص کی تکفیر کرنا جس کو کتاب وسنت کے لحاظ سے جنّت کی بشارت مل چکی ہو بدترین برائی اور کفر ہے۔

مقدمۂ پنجم یہ کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کاغذ لانے میں توقف کرنا ردّ و انکار کی وجہ سے نہیں تھا عِيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ عَنْ ذٰلِكَ (اس بات سے اللہ سبحانہٗ کی پناہ) ۔ اس قسم کی بے ادبی اس پیغمبر کے وزیروں اور ہم نشینوں سے کیسے سرزد ہوسکتی ہے جو "خُلقِ عظیم" کے ساتھ متصف ہے، بلکہ کسی ادنیٰ صحابی سے بھی جو کہ ایک یا دوبار حضرت خیر البشر کی شرفِ صحبت سے مشرف ہوچکا ہو اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی، بلکہ آپ کے عام اُمتی جو دولتِ اسلام سے سعادت مند ہوچکے ہیں ان سے بھی اس قسم کے ردّ و انکار کا وہم بھی نہیں ہوسکتا۔ پھر بھلا اس شخص سے جو اکابرین وزراء اور ہم نشینوں میں سے ہو اور مہاجرین وانصار کے لوگوں میں سے بھی عظمت والا ہو اس کے متعلق کس طرح اس قسم کا خیال کیا جاسکتا ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ وتقدس انصاف عطا فرمائے کہ ان اکابرینِ دین کے ساتھ سوءِ ظن پیدا نہ کریں اور بغیر سمجھے ہر کلمہ وکلام پر گرفت نہ کریں۔

حضرت فاروقؓ کا مقصد وارادہ استفہام واستفسار یعنی دریافت کرنا تھا چنانچہ انھوں نے فرمایا "اِسْتَفْهِمُوْا" یعنی اگر دوبارہ کاغذ طلب فرمائیں تو پیش کیا جائے۔ اور اگر اس بارے میں دوبارہ طلب نہ کریں تو ایسے نازک وقت میں آپ کو تکلیف نہیں دینی چاہئے، کیونکہ اگر وحی اور امر کی وجہ سے آپ نے کاغذ طلب فرمایا ہے تو اس کو تاکید اور مبالغہ کے ساتھ طلب فرمائیں گے اور جس کام کے لئے آپ مامور ہیں ضرور کریں گے، کیونکہ وحی کی تبلیغ نبی پر لازم ہے۔ اور اگر یہ (کاغذ کی) طلب وحی اور امر سے نہیں ہے بلکہ اپنے اجتہاد وفکر سے کچھ تحریر کرانا چاہتے ہیں تو اس کے لئے بھی یہ وقت مناسب نہیں ہے۔ آپ کے وصال کے بعد بھی سلسلۂ اجتہاد باقی ہے آپ کی امت (کے مجتہد) کتاب اللہ سے جو دین کا اصل اصول ہے احکامِ اجتہادیہ کا استنباط کرلیں گے ——— اور جبکہ آپؐ کی موجودگی میں نزولِ وحی کے دوران اجتہاد کرنے والوں کے لئے استنباط کرنے کی گنجائش تھی تو آپ کے ارتحال کے بعد جو کہ انقطاعِ وحی کا زمانہ ہے بطریقِ اولیٰ اہلِ علم کا استنباط واجتہاد مقبول ہوگا۔ اور چونکہ آں سرور علیہ علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اس (قلم وکاغذ کے) بارے میں دوبارہ کوئی اہتمام نہیں فرمایا بلکہ اس امر سے

اعراض کرلیا تو معلوم ہوا کہ وہ اصرار زروئے وحی نہیں تھا۔ اور وہ تامل و توقف جو استفسار کے لئے ہو ہرگز مذموم نہیں ہے۔ ——— (چنانچہ) ملائکہ کرام نے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی خلافت کی وجہ دریافت کرنے کے لئے (حق تعالیٰ سے) عرض کیا تھا: اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (بقرہ آیت ۳۰) (کیا تو اس (زمین) میں ایسے آدمی کو (خلیفہ) بنانا چاہتا ہے جو اس میں فساد اور خونریزی کرے اور ہم تیری تعریف کی تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں) ——— اور (اسی طرح) حضرت زکریا نے بھی حضرت یحییٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی بشارت کے وقت عرض کیا تھا: اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا (مریم آیت ۸) (میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی حد کو پہنچ چکا ہوں) ——— اور حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا تھا: اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِیًّا (مریم آیت ۲۰) (میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا حالانکہ مجھ کو کسی مرد نے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکار ہوں) ———

اگر حضرت فاروقؓ نے بھی استفہام و استفسار کے طور پر کاغذ لانے میں توقف کیا تو کیا مضائقہ ہے اور یہ شور و شر کیوں ہے؟۔

**مقدمۂ ششم** یہ کہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی شرفِ صحبت کی وجہ سے آپ کے اصحاب کرامؓ کے ساتھ حسنِ ظن کا حصول درکار ہے۔ اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ تمام زمانوں سے بہترین ہے۔ اور نیز یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ آپ کے اصحابؓ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے بعد تمام بنی آدم سے بہتر ہیں۔ تاکہ یقین ہو جائے کہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے ارتحال کے بعد کا زمانہ بھی بہترین زمانہ ہے۔ اور وہ جماعت جو انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد بہترین بنی آدم ہوں وہ امر باطل پر اجماع و اتفاق نہ کریں گے۔ اور ایسے لوگوں کو ہرگز حضرت خیر البشرؐ کا جانشین نہیں بنائیں گے جو نعوذ باللہ کافر یا فاسق ہوں۔

اور یہ جو ہم نے کہا کہ اصحاب کرامؓ تمام بنی آدم سے بہتر ہیں اس لئے کہا کہ یہ امت نصِ قرآنی کی بنا پر "خیر الامم"[1] ہے اور اس امت کے بہترین افراد ہی (صحابہ کرامؓ) ہیں کیونکہ کوئی ولی صحابہؓ کے

[1] قرآن مجید میں ہے: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔

مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا ــــــ لہٰذا کچھ تو انصاف کرنا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ اگر حضرت فاروقؓ کا کاغذ لانے سے انکار کرنا معاذ اللہ کفر تھا تو پھر حضرت صدیقؓ جو نصِ قرآنی کے مطابق اس امتِ خیر الامم کے سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہیں وہ ان کی خلافت کی تصریح و تعیین نہ کرتے، اور مہاجر و انصار جن کی قرآن مجید میں حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے اور (اللہ تعالیٰ) ان سے راضی ہوا ہے اور ان سے جنت کا وعدہ کیا ہے، ان سے بیعت نہ کرتے اور ان کو پیغمبر کا جانشین نہ بناتے ــ

اور چونکہ آں سرور اور ان کے اصحاب علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت کا حسنِ ظن "مقدمۂ محبت" ہے وہ ان کو حاصل ہو گیا لہٰذا اس قسم کے شبہات کی تنگی سے بھی نجات میسر ہو گئی، اور ان شکوک کا ظاہری طور پر باطل ہونا معلوم ہو گیا ــــــ اور اگر عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ کی پناہ) آپ کی اور آپ کے اصحاب علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت کا حُسنِ ظن پیدا نہ ہوا اور بدگمانی کی نوبت آگئی تو یہ سوءِ ظن لازمی طور پر اس صحبت والے (اصحاب کرام) اور ان اصحاب کے صاحب (پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام) تک پہنچے گی، بلکہ اس بدگمانی کا سلسلہ آں حضرتؐ کے مولا جل شانہٗ تک پہنچ جائے گا۔ اس امر کی بُرائی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ جس شخص نے صحابۂ کرامؓ کی عزت وتوقیر نہ کی تو گویا اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان نہیں ہے۔ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شان میں فرمایا: مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ (رواہ الترمذی) (جس نے میرے اصحاب سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے اُن سے بُغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا)۔ لہٰذا آپ کے اصحاب کی محبت آپ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی محبت کے لئے لازمی ہے اور اصحاب کرام کے ساتھ بُغض گویا آپ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کے بُغض کو مستلزم ہے۔

اور جب یہ مقدمات آپ کو معلوم ہو گئے تو بے تکلف ان شبہات اور اسی طرح کے دوسرے شبہات کا جواب بھی حاصل ہو گیا بلکہ بہت سے جوابات مل گئے، کیونکہ ان مقدمات میں سے ہر مقدمے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ متعدد جوابوں میں سے ایک مستقل جواب ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا۔ اور ان مقدمات کا مقصد اللہ سبحانہٗ کی مدد سے ان شبہات کا قلع قمع کرنا ہے اور ان شکوک کے دفعیہ میں نظر سے گذر کر فراست میں لے آنا ہے۔ جیسا کہ صاحب فراست اور منصف حضرات پر پوشیدہ نہیں ہے۔

حدس (فراست) کا لفظ صرف (احتیاطاً) زبان پر لایا گیا ہے ورنہ اس قسم کے اعتراضات کُھلم کُھلا جھوٹ ہیں اور وہ مقدمات جو ان شبہات کے جھوٹ ثابت کرنے کے سلسلہ میں بیان کئے گئے ہیں وہ تنبیہات کی قسم سے ہیں بلکہ ان پر بداہت ہیں۔ اس قسم کے شبہات و شکوک اس فقیر کے نزدیک اس طرح ہیں جیسے کوئی صاحبِ فن (چالاک آدمی) بے وقوفوں کی جماعت کے پاس آئے اور ایک پتھر کو جو ان کو بھی پتھر ہی معلوم ہو رہا ہے اپنے دلائل و مقدمات کے ذریعے اس (پتھر) کو ثابت کر دے کہ وہ سونا ہے، اور یہ بیچارے چونکہ ملمع شدہ دلائل کے دفع کرنے میں عاجز ہو جائیں اور ان دلائل کے غلط مواد کی تعیین و تشخیص سے قاصر رہیں اس لئے مجبور ہو کر شبہ میں پڑ جائیں اور اس پتھر کو سونا یقین کر لیں، اور اپنی حِس کو فراموش کر دیں بلکہ اس کو متہم کریں۔ کوئی ایسا ہوشیار اور ذی فہم شخص ہونا چاہئے جو ان میں حِس کی بداہت پر اعتماد پیدا کرے اور ملمع شدہ مقدمات کو متہم کرے۔

اور جو معاملہ ہمارے سامنے ہے اس میں بھی خلفائے ثلاثہ کی بزرگی و عظمت بلکہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے تمام اصحاب کرامؓ کی بزرگی اور درجات کی بلندی بمقتضائے کتاب و سنت محسوس و مشاہد ہے۔ ان بزرگوں پر جرح و قدح کرنے والے اپنے ملمع شدہ دلائل کے ساتھ ان پر طعنہ زنی کرتے ہیں وہ اس پتھر کی مانند ہیں جس کو وہ سونا ظاہر کرتے ہیں اور لوگوں کو راہِ راست سے بھٹکا رہے ہیں۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران آیت ۸) (اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت فرمانے کے بعد کجی سے بچا اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بیشک تو بہت عطا فرمانے والا ہے)۔

کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ ان اکابر دین پر سب و شتم کرنے اور اسلام کے بزرگوں پر طعنہ زنی کرنے پر ان لوگوں کو کس چیز نے آمادہ کیا ہے، حالانکہ فاسقوں اور کافروں میں سے کسی کو گالی دینا اور طعن کرنا شرع شریف میں عبادت و کرامت اور فضیلت نجات کا وسیلہ نہیں سمجھا جاتا تو پھر دین کے ہادیوں کو گالیاں دینا اور اسلام کے حامیوں پر طعن کرنا کس طرح عبادت ہو سکتا ہے ــــــ اور شرع شریف میں کہیں نہیں ہے کہ رسول علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے دشمنوں مثلاً ابو جہل و ابو لہب وغیرہ کو گالیاں دینا اور طعن کرنا عبادت و کرامت میں داخل ہے۔ بلکہ ان کے احوال سے اعراض کرنا اولیٰ و انسب ہے، اور اس قسم کے لایعنی اور بیہودہ کاموں میں مشغول ہونا وقت کو ضائع کرنا ہے۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (بقرہ آیت ۱۴۱)

(یہ ایک امت تھی جو گذر چکی ان کے لئے ہے جو انھوں نے کمایا اور تمہارے لئے تمہاری کمائی ہے اور تم سے ان کے متعلق باز پرس نہ ہوگی) ——— اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ قرآن مجید میں اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفت وشان میں فرماتا ہے رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (فتح آیت ۲۹) (وہ آپس میں رحمدل ہیں) پس ان بزرگوں کے حق میں ایک دوسرے کے ساتھ عداوت وکینہ کا گمان کرنا نص قرآنی کے خلاف ہے، نیز ان بزرگواروں میں عداوت وکینہ کا ثابت کرنا فریقین میں طعن ومذمت پیدا کرتا ہے اور دونوں جماعت سے امان کو رفع کرتا ہے جس سے اصحاب کے دونوں گروہوں کا مطعون ہونا لازم آتا ہے، اس سے اللہ سبحانہٗ کی پناہ ——— اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد جو لوگ تمام بنی آدم سے بہترین ہیں وہ بدترین آدمی ٹھہریں گے اور ان کا بہترین زمانہ بدترین زمانہ قرار پائے گا۔ کیونکہ اس قرن و زمانہ کے تمام حضرات عداوت وکینہ سے متہم ہو جائیں گے۔ کوئی مسلمان بھی اس بات کی دلیری نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس معنی کو جائز کہہ سکتا ہے۔ اس میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا بزرگی رہ جاتی ہے کہ کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی ان کے ساتھ دشمنی ہو اور خود حضرت امیرؓ بھی درپردہ ان سے عداوت رکھنے والے ظاہر کئے جائیں۔ اس امر میں تو فریقین پر طعن وملامت ہوا۔ کیونکہ جب تک دونوں فریق شیر وشکر نہ ہوں ایک دوسرے کے وفادار نہیں ہو سکتے۔

رہا خلافت کا معاملہ تو وہ ان بزرگوں کے نزدیک کوئی مرغوب اور خوش آئند نہ تھا جو عداوت وکینہ کا سبب ہوتا۔ حضرت صدیقؓ کا معروف ومشہور قول ہے اَقِيْلُوْنِيْ (میری بیعت کو فسخ کردو) ——— اور حضرت فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر اس خلافت کا کوئی خریدار ہو تو میں ایک دینار میں فروخت کردوں" ——— اور حضرت امیرؓ نے جو حضرت معاویہؓ سے جنگ وجدال کی وہ خلافت کے معاملہ میں خواہش و رغبت کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ باغیوں کے قتل کرنے کے لئے فرض جان کر کی تھی اور انہی کا ازالہ کیا۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعاظم وتعالیٰ فرماتا ہے: فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ (حجرات آیت ۹)

(تم ان لوگوں سے قتال کرو جو باغی ہیں حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئیں) ——— حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت امیرؓ کے ساتھ جنگ کرنے والے اگرچہ باغی ہوں لیکن وہ سب صاحب تاویل اور صاحب رائے واجتہاد ہیں، اگرچہ وہ اس اجتہاد میں غلطی پر ہوں تب بھی طعن وملامت اور تفسیق و

تکفیر سے دُور اور پاک ہیں۔ خود حضرت امیرؓ ان کے حق میں فرماتے ہیں: "ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی، وہ نہ فاسق ہیں نہ کافر، کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے" ——— امام شافعیؒ فرماتے ہیں اور اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی منقول ہے کہ "یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے پس ہمیں چاہیے کہ اپنی زبانوں کو پاک رکھیں۔ ——— رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (حشر آیت ۵۹) (اے ہمارے رب! ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں بخش دے اور جو بھی ایمان لائے ہیں ان کی طرف سے ہمارے دلوں میں کینہ نہ رہنے دے، اے ہمارے رب! بیشک تو بہت شفیق اور بڑا ہی مہربان ہے) ——— وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنَامِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْكِرَامِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامِ۔

## مکتوب ۹۷

نود و ہفتم

خواجہ ہاشم کشمی[1] کی طرف صادر فرمایا ——— ان کے سوال کے جواب میں جس میں انھوں نے (دفتر دوم کے) مکتوب ششم[6] کے حل کی درخواست کی تھی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰى ——— آپ نے دریافت کیا تھا کہ اس عبارت کے کیا معنی ہیں جو (دفتر دوم) مکتوب ششم[6] میں واقع ہوئی ہے (یعنی) "میں خیال کرتا ہوں کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ولایتِ محمدی، ولایتِ ابراہیمی علیہما الصلوات والتسلیمات کے رنگ سے رنگین ہو جائے اور اس ولایتِ (محمدی) کا حسنِ ملاحت اس ولایتِ (ابراہیمی) کے جمالِ صباحت کے ساتھ مل جائے اور رنگینی اور امتزاج سے محبوبیتِ محمدیہ کا مقام بلند سے بلند تر ہو جائے۔"

واضح ہو کہ دلاّلگی (راہنمائی) اور مشاطگی (آرائش کرنا) کسی طرح بھی ممنوع اور محذور نہیں ہے دلاّلہ جو اپنے حُسنِ دلالت کی وجہ سے دو[2] صاحب جمال و کمال کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دے اور ہر ایک کے حُسن کو دوسرے کے حُسن کے ساتھ خلط ملط کر دے، یہ اس کی خدمت گاری کا کمال ہے، اور اس لحاظ سے اس کی سعادت و شرافت کی انتہا ہے۔ اور اس معنی کے ساتھ ان دونوں صاحبِ جمال کی شان میں کوئی نقص و قصور لازم نہیں آتا۔ اور اسی طرح اگر مشاطگی دکھا کر ان دونوں صاحبِ کمال کے

---

[1] آپ کے نام ۱۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۰ پر درج ہو چکا ہے۔

حُسن وجمال کی افزائش کرے اور زیب وزینت سے تازگی پیدا کردے تو یہ اس کی شرافت وسعادت ہے اور اس سے ان میں کوئی نقص وقصور لازم نہیں آتا ۔ ؎

ازاں طرف نہ پذیرد کمالِ تو نقصان وزیں طرف شرفِ روزگارِ من باشد

(ترے کمال میں اس سے نہ ہوگا کچھ نقصان مگر مجھے تو شرف ہوگا حاصل اس سے ضرور)

مختصر یہ کہ وہ نفع یا فائدہ جو دولتمندوں کو غلاموں اور خادموں کی جہت سے میسر ہوتا ہے وہ کوئی ممنوع اور ناجائز نہیں ہے اور نہ ہی اس میں ان کا کچھ قصور اور نقصان لازم آتا ہے بلکہ دولتمندوں کا کمال غلاموں اور خادموں کی خدمت ہی میں ہے۔ وہ دولتمند بہت ہی بدنصیب ہے جو اپنے خادموں سے نفع اور فائدہ نہ اٹھائے۔ ہاں ہم مرتبہ لوگوں سے فائدہ اور نفع حاصل کرنا نقصان کا موجب ہے اور ہمسر لوگوں سے امداد واستفادہ حاصل کرنا سراسر قصور ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (انفال آیت ۶۴) (اے نبی تجھ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور مومنین میں سے تمہارے تابعدار بھی)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیۂ کریمہ کے نزول کی وجہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ادنیٰ اور کم درجے کے لوگوں کی خدمات کی وجہ سے بڑے اور عالی مرتبہ لوگوں کے مرتبہ میں زیادتی ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس ظاہری بات کو نہ سمجھے تو عبارت کا کیا قصور ہے —— بادشاہ اور امراء اپنی شان وشوکت اور سلطنت میں اپنے خادموں اور نوکروں کے محتاج ہیں اور اپنے کمالات کو ان سے وابستہ جانتے ہیں اور اس معنی میں ان کے مرتبہ وشان میں کوئی نقص وقصور واقع نہیں ہوتا جیسا کہ ہر ادنیٰ اور اعلیٰ کو معلوم ہے۔ اس شبہ کا باعث (ادنیٰ اور اعلیٰ میں) فرق نہ کرنے کی وجہ ہے، جو فائدہ اور نفع چھوٹوں کی جانب سے ہوتا ہے اور وہ فائدہ جو اعلیٰ مرتبے کے لوگوں کی طرف سے حاصل ہوتا ہے وہ اس بیان سے واضح ہو گیا کہ اول (چھوٹوں) سے نفع اٹھانا کمال بخش ہے اور ثانی (بڑوں) سے فائدہ حاصل کرنا نقصان دہ ہے۔ لہٰذا اول جائز ہوگا اور ثانی ممنوع۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (اور اللہ سبحانہ ہی صحیح بات کو دل میں ڈالتا ہے) — رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰) (اے ہمارے رب! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری نصیب کر) والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

# مکتوب ۹۸

حضرت مخدوم زادوں جامع الاسرار والعلوم خواجہ محمد سعید[1] و خواجہ محمد معصوم[2] مدظلہما کی طرف صادر فرمایا — اس قرب و معیت کے راز میں جو حق عزوجل سبحانہ کو عالم کے ساتھ ہے۔ اور شرارتِ عدم اور شرارتِ ابلیس علیہ اللعنۃ کے درمیان فرق میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی — سوال کیا تھا کہ علماء کہتے ہیں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نہ تو عالم میں داخل ہے اور نہ عالم سے خارج، اور نہ عالم کے ساتھ متصل ہے اور نہ عالم سے جدا ہے۔ اس بحث کی تحقیق کیا ہے؟

**جواب:** اس دخول و خروج، اتصال و انفصال کی نسبت کا حصول دو موجود کے تصور پر موقوف ہے کیونکہ ایک موجود دوسرے موجود کے لحاظ سے اس نسبت سے خالی نہیں ہے۔ اور زیرِ بحث مسئلہ میں دو موجود "کائن" (ثابت) نہیں ہیں کہ اس نسبت کا حصول متصور ہو۔ چونکہ وہ تعالیٰ موجود ہے اور کائناتِ عالم جو اس سبحانہٗ کے ماسوی ہے وہ موہوم اور متخیل ہے۔ اگرچہ عالم نے حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی صنعت سے ایسی استواری اور استحکام پیدا کر لیا ہے کہ وہم و خیال کے زائل ہونے سے بھی زائل نہیں ہو سکتا، اور ابدی نعمتوں اور عذاب کا معاملہ اسی کے ساتھ وابستہ ہے لیکن اس کا ثبوت حس اور وہم کے مرتبہ میں ہے اور حس اور وہم سے باہر اس کے لئے کوئی قدم گاہ نہیں ہے، یہ اس سبحانہٗ کی قدرت کا کمال ہے کہ اس نے موہوم متخیل کے حق میں ثبات و استقرار دے کر موجود کا حکم عطا فرمایا ہے اور اس پر موجود کے احکام جاری کئے ہیں لیکن موجود موجود ہے اور موہوم موہوم۔ — اگرچہ ظاہر بیں موہوم کو اس کے ثبات و استقرار پر نظر کر کے اس کو بھی موجود تصور کرتے ہیں اور دو موجود جانتے ہیں۔ اس معنی کی تحقیق (اس فقیر نے) اپنی کتابوں اور رسائل میں تفصیل کے ساتھ تحریر کی ہے اگر ضرورت ہو تو ان کی طرف رجوع کریں۔ پس موجود کو موہوم کے ساتھ اس قسم کی کوئی نسبت بھی ثابت نہ ہوگی۔ لہٰذا کہہ سکتے ہیں کہ موجود نہ تو داخلِ موہوم ہے نہ خارجِ موہوم، اور نہ موہوم کے ساتھ اتصال رکھتا ہے اور نہ ہی موہوم کے ساتھ انفصال ہے۔ کیونکہ جہاں موجود ہے

---

[1] آپ کے نام ۲۴ مکتوبات ہیں اور تذکرہ ۲۵۹ پر درج ہے [2] آپ کے نام ۲۷ مکتوبات ہیں اور تذکرہ مکتوب ۲۹۴ پر ہے۔

وہاں موہوم کا کوئی نام و نشان نہیں ہے جس سے اس کے ساتھ کسی نسبت کا تصور کیا جائے۔

اس بحث کو ہم ایک مثال کے ذریعے واضح کرتے ہیں۔ ایک نقطۂ جوالہ جو اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے دائرہ کی شکل میں متوہم ہوتا ہے حالانکہ اس جگہ موجود صرف ایک نقطہ ہی ہے اور دائرہ کی صورت کا سوائے وہم کے اور کوئی ثبوت نہیں۔ اور جس جگہ نقطہ موجود ہے وہاں دائرۂ موہومہ کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ اس صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نقطہ داخلِ دائرہ ہے، اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ دائرہ سے خارج ہے۔ اور اسی طرح ان دونوں کے درمیان اتصال و انفصال بھی متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ اس مرتبہ میں دائرہ موجود ہی نہیں ہے جس سے اس کی نسبت متصور ہو۔ ثَبِّتِ الْجِدَارَ اَوَّلًا ثُمَّ انْقُشْ (پہلے دیوار ثابت تو پھر اس پر نقش و نگار ہو سکے)۔

سوال: حضرت حق سبحانہٗ نے عالم کے ساتھ اپنے قرب و احاطہ کی نسبت کا خود اثبات فرمایا ہے۔ حالانکہ موجود کو موہوم کے ساتھ کیا نسبتِ قرب اور کونسا احاطہ ہے کیونکہ جہاں موجود ہے وہاں موہوم کا نام و نشان تک نہیں ہے کہ محیط و محاط تصور کیا جائے؟

جواب: یہ قرب و احاطہ ایسا نہیں ہے جو قرب ایک جسم کو دوسرے جسم کے ساتھ ہوتا ہے یا ایک جسم دوسرے جسم کا احاطہ کرتا ہے بلکہ اس قرب و احاطہ کی نسبت مجہول الکیفیت اور معلوم الانیت ہے۔ اور ہم حق سبحانہٗ کے لئے قرب و احاطہ ثابت کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں لیکن اس کی کیفیت کو نہیں جانتے کہ کیسی ہے، بخلاف چاروں نسبتوں (دخول و خروج اور اتصال و انفصال) کے کہ جن کی نفی پہلے ہو چکی ہے چنانچہ وہ مجہول الکیفیت ہے اور غیر معلوم الانیت ہے۔ اور نیز یہ بھی ہے کہ شرع شریف میں اس کی نسبت کا ثبوت نہیں ہے جس کا ہم اثبات کریں اس کی کیفیت کو مجہول جانیں۔ اگرچہ حضرت حق جل سلطانہٗ کی بارگاہ میں اتصالِ بے کیفی کو قرب و احاطۂ بے کیفی کی طرح تجویز کر سکتے ہیں لیکن چونکہ لفظِ اتصال کا اطلاق (شرع شریف میں) نہیں آیا ہے اور قرب و احاطہ آیا ہے، لہٰذا متصل نہیں کہنا چاہئے اور قریب و محیط کہنا چاہئے۔ اور انفصال و خروج اور دخول کا اطلاق بھی اتصال کے اطلاق کی مانند ہے کہ (شرع میں) نہیں آیا۔

اور مثالِ مذکور میں بھی اگر نقطۂ جوالہ کی نسبت کو دائرہ موہومہ کے ساتھ احاطہ قرب و معیت کا اثبات کریں تو وہ بھی مجہول الکیفیت ہوگا کیونکہ نسبت کو دونوں طرف سے چارہ نہیں ہے،

حالانکہ وہاں سوائے ایک نقطۂ جوالہ کے کچھ موجود نہیں، اور اسی طرح مثالِ مذکورہ میں اتصال و انفصال اور خروج و دخولِ بے کیفی متصور ہوتی ہے اگرچہ دونوں طرف کی نسبتیں ثابت نہیں ہوتیں کیونکہ طرفین کا وجود معلوم الکیفیت نسبت کے لئے درکار ہے جیسا کہ وہ متعارف و معتاد ہے، اور جو مجہول الکیفیت ہے وہ عقل کے احاطہ سے باہر ہے۔ اس جگہ وجودِ طرفین کے لزوم کا حکم کرنا احکامِ وہمیہ سے ہوگا جو کہ اعتبار کے مقام سے ساقط ہے، گویا غائب کا حاضر پر قیاس کرنا ہے۔

تنبیہ: عالم کو خاص طور پر موہوم اور متخیل اس لئے کہا گیا ہے کہ عالم کی تخلیق وہم و خیال کے مرتبہ میں واقع ہوئی ہے اور اس کی کاری گری حِس وارائت (دکھاوا) کے درجہ میں حصول سے پیوستہ ہوئی ہے، جس طرح ایک قادر شخص اپنے کمال سے دائرہ موہومہ کو جس کا حصہ اختراع اور وہم و خیال سے زیادہ نہیں لیکن اس کو وہم اور خیال کے مرتبہ میں پیدا کرے اور اپنی کاریگری کے کمال سے اس کو مرتبۂ استحکام و استواری بخشے کہ اگر وہم و خیال بالکل زائل ہو جائے تو بھی اس کے ثبوت میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور اس کی بقا میں کوئی قصور پیدا نہ ہو۔ یہ تخلیق شدہ دائرۂ موہومہ اگرچہ خارج میں کوئی ثبوت نہیں رکھتا اور خارج میں موجود صرف وہی ایک نقطہ ہے اور بس، لیکن وہ وجودِ خارجی کے ساتھ ایک انتساب رکھتا ہے اور اس کو موجودِ خارجی کے ساتھ ایک ارتباط حاصل ہے کیونکہ اگر نقطہ نہ ہوتا تو دائرہ کہاں سے پیدا ہوتا ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں　　گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

(ہے یہی بہتر کہ محبوبوں کا راز　　دوسروں کی بات سے ہو آشکار)

اگر ہم اس دائرہ کو اس نقطہ کا روپوش کہیں تو اس کی گنجائش ہے، اور اگر اس نقطے کے شہود کا آئینہ کہیں تو بھی اس کی گنجائش ہے۔ اور اگر اس نقطہ کے لئے دلیل اور ہادی کہیں تو بھی درست ہے، روپوش کہنا عوام کی نظر کے اعتبار سے ہے اور اس (نقطہ کو) شہود و ظہور کا آئینہ جاننا مقامِ ولایت کے مناسب ہے اور ایمانِ شہودی کے لائق ہے اور دلیل و ہادی کہنا کمالاتِ نبوت کے مرتبہ اور ایمان بالغیب کے مناسب ہے جو ایمانِ شہودی سے اتم و اکمل ہے، کیونکہ شہود میں ظل کی گرفتاری کے بغیر چارہ نہیں اور غیب میں اس گرفتاری سے فارغ ہے۔ غیب میں اگرچہ (سالک کو) بالفعل کچھ حاصل نہیں ہے لیکن واصل ہے اور گرفتار واصل ہے، اور شہود میں اگرچہ کچھ حاصل ہے لیکن غیر واصل ہے کیونکہ

غیر کے ساتھ گرفتار ہے جو کہ اصل کا ظل ہے۔ مختصر یہ کہ حصول نقص ہے اور وصول کمال ہے۔ یہ بات ہر بے سر انجام کی سمجھ سے باہر ہے بلکہ بہت ممکن ہے کہ وہ بے سر انجام حصول کو وصول سے بہتر سمجھے۔

سوفسطائی اپنی ناسمجھی کی وجہ سے عالم کو موہوم اور متخیل اس معنی میں کہتا ہے کہ اس کا ثبوت و تحقق سوائے اختراع وہم اور تراشِ خیال کے اور کچھ نہیں ہے، اگر وہم و خیال تبدیل ہو جائے تو اس کا ثبوت و تحقق بھی متغیر ہو جائے گا۔ مثلاً اگر وہم کے باعث کسی چیز پر شیرینی کا تصور کریں تو وہ شیریں معلوم ہوتی ہے اور اگر اسی چیز کو دوسرے وقت میں تلخ ہونے کا تصور کریں تو وہ کڑوی معلوم ہونے لگتی ہے۔ یہ بدبخت لوگ خدائے جل سلطانہٗ کی خلقت و صنعت سے غافل ہیں بلکہ منکر ہیں اور اس انتساب و استناد کی وجہ سے جو موجودِ خارجی کے وجود کے ساتھ رکھتا ہے جاہل ہیں، لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اپنی نادانی کی وجہ سے ان احکامِ خارجیہ کو جو عالم کے ساتھ وابستہ ہیں رفع کریں اور آخرت کے دائمی عذاب و ثواب کو بھی دفع کر دیں کہ جن کی نسبت مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے اور جن میں تخلف کا کوئی امکان نہیں ہے: اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (مجادلہ آیہ ۱۹ پ ۵۸) (یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں، خبردار کہ شیطان کا گروہ ہی خسارہ پانے والا ہے)۔

**سوال:** عالم کے لئے جب ثبوت و استقرار ثابت ہو گیا اگرچہ وہ وہم و خیال ہی کے درجے میں ہو، اور عذاب و ثواب کا ابدی معاملہ بھی اس کے حق میں ثابت ہو گیا تو پھر اس پر "وجود" کے اطلاق کو کیوں تجویز نہیں کرتے اور اس کو موجود کیوں نہیں سمجھتے جبکہ حال یہ ہے کہ ثبوت و وجود دونوں ایک دوسرے کے ہم معنیٰ ہیں جیسا کہ علمائے متکلمین کے نزدیک مقرر ہے۔

**جواب:** اس جماعت (صوفیہ) کے نزدیک "وجود" تمام اشیاء سے بڑھ کر عالی اشرف، اکرم اور معزز ہے اور اس کو ہر چیز کا مبدأ اور ہر کمال کا منشا جانتے ہیں، اور اس قسم کے نفیس جوہر کو حق جل وعلا کے ماسوا کے لئے جو سراسر نقص و شرارت ہے جائز نہیں سمجھتے اور اشرف کو خسیس کے حوالے نہیں کرتے، اور اس امر میں ان کی دلیل ان کا کشف و فراست ہے۔ اور ان کا مکشوف و محسوس یہ ہے کہ "وجود" صرف حضرت حق سبحانہٗ کے لئے مخصوص ہے اور وہی (حق تعالیٰ) موجود ہے۔ اور اس کے غیر کو موجود اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ اس غیر کی نسبت اور تعلق اگرچہ مجہول الکیفیت ہے لیکن اس وجود کے ساتھ ثابت ہے اور اس ظل کے مانند ہے جو اپنی اصل کے ساتھ قیام رکھتا ہے، اور اسی طرح

وہ غیر بھی اس وجود کے ساتھ قائم ہے اور وہ ثبوت جو کہ اس نے مرتبۂ وہم میں پیدا کیا ہے اسی وجود (حقیقی) کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور چونکہ وہ وجود خارجی ہے اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ خارج میں موجود ہے تو اگر ہم وہم کے درجے کو خداوند جل شانہٗ کی صنعت و استحکام کے بعد اس خارج کے ظلال میں سے ایک ظل کہیں تو اس کی گنجائش ہے، اور اس وہمی ثبوت کو ان دو ظلیت کے اعتبار سے اگر وجودِ خارجی سمجھیں تو بھی جائز ہے بلکہ عالم کو بھی اگر اس ظلیت کے اعتبار سے موجودِ خارجی تصور کریں تو بھی جائز ہے ——— مختصر یہ کہ ممکن جو کچھ بھی رکھتا ہے وہ حضرتِ وجوب تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ سے مستفاد ہے، اپنے باپ کے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہے۔ اس کو ظلیت کے ملاحظہ کے بغیر موجودِ خارجی کہنا دشوار امر ہے اور گویا اس تعالیٰ کے خاص اوصاف میں شریک کرنا ہے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (اللہ تعالیٰ اس قسم کی باتوں سے بہت بلند و برتر ہے)۔

اس فقیر نے اپنے بعض مکتوبات و رسائل میں عالم کو موجودِ خارجی کہا ہے اس کو بھی اسی بیان کی طرف راجع کرنا چاہئے اور ظلیت کے اعتبار پر محمول کرنا چاہئے، اور وجود کو جو متکلمین نے ثبوت و تحقّق کا ہم معنی کہا ہے وہ لغوی معنی کے اعتبار سے ہوگا ورنہ وجود کہاں اور ثبوت کہاں۔ کیونکہ وجود کو اربابِ کشف و شہود اور اہل نظر و استدلال کی ایک بڑی جماعت نے واجب الوجود تعالیٰ کی عین حقیقت کہا ہے اور ثبوت معقولاتِ ثانویہ میں سے ہے، اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

**فائدہ:** جس طرح "وجود" ہر خیر و کمال کا مبدأ ہے اور ہر حُسن و جمال کا منشا ہے اسی طرح "عدم" جو اس کے مدِ مقابل ہے وہ ہر شر و نقص کا مبدا اور ہر برائی و فساد کا منشا ہے۔ اگر وبال ہے تو اسی (عدم) سے ظاہر ہوتا ہے اور اگر گمراہی ہے تو وہ بھی اسی سے پیدا ہے۔ اس سب کے باوجود بہت سے ہنر بھی اس (عدم) کے سپرد کئے گئے ہیں اور بہت سی خوبیاں بھی اس میں پوشیدہ ہیں، (مثلاً) "وجود" کے مقابلے میں اپنے آپ کو مطلق نیست و نابود جاننا اور محض لاشئے گرداننا اس (عدم) کی خوبیوں میں سے ہے اور خود کو "وجود" کی پناہ میں لانا اور تمام برائیوں اور نقائص کو اپنی طرف منسوب کرنا بھی اس کے ہنر کی خوبیوں میں سے ہے اور پھر وجود کا آئینہ ہونا اور اس کے کمالات کا اظہار کرنا اور اسی طرح ان کمالات کو خانۂ علم سے باہر نکال کر ایک دوسرے سے ممتاز کرنا اور اس کو اجمال سے تفصیل میں لانا اس (عدم) کی پسندیدہ صفات میں سے ہے۔

وجود و عدم کا تقابل

مختصر یہ کہ وجود کی خدمت گزاری اسی (عدم) سے قائم ہے اور خاص طور پر وجود کا حسن و جمال اور کمال اس (عدم) کی بُرائی اور شر و نقص سے ظاہر ہے، وجود کا استغنا اسی کے افتقار (محتاجی) کی وجہ سے ہے، اور وجود کی عزت اس کی ذلت کے سبب سے ہے، اور خاص طور پر وجود کی عظمت و کبریائی اس عدم کی کمینگی اور خساست کے واسطہ سے ہے، اور وجود کی شرافت اس (عدم) کی خساست کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، اور وجود کی خواجگی اس کی بندگی کی وجہ سے ظاہر ہوئی ہے ؎

منم کا ستاد را استاد کردم — غلامم خواجہ را آزاد کردم

(کیا استاد کو میں نے استاد — کیا خواجہ کو بندہ بن کے آزاد)

ابلیس لعین جو ہر فساد و گمراہی کا منشا ہے وہ عدم سے بھی زیادہ شریر ہے اور وہ تمام ہنر و خوبیاں جو عدم میں پائی جاتی ہیں یہ بد نصیب ان خوبیوں سے بھی بے بہرہ ہے اور اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ (اعراف آیت ۱۲) (میں اس (آدم) سے بہتر ہوں) یہ جو اس سے صادر ہوا ہے اس نے خیر کے مادہ کو اس سے جدا کر دیا ہے اور وہ صرف شرارت پر دلالت کرتا ہے۔ اور عدم جب اپنی نیستی اور ناچیز ہونے کی صورت میں "وجود" کے سامنے آیا تو لازمی طور پر وہ وجود کے حسن و جمال کا آئینہ دار بن گیا اور چونکہ ابلیس لعین نے اپنی ہستی اور برتری سے اس کا مقابلہ کیا اس لئے لازمی طور پر مردود اور راندہ ہو گیا۔ حسنِ تقابل کو عدم سے سیکھنا چاہئے جو اپنی ہستی کا تقابل نیستی کے ساتھ کرتا ہے اور کمال کے مقابلے میں نقص کو پیش کرتا ہے۔ اور جب عزت و جلال مقابل ہوتی ہے تو وہ اپنی ذلت و انکساری ظاہر کرتا ہے ــــــ ابلیس مردود نے گویا عدم کی شرارتوں کو اپنے تکبر اور سرکشی کی وجہ سے جو وہ اپنے اندر رکھتا تھا جذب کر لیا ہے۔ اور خیال ہے کہ اس نے عدم میں سوائے بھلائی کے کوئی چیز کم ہی چھوڑی ہے۔ اور جب تک (اس کے اندر) خیر نہ ہو گی خیر کا آئینہ اور مظہر نہیں بن سکتا۔ لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَایَاهُ (بادشاہوں کی بخششوں کو بادشاہ کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں) مثل مشہور ہے۔

تعیینِ ابلیس

اور معلوم ہوا کہ ابلیس بھی اس کارخانۂ عالی میں ضرور ہونا چاہئے تھا تاکہ خاک روبی کر کے سب کوڑا کرکٹ اپنے اوپر لے اور اس طرح دوسروں کو پاک و صاف کر دے، لیکن چونکہ وہ بدبخت غرور اور تکبر میں پڑ گیا اور اپنی اچھائی کو نظر میں لایا اس لئے اس نے اپنے عمل کو ضائع کر دیا اور

اجر سے محروم ہو گیا۔ درحقیقت خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ (حج آیت ۱۱) (وہ دنیا اور آخرت کے خسارہ میں رہا)
اسی ابلیس مردود کے حال کا نشان ہے۔ بخلاف عدم کے کہ وہ باوجود شرارت ونقصِ ذاتی اور نیستیٔ ذاتی کے جو اس میں موجود تھی خود کو حرمان سے نکال کر حضرتِ وجود کا آئینہ بننے سے مشرف ہوا۔

نے گفت کہ من نیم شکر خورد شاخے کہ بلند شد تبر خورد
(نے نے کی اپنی نفی، کھائی شکر شاخ جب اونچی ہوئی، کھائی تبر)

**سوال:** ابلیس لعین میں کثرتِ شرارت کہاں سے پیدا ہوئی؟ کیونکہ عدم کے علاوہ "وجود" ہی ہے کہ جس کی طرف شرارت نے راہ نہیں پائی۔

**جواب:** عدم جس طرح "وجود" کا آئینہ اور اس کے خیر و کمال کا مظہر ہے اسی طرح "وجود" بھی عدم کا آئینہ اور اس کے شر و نقص کا مظہر ہے۔ ابلیس علیہ اللعنۃ نے عدم کی جانب میں عدم ہی سے شرارت کو لے لیا کیونکہ وہ (عدم) شر کا مقام ہے، اور وجود کی جانب میں اس نے شرارتِ متوہمہ کو اخذ کیا جو کہ عدم کا مظہر اور آئینہ ہونے کی وجہ سے وجود کے آئینے میں ظاہر ہوا ہے لہذا وہ دونوں طرف کی شرارتوں کا حامل ہو گیا، ذاتی کا بھی اور عرضی کا بھی، اصلی کا بھی اور ظلی کا بھی۔ لہذا لازمی طور پر اس کے شرارت نما وجود کو مالیخولیائے نیستی اور ناچیز ہونے کی وجہ سے جو کہ عدم کی نیک صفات میں سے تھیں محروم کر دیا اور اسی طرح وجود کی جانب میں بھی وہ شرارت جو عدم کے آئینہ بننے سے متوہم ہوئی تھی وہ بھی اس کے نصیب میں آ گئی اس لئے ابدی نقصان اور برائی کو پہنچ گیا ـــــــ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران آیت ۸) (اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ہدایت فرمانے کے بعد کجی سے بچائیو اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بیشک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے ـــــــ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَعَلٰی مَنِ الْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔

(اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفٰی علیہ وعلٰی آلہ الصلوات و التسلیمات اتمہا و اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)۔

❖

# مکتوب ۹۹
نود و نہم

میر محمد نعمان[1] کی طرف ان سوالوں کے جواب میں جو انھوں نے کئے تھے صادر فرمایا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— آپ نے دریافت کیا تھا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالک عروج کے وقت میں اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے اصحاب کے مقامات میں پاتا ہے جو کہ اجماع کے لحاظ سے اس سے افضل ہیں۔ بلکہ بسا اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے مقامات میں پاتا ہے۔ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟ بعض لوگ ایسی باتوں سے اس سالک کو ان مقامات کے اہل حضرات کی برابری کا وہم کرتے ہیں اور ان مقامات میں اس کی باریابی کی وجہ سے ان مقامات والوں کے ساتھ اس کو شریک خیال کرتے ہیں، اور اس وہم وخیال کی بنا پر اس کارد وطعن کرتے ہیں اور اس کے حق میں ملامت وشکایت کی زبان دراز کرتے ہیں۔ اس معمہ کے چہرے سے پردہ اٹھانا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض ادنیٰ درجے کے لوگوں کا بلند مرتبہ حضرات کے مقامات میں پہنچنا کبھی فقراء اور محتاجوں کی قسم سے ہوتا ہے کہ وہ صاحب دولت اور ارباب نعم کے دروازوں پر باریابی حاصل کرکے ان سے اپنی حاجت طلب کریں اور ان کی دولت اور نعمتوں سے بھیک مانگیں۔ یہ بات دور از کار ہے کہ اس طرح کی باریابی کو برابری اور شرکت سمجھا جائے ——— اور کبھی یہ باریابی محض تماشے کے طور پر ہوتی ہے تاکہ کسی واسطہ اور وسیلہ سے امراء و سلاطین کے خاص مقامات کی سیر کریں اور ان مقامات کو تماشا اور عبرت کے اعتبار سے دیکھیں تاکہ بلندی کی رغبت پیدا ہو، تو ایسے وصول وباریابی سے بھی برابری کے وہم کی کیا گنجائش ہے، اور اس سیرو تماشے سے شرکت کا تخیل کس طرح متصور ہو سکتا ہے ——— خادموں کا اپنے مخدوموں کے خاص مقامات میں اس غرض سے جانا کہ خدمت گاری کے حقوق بجا لائیں (یہ بات) وضع و

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر درج ہے

شریف (کمینہ وبزرگ) سب کو معلوم ہے، وہ بے وقوف ہی ہوگا جو اس باریابی سے برابری اور شرکت کا وہم کرے۔ کیونکہ ہر فراش (فرش بچھانے والا) اور مگس راں (مکھیاں اڑانے والا) اور شمشیر بردار بڑے بڑے بادشاہوں کے ساتھ رہتے ہیں اور ان کے خاص مقامات میں حاضر ہوتے ہیں۔ بہت ہی جنونی ہوگا جو اس مقام پر شرکت اور مساوات کا وہم کرے۔ ع

بلائے دردمنداں از در و دیوار می آید (دردمندوں پہ تو دیوار سے آتی ہے بلا)

لوگ کسی غریب (سالک) کو ملامت کرنے کے لئے بہانہ ڈھونڈتے ہیں اور اس کی طعن و تشنیع کے لئے کوئی جگہ تلاش کرتے ہیں۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کو انصاف دے، چاہئے تو یہ تھا کہ کسی ضعیف کے حق میں شر اور بدی کو دور کرنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کرتے اور ایک مسلمان کی عزت کی حفاظت کی کوشش کرتے۔ جو لوگ طعن و تشنیع کرتے ہیں ان کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں، اگر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس حال والا ان بلند مقام والے لوگوں کے ساتھ شرکت و مساوات کا معتقد ہے تو اس کو کافر و زندیق تصور کریں اور اہلِ اسلام کے زمرے سے نکال دیں کیونکہ نبوت میں شرکت اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مساوات کفر ہے۔

اور اسی طرح شیخین علیہم الرضوان کی افضلیت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہے جیسا کہ نقل کیا گیا ہے، اور ان اکابر ائمہ میں سے ایک امام شافعی علیہم الرضوان ہیں، بلکہ تمام صحابۂ کرامؓ کو باقی امت پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ کوئی فضیلت حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت کی فضیلت کے برابر نہیں ہوسکتی۔ وہ تھوڑا سا کام جو صحابہ علیہم الرضوان نے ضعفِ اسلام اور مسلمانوں کی کمی کے وقت میں دین متین کی تائید کے لئے اور سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی نصرت کے لئے صادر ہوا ہے اگر دوسرے لوگ تمام عمر ریاضات و مجاہدات کے ساتھ طاعتوں میں گذاریں تو بھی صحابۂ کرامؓ کے اس تھوڑے سے کام کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ اسی لئے آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو اس کا یہ خرچ صحابہؓ کے ایک مُد (ایک سیر تخمیناً) کے برابر نہیں ہوسکتا بلکہ نصف مد کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت اسی وجہ سے ہے کہ آپ ایمان لانے اور خدمات لائقہ میں اپنی جان دینے اور بے اندازہ مال خرچ کرنے میں سابقوں میں بھی اسبق ہیں چنانچہ

ان کی شان میں یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی (حدید آیت ۱۰) (تم میں سے وہ لوگ جنھوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (راہ خدا میں) خرچ کیا اور قتال کیا (وہ دوسروں کے) برابر نہیں ہیں (بلکہ) وہ درجے میں ان لوگوں سے بہت بلند ہیں جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور قتال کیا، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے سب ہی سے اچھے (اجر کا) وعدہ کیا ہے)۔

ایک جماعت نے دوسروں کے فضائل ومناقب کی کثرت پر نظر ڈال کر آپ (صدیق اکبرؓ) کی افضلیت میں توقف کیا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ اگر افضلیت کا سبب فضائل ومناقب کی کثرت ہوتا تو بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ امت کے عوام اپنے نبی کے مقابلے میں بہت زیادہ فضائل رکھتے ہیں جو نبی بھی نہیں رکھتے، لہذا افضلیت کا سبب دوسری چیز ہے جو فضائل ومناقب سے بالا ہے۔ اور وہ اس فقیر کے نزدیک دین کی تائید میں پہل کرنا اور مال وجان خرچ کرنے میں پیش پیش و سبقت کرنا اور رب العالمین کے دین کے احکام کی نصرت میں ہے اور چونکہ پیغمبر سب سے اسبق ہیں لہذا وہ سب سے افضل ہیں، اور اسی طرح جو شخص بھی اس کام (تائید دین) میں اسبق ہے وہ دوسرے مسبوقین سے افضل ہے گویا کہ دین کے کام میں سابق ہونا متاخرین کے استاد و معلم کی طرح ہے۔ کیونکہ متاخرین سابقین کے انوار سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور ان کی برکات سے استفادہ کرتے ہیں ـــــ

اور اس امت میں ہمارے نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس دولتِ عظمیٰ کے مالک حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں جنھوں نے اپنے اموالِ کثیرہ خرچ کرنے میں اور کفار کے ساتھ شدید مقابلہ ومغالطہ کرنے میں اور اپنی عزت وجاہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حضرت سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ دین کی تائید میں تمام سابقین سے اسبق ہیں اس لئے ان کی افضلیت دوسروں پر مسلم ہوئی ـــــ اور چونکہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے عزت اور غلبۂ اسلام کے لئے حضرت فاروقؓ کی دوستی (مدد) طلب کی تھی اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کی مدد کے لئے عالمِ اسباب میں بھی ان (حضرت فاروقؓ) کو کفایت فرمایا ہے۔ اور فرمایا یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (انفال آیت ۶۴) (اے نبی! تم کو اللہ تعالیٰ اور ایمان والوں میں سے تمہارے تابعدار کافی ہیں) ـــــ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے

کہ اس آیت کے نزول کا سبب حضرت فاروقؓ کا اسلام ہے، اس لئے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ان (حضرت فاروقؓ) کی افضلیت متعین ہو گئی لہذا اصحابہ اور تابعین کا اجماع ان دونوں اکابر کی افضلیت پر منعقد ہو گیا جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے ——— اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی فرمایا ہے: کہ ابوبکرؓ و عمرؓ اس امت کے افضل ہیں جو کوئی مجھ کو ان پر فضیلت دے وہ مفتری (بہتان لگانے والا) ہے میں اس کو تازیانہ لگاؤں گا جیسا کہ مفتری کی سزا ہے۔ اس بحث کی تحقیق (میں نے) اپنے مکتوبات اور رسائل میں تفصیل کے ساتھ لکھ دی ہے۔ اس مقام پر اس سے زیادہ گنجائش نہیں۔

وہ بہت بے وقوف ہے جو اپنے آپ کو اصحابِ خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے برابر ٹھہرائے، اور وہ بہت ہی جاہل ہے احادیث اور اقوالِ صحابہ سے جو اپنے آپ کو سابقین میں سے تصور کرے۔ لیکن جاننا چاہیئے کہ یہ سبقت کی دولت جو افضلیت کا باعث ہے وہ قرنِ اول کے ساتھ مخصوص ہے کہ وہ حضرات صحبتِ خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے شرف سے مشرف ہیں۔ دوسرے قرنوں میں یہ معنی مفقود ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بعض زمانے کے متاخرین دوسرے زمانے کے سابقین سے افضل ہوں۔ بلکہ ایک ہی زمانے میں یہ بھی جائز ہے کہ اس زمانے کا لاحق سابق سے افضل ہو۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ طعن کرنے والوں کو بینائی عطا فرمائے کہ ان کو محض وہم و خیال کی وجہ سے مسلمانوں پر تکفیر کی قباحت اور محض تعصب و کجروی کی بنا پر مؤمنوں کو مردود و مطرود قرار دینے کی برائی نظر آ جائے۔

——— اور اس کا کیا علاج ہے کہ اگر وہ شخص قابلِ تکفیر اور تذلیل نہ ہو تو وہ کفر اور ضلال (کا فتویٰ) کہنے والوں کی طرف واپس لوٹ آتا ہے اور تہمت زدہ کی طرف سے پلٹ کر تہمت لگانے والے پر پیوست ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (آل عمران[۳] آیت[۱۴۷]) (اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کاموں میں جو ہم سے زیادتیاں ہوئی ہیں ان کو بھی بخش دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہماری مدد فرما)۔

اب ہم اصل بات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دوسری شق بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اس حال والے کے حق میں طعن کرنے والے لوگ یہ اعتقاد نہیں رکھتے اور اس کے معاملہ کو کفر تک نہیں پہنچاتے تب بھی یہ معاملہ دو حال سے خالی نہیں ——— اگر[۱] اس کے کشف کو کذب اور

بہتان پر محمول کرتے ہیں تو یہ خود ایک مسلمان کی نسبت بدگمانی ہے جو شرعی طور پر ممنوع ہے۔
اور اگر وہ اس کو کاذب نہیں جانتے اور اس کو (صحابۂ کرام کے درجے میں) شرکت و مساوات کا اعتقاد نہیں رکھتے تو پھر طعن و ملامت کی کیا وجہ ہے اور اس کو بُرا بھلا کہنا اور عیب جوئی کرنا کس لئے ہے۔
——— سچے کشف کو نیک معنی پر محمول کرنا چاہیئے نہ یہ کہ سچے کشف والے کو تشنیع و ملامت کا نشانہ بنایا جائے۔

اگر کہیں کہ اس قسم کے شورانگیز حال کے اظہار کی کیا وجہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس قسم کے احوال کا ظہور مشائخِ طریقت سے بکثرت ہوا ہے اور یہ ان کی دائمی عادت بن گئی ہے لَیْسَ ھٰذَا اَوَّلَ قَارُوْرَۃٍ کُسِرَتْ فِی الْاِسْلَامِ (یہ پہلا شیشہ نہیں ہے جو اسلام میں توڑا گیا)۔ یہ سچی نیت اور ارادۂ صادقہ کے بغیر نہ ہوگا ——— کبھی اس قسم کے احوال تحریر میں لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے شیخِ طریقت کے سامنے اپنے احوال موہوبہ کا اظہار ہو تاکہ وہ (شیخ) اس کی صحت و سقم کی تصحیح فرمائے اور اس کی تعبیر و تاویل پر اطلاع بخشے ——— اور کبھی ایسی تحریر کا مقصد طالبوں اور شاگردوں کو اس کی ترغیب و تحریص دِلانا ہوتا ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا مقصود نہ یہ ہوتا ہے نہ وہ۔ بلکہ محض سکر و غلبۂ حال کی بِنا پر اس قسم کی باتیں (زبان سے بے اختیار) نکل جاتی ہیں تاکہ وہ آرام کا سانس لے اور اپنے نفس کی اصلاح کرے ——— اور ایسا مدعی دروغ گو ہے جس کا مقصود اس قسم کے احوال کے اظہار سے شہرت حاصل کرنا اور مخلوق میں مقبول ہونا ہو، یہ احوال اس کے لئے وبالِ جان اور استدراج ہیں جو اس کی خرابی کے متضمن ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ (آلِ عمران آیت ۸) (اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت فرمانے کے بعد کجی سے بچائیو اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بیشک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے) ——— وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (یوسف آیت ۵۳) (میں اپنے نفس کی براءت (پاکی ظاہر) نہیں کرتا، بیشک نفس تو بُری باتوں کا حکم ہی دیتا ہے مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے۔ یقیناً میرا رب بڑا بخشنے والا بہت ہی رحیم ہے)۔

(سوال) آپ نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات

اور اولیاء علیہم الرضوان دنیا میں بلا و مصائب میں مبتلا رہتے ہیں اور زیادہ تر بلیات و تکالیف میں گرفتار رہتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے: اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَوْلِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ (لوگوں میں سب سے زیادہ اور سخت مصائب انبیاءؑ پر ہوتے ہیں پھر اولیاء پر پھر ان پر جو لوگوں میں اچھے ہوں پھر درجہ بدرجہ نیک لوگوں پر) ——— اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنی کتاب (قرآن مجید) میں فرماتا ہے: وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (شوریٰ ۴۲ آیت ۳۰) (اور تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب سے ہوتی ہے) ——— اس آیہ کریمہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو کوئی زیادہ گناہ کرتا ہے وہی زیادہ مصیبتوں کا مورد ہوتا ہے۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ غیر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور غیر اولیاء علیہم الرضوان زیادہ مصیبت اور بلا میں گرفتار ہوں نہ کہ اولاً انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور ثانیاً اولیائے کرام ——— اور پھر یہ بزرگواران علیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات اصالتاً اور تبعاً حق جل وعلا کے محبوب ہیں اور اس تعالیٰ کے خاص مقربین ہیں، تو پھر ان محبوبین اور مقربین خاص کو بلیات و مصائب میں ڈالنا کس لئے ہے اور تکلیف دینا کیوں درست ہے، اور دشمنوں کو ناز و نعمت میں رکھنا اور دوستوں کو مصائب و شدائد میں مبتلا رکھنا کیوں ہے؟

(جواب) اللہ تعالیٰ آپ کو سعادتمند کرے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرمائے۔ جاننا چاہئے کہ دنیا نعمت اور لذتوں کے حصول کی جگہ نہیں ہے بلکہ آخرت ہی ہے جس میں (حقیقی) نعمتیں اور لذتیں مہیا کی گئی ہیں۔ چونکہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد اور نقیض (مخالف) ہیں اس لئے ایک کی رضامندی دوسرے کی ناراضگی کا باعث ہے لہذا ایک میں لذت پانا دوسری میں درد و مصیبت کو مستلزم ہے۔ اسی لئے جو کوئی دنیا میں زیادہ لذت پانے والا اور ناز و نعمت والا ہوگا وہ آخرت میں زیادہ رنجیدہ اور شرمندہ ہوگا اور جو شخص دنیا میں مصائب و تکالیف میں مبتلا رہے گا وہ آخرت میں زیادہ نعمتوں اور لذتوں سے بہرہ مند اور مسرور ہوگا ——— کاش دنیا کی بقا کو آخرت کی بقا کے مقابلے میں ایسی نسبت ہوتی جو ایک قطرہ کو دریائے محیط کے سامنے ہے۔ متناہی کو لامتناہی کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ لہذا لازمی طور پر (خداوند تعالیٰ کے) فضل و کرم کے تقاضے کی وجہ سے دوستوں کو اس چند روزہ دنیا میں مشقت اور تکالیف میں مبتلا کر دیا جاتا ہے تاکہ ابدی نعمتوں سے بہرہ مند ہو کر حظ و سرور حاصل

کر سکیں، اور دشمنوں کو ان کے مکر واستدراج کی وجہ سے تھوڑی سی لذت سے خوش کر دیا تاکہ وہ (آخرت میں) بہت زیادہ رنج وغم میں مبتلا رہیں۔

سوال: جو فقیر ومفلس کافر دنیا اور آخرت (دونوں جگہ عیش وآرام سے) محروم رہا، اس کا دنیا میں درد والم میں رہنا آخرت میں لذت وآرام کا باعث نہ ہوا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ کافر خدائے جل سلطانہٗ کا دشمن ہے اور دائمی عذاب کا مستحق ہے دنیا میں اس سے عذاب کا دور رکھنا اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دینا اس کے حق میں یہی عین نعمت اور لذت ہے اور بڑا احسان ہے لہذا (حدیث شریف میں) نفسِ دنیا ہی کو کافر کے حق میں جنت کا اطلاق دیا گیا ہے —— خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بعض کفار سے دنیا میں بھی عذاب اٹھا لیا جاتا ہے اور دوسری لذتیں بھی دیدی جاتی ہیں۔ اور بعض کافروں سے صرف عذاب اٹھا لیا جاتا ہے اور لذتوں میں سے کچھ نہیں دیتے بلکہ مہلت کی لذت اور رفعِ عذاب پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ ہر ایک کے لئے کچھ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔

سوال: حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی طاقت رکھتا ہے کہ دوستوں کو دنیا میں بھی لذتیں بخشے اور آخرت میں بھی نعمتیں عطا فرمائے (جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام) اور ایک جگہ کی لذت یابی دوسری جگہ کے درد والم کے لئے مستلزم نہ ہو۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں: ایک[1] یہ کہ (اللہ تعالیٰ کے دوست) اگر دنیا میں چند روز تکالیف ومصائب برداشت نہ کریں تو دائمی لذتوں اور نعمتوں کی قدر وقیمت کا اندازہ نہ ہو گا، اور صحت وعافیت کی نعمت کو جیسا کہ اس کا حق ہے نہیں سمجھ سکیں گے۔ چنانچہ جبتک بھوک نہ معلوم ہو طعام کی لذت حاصل نہیں ہوتی، اور جبتک گرفتارِ مشاغل نہ ہوں فراغت وآرام کی قدر معلوم نہیں ہوتی۔ لہذا وقتی طور پر تکلیف ومشقت میں مبتلا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ان کو دائمی ناز ونعمت کامل طور پر حاصل ہوں۔ یہ ایک جمال ہے جو عوام کے امتحان کے لئے جلال کی صورت میں ان بزرگوں کے حق میں ظاہر ہوا ہے، يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (بقرہ آیت ۲۶) (اس سے بہت لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور بہت لوگوں کو (اللہ تعالیٰ) ہدایت دیدیتا ہے)

جواب دوم[2]: یہ کہ اگرچہ یہ مصیبتیں اور تکالیف عوام کے نزدیک رنج ومحن میں سے ہیں لیکن ان بزرگوں کے نزدیک جو کچھ جمیلِ مطلق جل شانہٗ کی جانب سے پہنچتا ہے ان کے لئے لذت کا باعث ہوتا ہے۔ وہ بلاؤں سے بھی ویسی ہی لذت حاصل کرتے ہیں جیسی کہ نعمتوں سے، بلکہ مصائب میں

زیادہ محظوظ ہوتے ہیں کیونکہ وہ محبوب (حق سبحانہٗ) کی خالص مراد ہے، اور نعمتوں میں یہ خلوص نہیں ہے کیونکہ نفس بھی ان نعمتوں کا خواہاں ہے اور بلاؤں سے گریز کرتا ہے لہٰذا ان اکابرین کے نزدیک بلا اور کلفت، نعمت سے بہتر ہے اور وہ نعمت کے مقابلے میں بلاؤں سے زیادہ لذت حاصل کرتے ہیں، اگر ان کو دنیا کی کسی چیز میں لذت حاصل ہوتی ہے تو انہی مصائب اور بلیات میں ہوتی ہے۔ اگر دنیا یہ نمک نہ رکھتی تو وہ اس دنیا کو ایک جو کی برابر بھی نہ خریدتے، اور اگر اس میں یہ (مصائب کی) حلاوت نہ ہوتی تو یہ دنیا ان کی نظر میں عبث ہوتی۔ ؎

غرض از عشقِ تو ام چاشنیٔ درد و غم است　　ورنہ زیرِ فلک اسبابِ تنعم چہ کم است

(درد و غم کی چاشنی حاصل ہے تیرے عشق سے　　ورنہ دنیا میں کہاں حاصل نہیں اسبابِ عیش)

پس حقیقت میں حق تعالیٰ کے دوست دنیا میں بھی لذت یاب ہیں اور آخرت میں بھی محظوظ و مسرور ہیں اور ان کی یہ دنیاوی لذت اور آخرت کی لذت میں کوئی جنگ یا تضاد نہیں ہے۔ وہ لذت دوسری ہے جو آخرت کی لذت کے ساتھ جنگ رکھتی ہے وہ صرف عوام کو حاصل ہے ــــــ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیا ہے کہ جو کچھ دوسروں کے لئے رنج اور تکلیف کا باعث ہے وہ ان (بزرگوں) کے لئے لذت کا سبب ہے، اور جو دوسروں کے لئے زحمت ہے وہ ان بزرگوں کے نزدیک رحمت ہے اور دوسروں کی نعمت بھی ان کی نعمت ہے۔ عام لوگ خوشی میں خوش اور غمی میں مغموم ہوتے ہیں لیکن یہ بزرگوار خوشی میں بھی خوش اور غم میں بھی شاداں رہتے ہیں، کیونکہ ان بزرگوں کی نظر اچھے اور برے کاموں کی خصوصیات سے ہٹ کر ان افعال کے حقیقی فاعل پر لگی ہوئی ہے جو کہ جمیل مطلق ہے، اور فاعلِ حقیقی کی محبت کی وجہ سے اس کے تمام کام بھی محبوب ہو کر لذت بخش ہو گئے ہیں۔ جو کچھ بھی کائنات میں فاعل جمیل جل سلطانہٗ کے ارادہ کے مطابق صادر ہوتا ہے اگرچہ وہ ان کے لئے تکلیف اور نقصان ہی کا باعث ہو ان بزرگوں کے لئے عین مراد و محبوب ہے اور ان کی لذت کا سبب ہے ــــــــــ

خداوندا! یہ کتنا بڑا احسان اور کرامت ہے کہ تو نے ایسی پوشیدہ دولت اور خوش گوار نعمت کو غیروں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھ کر اپنے دوستوں کو عطا فرمائی ہے اور ہمیشہ ان کو اپنی مراد پر قائم رکھ کر بہرہ مند اور لذت یاب کیا ہے، اور ناپسندیدہ درد و غم جو دوسروں کا حصہ ہے وہ تو نے اپنے دوستوں سے زائل کر دیا ہے اور ننگ و رسوائی جو دوسروں کے لئے عیب ہے اس بزرگ جماعت کے لئے

جمال و کمال بنا کر عین نامرادی میں بھی ان کی مراد رکھ دی ہے، اور ان کی اس دنیاوی لذت و سرور کو دوسروں کے برخلاف ان کے لئے آخرت کے حظوظ اور ترقیوں کا سبب بنا دیا ہے: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ ۶۲ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)۔

**جواب سوم** یہ ہے کہ دنیا امتحان کی جگہ ہے جہاں (بظاہر) حق، باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اہلِ حق بھی اہلِ باطل کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ اگر دوستوں کو بلا و مشقت نہ دیں اور دشمنوں کو دیں تو دوست دشمن سے متمیز ہو جاتا ہے اور امتحان و آزمائش کی حکمت ہی باطل ہو جاتی ہے، اور یہ بات ایمان بالغیب کے منافی ہے کیونکہ دنیاوی اور اخروی سعادتیں اسی ایمان بالغیب کے ضمن میں پوشیدہ ہیں اور آیۂ کریمہ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (بقرہ ۲ آیت ۳) (وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں)۔ ——— اور آیۂ کریمہ بھی وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (حدید ۵۷ آیت ۲۵) (تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ کون بن دیکھے اس کی اور اس کے رسول کی مدد کرتا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست قوت والا ہے) اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہیں ——— لہٰذا دشمنوں کی آنکھ میں خاک جھونک کر دوستوں کو بھی بظاہر رنج و غم میں مبتلا کر دیا تاکہ ابتلا و آزمائش کی حکمت پوری ہو جائے اور دوست عین مصیبت میں لذت حاصل کریں اور دشمنانِ کور باطن بے بہرہ اور خسارہ میں رہیں: يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (بقرہ ۲ آیت ۲۶) (اس مثال سے اللہ تعالیٰ بہت لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت لوگوں کو ہدایت دیتا ہے)

——— انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا کفار کے ساتھ یہی معاملہ رہا ہے کہ کبھی غلبہ اور فتح اِس جانب رہی اور کبھی اُس جانب، (جیسا کہ) جنگِ بدر میں فتح اہلِ اسلام کی طرف تھی اور جنگِ اُحد میں اہلِ کفر کا غلبہ ظاہر ہوا۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران ۳ آیت ۱۴۰ و ۱۴۱) (اگر تم کو زخم پہنچا ہے تو ان (مخالفین) کو بھی اسی کے مانند زخم پہنچ چکا ہے اور یہ ایام (حوادث) ہم لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں بعض کو شہادت نصیب کرے۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا اور تاکہ ایمان والوں کو پاک صاف کرے اور کافروں کو مٹا دے)۔

جواب چہارم یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اگرچہ ہر چیز پر قادر ہے اور قدرت رکھتا ہے کہ دوستوں کو اس جگہ (دنیا میں بھی) ناز و نعمت عطا فرمائے اور وہاں (آخرت میں) بھی۔ لیکن یہ بات اس کی حکمت اور عادت کے منافی ہے، اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اپنی قدرت کو اپنی حکمت و عادت میں پوشیدہ رکھے اور اسباب و علل کو اپنی جنابِ قدس کا پردہ بنائے۔ چونکہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد ہیں، لہذا دوستوں کے لئے بھی مصائب و شدائد کے بغیر چارہ نہیں تاکہ آخرت کی نعمتیں صرف ان ہی کے لئے خوشگوار اور پسندیدہ ہوں۔ اس رمز کے معنی ہمارے اصل سوال کے جواب میں پہلے گزر چکے ہیں۔

اب ہم اصل بات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اصل سوال کے جواب کا تتمہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگرچہ بلاؤ مصیبت کا وارد ہونا گناہوں اور برائیوں کی وجہ سے ہے لیکن وہ بلاؤ مصیبت حقیقت میں گناہوں کا کفارہ ہیں اور ان گناہوں کے ظلمات کو دور کرنے والے ہیں لہذا اس (حق تعالیٰ) کا کرم یہی ہے کہ دوستوں کو زیادہ سے زیادہ بلاؤ مصیبت میں مبتلا کرے تاکہ وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں اور ان کی برائیوں کی تاریکیاں دور ہو جائیں — (واضح ہو) دوستوں کے گناہوں اور برائیوں کو دشمنوں کے گناہوں اور برائیوں کے مانند خیال نہ کریں: حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے گناہوں جیسی ہوتی ہیں) آپ نے سنا ہو گا۔ اگر ان سے کوئی گناہ یا نافرمانی سرزد بھی ہو جائے تو دوسروں کے گناہ اور برائیوں کی طرح نہیں ہوتیں بالکل ممکن ہے کہ وہ سہو و نسیان کی وجہ سے ہوں اور اس میں ارادہ و کوشش کا کوئی دخل نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ آیہ ۱۱۵)
(اور بیشک ہم نے اس سے پہلے آدمؑ سے عہد لیا تھا لیکن وہ اس کو بھول گیا اور ہم نے اس میں نافرمانی کا عزم نہ پایا)۔
———— لہذا بلا و مصائب کا کثرت سے وارد ہونا، گناہوں کے کفارہ کی کثرت پر دلالت کرتا ہے نہ کہ گناہوں کی کثرت پر۔ دوستوں کو زیادہ درد و الم اس لئے دیتے ہیں تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو کر ان کو پاک و پاکیزہ کر کے لے جائیں اور آخرت کی مصائب و تکالیف سے محفوظ رکھیں۔

منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سکراتِ موت کے وقت جب حضرت فاطمہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بیقراری و بے چینی دیکھی تو حضرت فاطمہؓ

زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی جن کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا تھا اَلْفَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِّنِّیْ (فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے) کمالِ محبت و شفقت کی بنا پر جوان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھی نہایت بے چین و بیقرار ہو گئیں جب آپؐ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بے چینی و بے قراری مشاہدہ فرمائی تو ان کی تسلی و تسکین کے لئے فرمایا کہ "تمہارے باپ کے لئے صرف یہی ایک تکلیف ہے اس کے بعد کوئی تکلیف واقع نہ ہوگی" ـــــــ یہ کتنی بڑی دولت ہے کہ شدید اور دائمی عذاب کو چند روزہ تکلیف کے عوض دور کر دیا جائے۔ ایسا معاملہ بھی دوستوں کے ساتھ کیا جاتا ہے دوسروں کے ساتھ نہیں کیا جاتا۔ اور اُن کے گناہوں کا کفارہ یہاں (دنیا میں) نہیں ہوتا بلکہ آخرت میں ان کا بدلہ دیں گے۔ لہٰذا لازمی طور پر دوست ہی دنیاوی مصیبتوں کے زیادہ سزاوار ہیں اور دوسرے لوگ اس دولت کے لائق نہیں، کیونکہ وہ گناہ کبیرہ رکھتے ہیں اور التجا، تضرع، استغفار اور انکساری سے بہت کم حصہ رکھتے ہیں اور گناہ کرنے پر دلیر ہیں، اور قصداً اور کوشش کے ساتھ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور سرکشی سے بھی باز نہیں آتے، اور قریب ہے کہ خدا وند جل شانہ کی آیات کے ساتھ تمسخر اور انکار کریں۔ چونکہ سزا گناہ کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے، اگر گناہ معمولی اور خفیف ہے اور گناہ کرنے والا التجا و گریہ وزاری کرتا ہے تو اس گناہ کا کفارہ دنیاوی بلا و مصیبت سے ہو جاتا ہے۔ اور اگر گناہ کبیرہ اور سخت ہے اور گناہ کرنے والا سرکش و منکر ہے تو وہ گناہ آخرت کی جزا کے لائق ہو جاتا ہے جو (گناہ کے مطابق) بہت زیادہ شدید اور دائمی ہے: وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (نحل آیت ۳۳)[16] (اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے خود ہی اپنے نفسوں پر ظلم کیا)۔

آپ نے لکھا تھا کہ لوگ تمسخر اور مذاق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے دوستوں کو بلا و مصیبت میں کیوں مبتلا کرتا ہے اور ان کو دائمی ناز و نعمت میں کیوں نہیں رکھتا اور اس قسم کی گفتگو سے اس جماعت (صوفیہ) کی نفی کا ارادہ کرتے ہیں (جواب) کفار بھی آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں اس قسم کی باتیں کرتے تھے: وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا (فرقان آیت ۲۵) (اور انھوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اس پر ایک فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا جاتا جو اس کے ساتھ ڈرانے والا ہو، یا اس کو خزانہ دیا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہی ہوتا جس سے وہ کھاتا)۔

ایسی باتیں وہی کرتا ہے جو آخرت کا منکر اور عذاب و ثوابِ دائمی سے انکار کرے۔
نیز یہ کہ اس کا دارومدار فانی دنیا کی لذات کے اہتمام اور اعتبار پر ہے۔ جو شخص کہ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے عذاب و ثواب کو دائمی جانتا ہے اس کو یہ دنیاوی چند روزہ بلاؤ مصیبت ہیچ نظر آتی ہیں بلکہ اس وقتی مصیبت کو جو ابدی راحت کا سبب ہے وہ عین راحت تصور کرتا ہے، اور لوگوں کی باتوں پر دھیان نہیں دیتا۔ مصیبت اور بلا کا وارد ہونا محبت کا معتبر گواہ ہے۔ کور باطن اگر اس کو محبت کے منافی تصور کرتے ہیں تو کیا کیا جائے، ان بے وقوفوں کی باتوں سے منہ پھیر لینے کے علاوہ اور کوئی حل نہیں۔ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا (معارج آیت ۵) پس صبر کر بہت اچھا صبر)
اصل سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ مصیبت محبوب کا تازیانہ ہے جس کے ذریعے محب کو اپنے محبوب کے ماسوٰی کی التفات سے ہٹاکر پوری طرح محبوب کی جنابِ قدس کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ لہٰذا اس درد و بلا کے شایاں دوست ہی ہیں اور یہ بلا و مصیبت اس برائی کا کفارہ ہے کہ ان کی توجہ ماسوی کی طرف رہی اور دوسرے لوگ اس دولت کے لائق نہیں اور ان کو زبردستی محبوب کی طرف کیوں لائیں ——— وہ جس کو چاہتے ہیں زبردستی محبوب کی طرف لے آتے ہیں اور اس کو محبوبیت سے سرفراز فرما دیتے ہیں اور جس کو نہیں چاہتے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر (کوئی) سعادتِ ابدی رکھتا ہے تو انابت (رجوع الی اللہ) کی راہ سے ہاتھ پیر مار کر فضل و عنایت کی بدولت مقصد حاصل کر لیتا ہے ورنہ وہ جانے اور اس کا کام: اَللّٰھُمَّ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ (اے اللہ! مجھکو آنکھ جھپکنے کی مقدار بھی میرے نفس کے سپرد نہ کرنا)۔
پس معلوم ہوا کہ مرید و محب کی نسبت مراد و محبوب والے مصیبت کے لئے زیادہ نامزد ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام نے جو مرادوں اور محبوبوں کے رئیس و سردار ہیں فرمایا ہے: مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ (کسی نبی کو اتنی ایذا نہیں دی گئی جتنی مجھے دی گئی) ——— گویا "بلا" ایک رہنما دلالہ کی حیثیت رکھتی ہے جو اپنے حسن دلالت و رہنمائی کی وجہ سے دوست کو دوست تک پہنچاتی ہے اور غیر دوست کی طرف توجہ کرنے سے پاک کر دیتی ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ دوست کروڑوں کے بدلے مصیبت خریدتے ہیں اور دوسرے لوگ مصیبت کو ٹالنے کے لئے کروڑوں خرچ کرتے ہیں۔

سوال: کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوستوں سے بھی مصیبت اور سختی کے وقت اضطراب و کراہت مفہوم ہوتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: وہ مصیبت و اضطراب ظاہری ہے جو بشری فطرت کے تقاضے کی وجہ سے ہے کہ اس کے باقی رکھنے میں بھی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں کیونکہ اس کے بغیر، نفس کے ساتھ دشمنی اور جہاد متصور نہیں ہے جیسا کہ آپ نے سنا ہوگا کہ دین و دنیا کے سردار علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ کی وہ بے قراری و بے چینی جو سکراتِ موت کے وقت ظاہر ہوتی تھی وہ گویا نفس کے ساتھ جہاد کا بقیہ (حصہ) تھا تاکہ خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتحیات کا خاتمہ دشمنانِ خدا سے جہاد پر متحقق ہو۔ شدتِ مجاہدہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صفاتِ بشری کے تمام مادے منقطع ہو جائیں اور نفس کو کمال اطاعت میں لاکر اطمینان کی حقیقت تک پہنچائیں اور پاک و پاکیزہ کریں ـــــــ پس بلا و مصیبت بازارِ محبت کی رہنمائی کرنے والی دلالہ ہے اور جو کوئی محبت نہیں رکھتا اس کو کوچۂ یار سے کیا مطلب، اور رہنمائی اس کے کیا کام آئیگی اور اس کے نزدیک اس کی کیا قدر و قیمت ہوگی ـــــــ بلاؤں کے وارد ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ محبِ صادق اور مدعی کاذب کے درمیان تمیز ہو جائے کیونکہ اگر وہ صادق (سچا) ہے تو بلاؤں کے ورود سے اس کو لذت اور خوشی حاصل ہوگی اور اگر مدعی کاذب (جھوٹا) ہے تو اس کے حصے میں رنج و الم کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اور یہ تمیز صرف اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جس کے اندر صدق اور خلوص کی آمیزش ہو تاکہ رنج و الم کی حقیقت کو کراہت و الم کی ظاہری صورت سے جدا کر سکے، اور صفاتِ بشریت کی حقیقت کو صفاتِ بشریت کی صورت سے علیحدہ کرے۔ اَلْوَلِیُّ یَعْرِفُ الْوَلِیَّ (ولی را ولی می شناسد، ولی کو ولی ہی پہچانتا ہے) اسی بیان کی طرف اشارہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی راہِ راست کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

(سوال) آپ نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ عدم کو محض لا شئے کہا گیا ہے لہٰذا اس کا وجود نہ ہوا اور جب اس کا وجود نہ ہوگا تو اس وجود سے جو ذہن میں پیدا ہوتا ہے اس پر آثار و ترقیات کیسے پیدا ہوں گی اور اگر ہوں گی تو وہ ذہنی ہوں گی، اور اگر ذہنی ہوئیں تو وہ دائرۂ خیال سے کس طرح نکل سکتی ہیں؟

(جواب) جاننا چاہئے کہ عدم اگرچہ لا شئے ہے مگر یہ تمام کارخانۂ اشیاء اسی پر قائم ہے اور تفصیلات کا پیدا ہونا اور کثرتِ اشیاء اسی کے آئینہ دار ہیں۔ اور اسماءِ الٰہی جل سلطانہٗ کی صورِ علمیہ جو کہ عدم کے آئینہ میں منعکس ہو کر اس کو ممتاز کرتی ہیں اور ثبوتِ علمی بخشتی ہیں تو لازمی طور پر اس کو محض لا شئے

حقیقتِ مصیبت و اضطراب

حقیقتِ عدم

ہونے سے نکال کر آثار و احکام کے پیدا ہونے کی جگہ قرار دیا ہے، اور یہ آثار و احکام خانۂ علم کے باہر بھی حاصل ہیں اور حس و وہم کے مرتبہ میں بھی ثابت ہیں۔ اور جب خداوند جل شانہٗ کی کمال صنعت نے اس میں استحکام کے ساتھ ثبات و استقرار پیدا کرلیا ہے تو حس و وہم کے زوال سے بھی زائل نہیں ہوتے ـــــــ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ آثار و احکام خارجی ہیں، آپ عدم کی ترقیات سے کیوں تعجب کرتے ہیں، کائنات کا یہ تمام دبدبہ اور شان و شوکت اسی عدم پر مبنی ہے۔ خداوند جل شانہٗ کی قدرت کا مشاہدہ فرمائیے کہ عدم ہی سے اس وسیع کارخانے کو تیار کیا ہے اور وجود کے کمالات کو اس کے نقائص کے ساتھ ظاہر فرمادیا ہے تاکہ اس (عدم) کی ترقی کی راہ کامل طور پر واضح ہوجائے جو اسمائے واجبی جل سلطانہٗ کے صور علمیہ کے حجرہ میں متمکن ہیں اور عدم کے ساتھ ہمبستر ہیں اور اس کی بغل میں ہیں، اور صورت سے حقیقت کی طرف اور ظلال سے اصل کی طرف سیدھی شاہراہ واقع ہے۔ کوئی کور باطن ہی ہوگا جو اس شاہراہ کا احساس نہ کرے۔ اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا (مزمل آیہ ۱۹) (یقیناً یہ ایک نصیحت ہے پس جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راہ اختیار کرے) ـــــــ ذہن اور خیال کا لفظ آپ کو شبہ میں نہ ڈال دے اور آثار و ترقیات کو آپ کی نظر میں دشوار نہ کردے کہ جو بھی معاملہ ہے وہ علم و خیال سے باہر نہیں ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ خیال سے خیال تک بڑا فرق ہے، اور مرتبۂ وہم و خیال میں خلق ہونا اور امر ہے اور وہم و خیال کا اختراع دوسری چیز ہے، کیونکہ پہلی صورت تو نفس الامری ہے، اور کہا جاسکتا ہے کہ یہی موجود خارجی بھی ہے، اور دوسری صورت اس دولت سے بہت کم حصہ رکھتی ہے اور اس ثبات و قرار سے بہت کم نفع اٹھانے والی ہے ـــــــ (ہم نے) عدم کے بعض ہنروں کو معرفت کے بیان میں علیحدہ لکھا ہے جن کی نقل میر محب اللہ لے گئے ہیں، اگر آپ کا ذوق ہو تو وہاں سے ملاحظہ فرمائیں۔

نیز آپ نے فنا و بقا کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اس کلمہ کے معنی کو اس فقیر نے مکتوبات و رسائل میں بہت کچھ لکھ دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی بات پوشیدہ رہ گئی ہو تو اس کا علاج یہاں آکر روبرو گفتگو کرنے پر منحصر ہے۔ کیونکہ پوری حقیقت لکھنے میں نہیں آسکتی اور اگر آ بھی جائے تو اس کا اظہار مصلحت سے دور ہے کہ کوئی شخص کیا سمجھے اور کیا پائے۔ ـــــــ فنا و بقا شہودی ہے وجودی نہیں کیونکہ بندہ (کا وجود) ناچیز (فنا) نہیں ہوتا اور نہ ہی حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہوتا ہے

بندہ ہمیشہ بندہ ہی رہتا ہے اور رب ہمیشہ رب ہی ہے۔ وہ لوگ زندیق ہیں جو فنا و بقا کو وجودی تصور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بندہ اپنے وجودی تعینات کو دُور کر کے اپنی اصل کے ساتھ جو کہ تعینات و قیود سے پاک ہے متحد ہو جاتا ہے اور اپنے آپ سے فانی ہو کر اپنے رب کے ساتھ بقا حاصل کر لیتا ہے جس طرح کہ قطرہ اپنے آپ سے فانی ہو کر دریا میں مل گھل جاتا ہے اور اپنی قید کو دُور کر کے مطلق کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے أَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ مُعْتَقَدَاتِهِمُ السُّوْءِ (اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے بُرے عقائد سے بچائے) ـــــ فنا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اُس سبحانہٗ (وتعالیٰ) کے علاوہ سب کو بھول جائے اور اس تعالیٰ کے سوا کسی اور کی گرفتاری اور تعلق باقی نہ رہے اور سینہ و دل کے میدان کو اپنی تمام مرادوں اور خواہشوں سے پاک و صاف کر دے جیسا کہ مقام بندگی کے مناسب ہے۔ اور مقام بقا کے مناسب یہ ہے کہ آیاتِ انفسی کے مشاہدہ کے بعد بندہ اپنے مولا جل سلطانہٗ کی مرادوں پر قائم ہو جائے اور اس سبحانہٗ کی مرادوں کو عین اپنی مرادیں معلوم کرے۔

نیز آپ نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ وہ سیر جو نفس سے باہر ہے وہ کونسی ہے کیونکہ عالمِ خلق اور عالمِ امر کے مراتبِ عشرہ کی سیر اور ہیئتِ وحدانی کی سیر جب انفس کی سیر میں داخل ہے تو پھر انفس کی سیر سے ماوراء کونسی سیر ہے؟ ـــــ (جواب) جاننا چاہیئے کہ انفس بھی آفاق کے مانند اسماءِ الٰہی جل سلطانہٗ کے ظلال میں سے ہے اور جب خداوند جل شانہٗ کے فضل سے خود کو فراموش کر کے اپنی اصل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنی اصل کے ساتھ محبت پیدا کرتا ہے تو لازمی طور پر بحکم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) کے موافق بعینہٖ اپنی اصل پائے گا اور اپنی اَنَا کو اسی اصل کے سپرد کرے گا۔ اور اسی طرح چونکہ اس اصل کی بھی ایک دوسری اصل ہے تو اس اصل سے اُس اصل تک چلا جائے گا بلکہ اپنے آپ کو اس اصل کا عین پائے گا اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ کتاب اپنی اصل کو پہنچ جائے ـــــ یہ سیر آفاق و انفس کی سیر سے ماوراء ہے۔ لیکن جاننا چاہیئے کہ ایک جماعت نے سیرِ انفسی کو سیر فی اللہ کہا ہے۔ اور وہ سیر جس کا بیان ہوا ہے وہ اس سیر کے علاوہ ہے جس کو وہ کہتے ہیں کیونکہ یہ سیر حصولی ہے اور وہ سیر وصولی۔ اور حصول و وصول کے درمیان کا فرق متعدد مکتوبات میں تفصیل کے ساتھ تحریر ہو چکا ہے وہاں ملاحظہ کر لیں۔

(سوال) نیز آپ نے ذات و صفات اور افعالِ واجبی جل سلطانہٗ کی اقربیت کے بارے میں

دریافت کیا تھا ——— (جواب) اس کا بیان بھی روبرو ہونے سے تعلق رکھتا ہے لہذا اس کا تحریر کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔ اور اگر تحریر کیا جائے تو مغلق (سربستہ) ہونے کی وجہ سے معلوم نہیں کہ سمجھ میں آسکے یا نہ آسکے۔ روبرو بیان کرنے سے بھی سمجھ میں آجائے تو غنیمت ہے۔

اور نیز آپ نے مرتبۂ نبوت کے کمالات کے بارے میں دریافت کیا تھا کہ فنا و بقا، تجلی اور تعین کا مبدأ ہونا سب کمالات ولایتِ ثلاثہ کے مراتب میں ہیں، اور نبوت کے کمالات کے مراتب میں سیر کس طرح ہے؟ ——— جاننا چاہئے کہ عروج کے مراتب میں جبتک وہ ایک دوسرے سے متمیز ہیں اور ایک اصل سے دوسری اصل کی طرف جاتے ہیں وہ تمام کمالات دائرۂ ولایت میں داخل ہیں اور جب یہ تمیز اُٹھ جاتی ہے یہ تفصیل کم ہوجاتی ہے اور معاملہ اجمال و اختصار سے بساطتِ صرف تک پہنچ جاتا ہے تو مرتبۂ نبوت کے کمالات شروع ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ اس مرتبہ میں بھی بہت وسعت ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (بقرہ[۲] آیت ۱۱۵) (بیشک اللہ تعالیٰ بہت بڑی وسعت والا اور علم والا ہے)۔ لیکن وہ وسعت دوسری وسعت ہے اور اگر تمیز ہے تو وہ بھی دوسری تمیز ہے۔ اس سے زیادہ اس بارے میں کیا لکھا جائے اور کیا سمجھایا جائے ——— رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف[۱۸] آیت ۱۰) (اے ہمارے رب ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما)۔

نیز آپ نے نماز کے بعض اسرار کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اس کا جواب دوسرے وقت کے لئے موخر کردیا گیا ہے کیونکہ وقت بہت تنگ ہے اور زمانہ اور اہلِ زمانہ سے وقت کی چوری کرکے کچھ تحریر کیا گیا ہے اب فقیر کے حال پر رحم کریں اور استفسار پر دلیر نہ ہوں ——— رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (آل عمران[۳] آیت ۱۴۷) اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کاموں میں جو ہم سے زیادتیاں ہوتی ہیں ان کو بھی بخش دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہماری مدد فرما)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْمِنَّۃُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّالصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ دَائِمًا وَّسَرْمَدًا وَّعَلٰٓی اٰلِہِ الْکِرَامِ وَصَحْبِہِ الْعِظَامِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔

---

الحمد للہ والمنۃ کہ محض حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے مکتوبات شریفہ کے دفتر اول اور دفتر دوم ترتیب وتصحیح اور اشاعت کی سعادت اس عاجز ناتواں کو عطا فرمائی۔ دعا ہے کہ اسی طرح حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے دفتر سوم کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

احقر وعاجز محمد اعلیٰ عفی عنہ

# اشاریہ

## آیاتِ قرآنی

# احادیث شریفہ

## اقوال بزرگاں

# اسماء الرجال

## مصطلحات

## اسماء الکتب



## اسماء البلدان



## اسماء الاشیاء

# عبادات

# ادارۂ مجددیہ۔ ناظم آباد ۳ کراچی کی جملہ مطبوعات

- اثبات النبوۃ۔ (عربی مع اردو ترجمہ)۔ (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- انوارِ معصومیہ۔ سوانح حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- حضرت مجدد الفِ ثانی رح۔ سوانح حضرت مجدد الفِ ثانی رح۔ 〃 〃 〃 〃
- حیاتِ سعیدیہ۔ سوانح حضرت خواجہ محمد سعید احمد پوری رح۔ 〃 〃 〃 〃
- رسالہ تہلیلیہ۔ (عربی مع اردو ترجمہ) —— (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- ریڈیو تقاریر۔ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- زبدۃ الفقہ۔ حصہ اول۔ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ۔ 〃 〃 〃 〃
- 〃 حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ 〃 〃 〃 〃
- 〃 حصہ سوم کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم 〃 〃 〃 〃
- شرح رباعیات (فارسی مع اردو ترجمہ) (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- طریقہ حج اور دعائیں۔ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- عمدۃ السلوک 〃 〃 〃 〃
- عمدۃ الفقہ۔ حصہ اول۔ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ۔ حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ 〃 〃 〃
- حصہ سوم کتاب الزکوٰۃ۔ اور حصہ چہارم کتاب الحج 〃 〃 〃
- مکتوباتِ حضرت مجدد الفِ ثانی فارسی۔ ہر سہ دفتر (حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ)
- اردو ترجمہ مکتوبات حضرت مجدد الفِ ثانی دفتر اول حصہ اول و دوم 〃
- 〃 〃 دفتر دوم۔ دفتر سوم 〃
- مبدأ و معاد (فارسی مع اردو ترجمہ) 〃
- معارف لدنیہ 〃 〃
- مکتوبات معصومیہ فارسی کامل ہر سہ دفتر (حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ)
- اردو ترجمہ مکتوبات معصومیہ ہر سہ دفتر 〃
- معجم القرآن (لغات القرآن) • گلدستۂ عربی • گلدستۂ مناجات
- مقالات زواریہ • ہدایت الطالبین

# ادارۂ مجددیہ۔ ناظم آباد ۳ کراچی کی جملہ مطبوعات

- اثبات النبوۃ۔ (عربی مع اردو ترجمہ)۔ (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- انوارِ معصومیہ۔ سوانح حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- حضرت مجدد الفِ ثانیؒ۔ سوانح حضرت مجدد الفِ ثانیؒ۔ 〃 〃 〃 〃
- حیاتِ سعیدیہ۔ سوانح حضرت خواجہ محمد سعید احمد پوریؒ۔ 〃 〃 〃 〃
- رسالہ تہلیلیہ۔ (عربی مع اردو ترجمہ) —— (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- ریڈیو تقاریر۔ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- زبدۃ الفقہ۔ حصہ اول۔ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ۔ 〃 〃 〃 〃
- 〃 حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ 〃 〃 〃
- 〃 حصہ سوم کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم 〃 〃 〃
- شرح رباعیات (فارسی مع اردو ترجمہ) (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- طریقہ حج اور دعائیں۔ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- عمدۃ السلوک 〃 〃 〃
- عمدۃ الفقہ۔ حصہ اول۔ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ۔ حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ 〃 〃 〃
- حصہ سوم کتاب الزکوٰۃ۔ اور حصہ چہارم کتاب الحج 〃 〃 〃
- مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی فارسی۔ ہر سہ دفتر (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ)
- مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اردو ترجمہ دفتر اول حصہ اول و دوم 〃
- 〃 〃 دفتر دوم۔ دفتر سوم 〃
- مبدأ و معاد (فارسی مع اردو ترجمہ) 〃
- معارف لدنیہ 〃 〃
- مکتوبات معصومیہ فارسی، کامل ہر سہ دفتر (حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ)
- اردو ترجمہ مکتوبات معصومیہ ہر سہ دفتر 〃
- معجم القرآن (لغات القرآن) • گلدستہ عربی • گلدستۂ مناجات
- مقامات زواریہ • ہدایت الطالبین

ادارۂ مجددیہ: ۵/۲، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی